تمدّنِ اسلام

حصّہ دوم

مُترجمہ
محمد حلیم انصاری ردولوی

مُصنّفہ
علّامہ جرجی زیدان

جس میں اسلامی حکومت کی ثروت، عہدہ دارانِ حکومت اور خلفاکی دولتمندی اس ثروت کی فراہمی کے اسباب، پھر اس کے انحطاط کے وجوہ، عام ملک کی ثروت اور خاص شہروں اور دیہاتوں کی مالداری سے بالترتیب بحث کی گئی ہے اور مملکت اسلام کی مالی آمدنی کے قدیم گوشوارے درج کر کے ان پر تنقیدی بحث کی ہے

شیخ شوکت علی اینڈ سنز تاجرانِ کتب
بندر روڈ، کراچی
قیمت:- سات روپے پچاس پیسے

طبع اوّل:- شیخ شوکت علی اینڈ سنز کراچی۔ اگست سنہ ۱۹۶۴ء

ناشر: بلقیس اقبال
پروپرائٹر شیخ شوکت علی اینڈ سنز تاجرانِ کتب
بندر روڈ، کراچی

مطبوعہ
ایجوکیشنل پریس کراچی

فہرست عنوانات تمدن اسلام حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمدن کے ظاہری نتائج اور اس کی حقیقت

ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں مختصر طور پر اسلامی حکومت کے قیام اور اس کے ملکی مالی اور انتظامی کاروبار کی تاریخ بیان کی ہے۔ مگر وہ باتیں اسلامی تمدن کی حالتوں پر غور کرنے کے لیئے صرف تمہید کے طور پر تھیں۔ کیونکہ ہر ایک تمدن کی چند نمائشی حالتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے ناظرین کو دلچسپی اور توجہ پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس کی اصل حقیقت پر غور کرنے سے ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جن پر مورخین کو بحث کرنے اور زور قلم دکھلانے کا موقع ملتا ہے۔

تمدن کے نمائشی حالات اس کے کھلے ہوئے نتیجے ہیں۔ مثلاً دولت مندی، شان و شوکت، علم و ادب، صناعت و تجارت اور سوسائٹی کی ترتیب اور آداب معاشرت مگر تمدن کی حقیقت اور ماہیت اس کے سایہ میں رہنے والوں کی اچھی یا بُری حالت ہے۔ جس کو خوش حالی، فارغ البالی یا ادبار اور پریشان روزگاری کے نام سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔

اسلامی تمدن کا نمائشی رخ یوں تو دولت مندی۔ علم۔ ادب۔ صناعت تجارت اور اہل ملک کی طرز معاشرت کو شامل ہے۔ لیکن ہم ان میں سے اس حصہ میں صرف مملکت اسلامی کی دولت مندی سے بحث کریں گے اور باقی چیزوں کو ان کے موقع

پر ذکر کرنے کے لئے چھوڑیں گے۔

کسی ملک کی دولت مندی بیان کرنے کے لئے اس بات کا علم درکار ہے کہ اس وقت کی سلطنتوں اور مقتضیات زمانہ کے لحاظ سے اس کے حصول کے ذریعے اور اسباب کیا تھے۔ اور ان حکومتوں اور زمانوں کے تغیر و تبدل کا اثر ملک کی عام حالت پر کیا پڑتا تھا۔ ہر زمانہ کی دولت مندی عام ملکی باشندوں میں ہوتی تھی یا کسی خاص طبقے میں محصور رہتی تھی، اور یا دولت کے خزانے صرف ارباب حکومت اصحاب حل و عقد کے ہاتھوں میں رہا کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ ملک کے مشہور شہروں کی دولت مندی اور قابل ذکر عمارتوں کا حال بھی بیان کرنے کے لائق ہوتا ہے۔

اسلامی مملکت کی دولتمندی

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اسلامی مملکت کی انتہائی دولتمندی کا عہد بنو عباس کا دور حکومت تھا۔ اور اگر ہمیں صرف اُسی دولت مندی کا بیان کرنا مدنظر ہوتا تو ہمارے واسطے اس قدر لکھ دینا کافی تھا کہ بیت المال کی آمدنی اور خرچ کیا تھا۔ خلفا کے شاہانہ مصارف کس قدر تھے اور ان کے درباری امیروں اور اہل مناصب کی ثروت اور آسودہ حالی کے کیا ذرائع تھے۔ لیکن اس کتاب کی تالیف شروع کرنے کے وقت سے اب تک جس خیال کو ہم نے مرعی رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک واقعہ کو اس کے اسباب کی طرف منسوب کر کے اصلی وجوہات کا پتہ لگایا جائے۔ اور اس کے بعد ان تمام امور کے تعلقات بیان کئے جائیں جو مجموعی طور پر حالت عامہ سے متعلق ہو سکتے ہیں اور نیز وہ حالات درج کئے جائیں جو ہر زمانے کے تغیر و تبدل کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مملکت اسلامی دو جداگانہ چیزیں تھیں۔ کیونکہ دولت (حکومت) کا مصداق حکمرانوں کی ذات اور ارکان سلطنت ہیں۔ اور مملکت سے مراد ممالک اور اس کے باشندے ہیں۔ اس صورت میں یہ مناسب ہوگا کہ ہم مضمون زیر بحث کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ پہلے حصے میں حکومت اسلامی کی ثروت ہو اور دوسرے حصے میں مملکت اسلامی کے تمول کی تشریح اور ان دونوں کو ایسے

طریق سے بیان کریں کہ ازمنہ متقدم الذکر کے لحاظ سے ان کا امتیازی فرق معلوم ہو سکے۔

اس تمہید کے بعد حکومت اسلامی کی دولتمندی کا تفصیلی بیان اس کے ازمنہ کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ یہ عہد چار زمانوں پر منقسم ہے۔

(۱) دور نبوت (۲) دور خلافت راشدہ (۳) دور بنو امیہ (۴) دور بنو عباس۔

ہر زمانہ کی حالت چند بابوں پر منقسم ہو گی۔ کسی میں خاص حکومت کے تمول یا بیت المال کی ثروت کا تذکرہ ہو گا اور کسی میں ملکی عہدہ داروں اور ارباب حل و عقد کی ثروت کا بیان کیا جائے گا۔ اسی کے ساتھ اس دولتمندی کے سببوں پر نظر غائر ڈالی جائے گی اور اس کی کمی اور زیادتی کے اسباب سے بحث ہو گی۔ خراج اور جزیہ وغیرہ کی تاریخ۔ مصارف کے ابواب اور اس کے علاوہ دوسری قابل ذکر باتوں کا بھی بیان ہو گا۔

ایک مبصر کی رائے میں اسلامی حکومت کی دولتمندی کا انقسام پانچ زمانوں پر حسب ذیل ہو سکتا ہے۔

(۱) دور نبوت (۲) دور خلفائے راشدین (۳) دور بنو امیہ (۴) بنو عباس کا پہلا دور یا ان کی روز افزوں ترقی کرنے والا زمانہ (۵) عباسیوں کا آخری دور یا ان کے تنزل اور انحطاط کا عہد۔

ان کے علاوہ مصر اور اندلس وغیرہ میں جو دوسری اسلامی سلطنتیں موجود تھیں ان کی ثروت کا بیان بھی استشہاد یا تمثیل کے طور پر اثنائے کلام میں آتا رہے گا۔ کیونکہ اسلامی تمدن سے مراد صرف عباسی تمدن ہے اور وہی مقصود اصلی ہے۔

اسلامی حکومت کی دولتمندی

۱۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد سنہ ہجری سے سنہ ۱۱ھ تک

اگر حکومت کی دولتمندی کے یہ معنی سمجھے جائیں کہ اُس کی آمدنی اخراجات سے زائد ہو، یا اس کے ضروری مصارف پورے کرنے کے بعد محاصل کی جو رقم بچ رہے وہ خزانے میں داخل کی جاتی ہو تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اسلامی حکومت کو فی الحقیقت کوئی تمول یا ثروت حاصل نہ تھی۔ اس لئے کہ اُن دنوں کوئی رقم خزانہ میں جمع نہیں ہوتی تھی۔ اور نہ اس وقت تک مسلمانوں کے ہاں بیت المال کا وجود تھا۔ بلکہ اُن کی حالت یہ تھی کہ جب کبھی غنیمت کا مال ہاتھ آ جاتا تو فوراً آپس میں بانٹ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح صدقات و زکوٰۃ کی آمدنی مستحق لوگوں پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اور اگر اس قسم کے ذیل میں کچھ باقی رہ جاتا تو اُسے وقتی ضرورتوں کے لئے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ اُس کی حفاظت اور نگرانی خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ اور چونکہ اس مد میں زیادہ تر بھیڑ بکریاں اونٹ اور گھوڑے ہوا کرتے تھے اس لیے ان کو ایک خاص نشان سے داغ دے کر دوسرے اسی قسم کے جانوروں سے ممتاز بنایا جاتا تھا۔

غرضیکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حکومت کا تمول زکوٰۃ کے باقیماندہ اونٹ گھوڑوں بھیڑ اور بکریوں کے گلّوں سے مراد تھا۔ جو مخصوص چراگاہوں میں رکھے جانے کی وجہ سے عام لوگوں کے مملوکہ جانوروں سے متغائر ہوتے تھے۔ ایسی چراگاہیں "مدینہ" کے قریب "بقیع" میں واقع تھیں۔ اور ان کو "حمیٰ" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔(۱) اور اس خاص داغ کے سبب سے جو اُن جانوروں پر لگایا جاتا تھا یہ اپنی جنس کے دوسرے جانوروں میں ممتاز ہوتے تھے۔(۲) حضور انور کے زمانے میں اونٹوں

اور گھوڑوں کی تعداد ملا کر چالیس ہزار راس تک پہونچ گئی تھی۔ (۱) یہ مال اور جو نقد آمدنی صدقات سے ہوتی تھی، غزوات کے وقت سامان جنگ کی درستی پر صرف کیجاتی، تحصیل زکوٰۃ کے محکمہ کا خرچ اور فقیروں اور یتیموں کی مد خرچ بھی اس مال سے کیجاتی۔

خلفائے راشدین کا زمانہ ۱۱ھ سے ۴۱ھ تک خلفائے راشدین کا عہد اسلامی تاریخ میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ یہ مبارک زمانہ حقیقی انصاف اور خدا ترسی کا دور تھا۔ اس دور میں حکومت حق پسندی راستبازی اور سچی غیر تمندی کے قابل قدر اصول پر قائم تھی۔ اس وقت کے مسلمان دین پژوہی میں نہایت راسخ تھے اور دنیا کو حقیر سمجھنا ان کا شیوہ تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کو اس کے مابعد کے مسلمانوں نے اپنے طرز عمل کا رہنما بنایا اور اس کی پیروی کو اپنا فخر سمجھا اور جس وقت کسی اسلامی حکومت نے ان اصولوں کی خلاف ورزی کی تمام مسلمان پبلک برافروختہ ہوجاتی تھی اور حکومت سے شاہراہ حق کی طرف رجوع کرنے اور خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلنے کی خواہش کرتے تھے۔ ان برگزیدہ حکمرانوں کے بعد اسلامی حکومت کا طرز عمل بدل گیا اور دینی خلافت کی جگہ دنیوی ملک داری کے قانون قائم ہوگئے۔ خلفاء اور ان کے عاملوں، (گورنروں) کے دلوں میں حرص و طمع نے گھر کیا اور وہ ہر ایک جائز اور ناجائز ذریعے صرف مال و دولت کا جمع کرنا اپنا اصلی مقصد خیال کرنے لگے۔

بیت المال حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے رحلت فرمانے کے بعد مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ خود ہی ارکان سلطنت تھے، اور خود ہی عام فوجی سپاہی ان کے پاس قلت مداخل کے باعث کوئی بیت المال (خزانۂ عامرہ) نہیں تھا۔ اور نہ ضروری مصارف کے علاوہ ان کو مال و زر کی خواہش ہوتی تھی۔ ان کے پاس جس قدر مال زکوٰۃ اور مال غنیمت سے آتا تھا وہ زیادہ تر بھیڑ بکریوں اونٹ اور گھوڑوں یا غلات کی قسم سے ہوتا تھا۔ نقد روپیہ ان کے پاس بہت کم ہوتا تھا۔ البتہ جس وقت شام فارس اور مصر کے ممالک انہوں نے فتح کرلئے تو زر سرخ و سفید کے ڈھیر ان کو نظر آئے اور ان کی آنکھیں

نمبر پچھلا (۱) ماوردی صفحہ ۱۷۹ (۲) صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۱۹ - حاشیہ صفحہ ہذا (۱) شرح مؤطا

کھل گئیں۔ کہتے ہیں کہ صوبہ "بحرین" کے گورنر "حضرت ابوہریرہؓ" ایک بار وہاں کے محاصل کا بہت سارا روپیہ لے کر خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ کے حضور میں آئے تھے جس وقت خلیفہ ممدوح نے ان سے دریافت کیا کہ "کیا لائے ہو؟" تو حضرت ابوہریرہؓ نے کہا پانچ لاکھ درہم۔ حضرت عمرؓ نے یہ رقم کثیر التعداد سمجھ کر پھر کہا۔ تم سمجھتے ہو کیا کہہ رہے ہو؟ ابوہریرہؓ نے لاکھ لاکھ درہم پانچ دفعہ کہا۔ اس جواب کو سن کر حضرت عمرؓ فوراً منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے ارشاد کیا۔ "صاحبو! آج ہمارے پاس بے شمار مال آیا ہے۔ جس کے تقسیم کرنے کے لئے تمہاری رائے دریافت کی جاتی ہے۔ کہ آیا پیمانوں سے ناپ کر تقسیم کیا جائے یا شمار کر کے بانٹا جائے؟ (۱) زر و مال کی فراوانی اس امر کی مقتضی ہوئی کہ حضرت عمرؓ کو مالی دفتر قائم کرنے اور تمام مسلمانوں کی تنخواہیں سبقت فی الاسلام اور قرابت نبی ؐ کے لحاظ سے مقرر کرنی ضروری معلوم ہوئیں (۲) مگر انہوں نے روپیہ جمع کرنے سے روکا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے یہ مشورہ دیا کہ اگر آپ حوادث آئندہ کے واسطے کچھ روپیہ بیت المال میں جمع رہنے دیں تو مناسب ہوگا۔ آپ نے سختی کے ساتھ جھڑک کر اس کو جواب دیا یہ ایک وسوسہ ہے جو شیطان نے تمہارے دل میں ڈالا ہے۔ خداوند پاک مجھ کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔ میرے بعد آنے والے لوگوں کے حق میں یہی امر فتنہ ہوگا۔ میں ہر ایک مصیبت اور حادثہ کے لئے بجز اطاعت خدا اور رسول کے کوئی دوسرے قسم کا ذخیرہ نہیں رکھنا چاہتا۔ اور یہی ہمارا وہ سود مند ذخیرہ ہے جس نے ہمیں ایسے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کیا ہے۔

حضرت عمر فاروق کا طریقہ

(۳) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں جب مال کی آمد بکثرت شروع ہوئی تو آپ نے دفتر مال قائم کر کے عاملوں (گورنروں) اور قاضیوں (ججوں) کی تنخواہیں مقرر کیں۔ مسلمانوں کو روپیہ جمع کرنے سے روکا۔ اراضی خریدنے۔ خود کھیتی کرنے یا نقد لگان پر دوسروں سے کاشتکاری کرانے سے منع کیا۔ (۴) اور ان کی ضرورتوں کے لئے خود ان کے اور ان کی بیویوں بچوں کے علیٰ قدر مراتب روزینے اور وظیفے مقرر کر دیئے۔ جو ان کو بیت المال سے برابر ملا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں

(۱) مقریزی جلد ۱۔ صفحہ ۹۲۔ (۲) دیکھو حصہ اول تمدن اسلام صفحہ ۱۲۵ (۳) ابن اثیر ۲۴۸ (۴) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۲۵۹

کے غلاموں اور ان کے موالی (آزاد شدہ غلاموں) کی بھی تنخواہیں مقرر کر دیں اس طرز عمل سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ مسلمان ہر حالت اور موقع پر فوجی خدمت کے لیے مستعد رہیں زمینداری اور کاشتکاری کے مشاغل ان کے مانع نہ ہوں۔ نہ ایک جگہ کی بود و باش نقل و حرکت کی مزاحم ہو۔ خاص ملکی باشندوں میں سے جو اہل ذمہ کہلاتے تھے جب کوئی شخص مشرف باسلام ہو جاتا تو اس کی مقبوضہ اراضی اور مکان اس کے ہموطن اور قرابت داروں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اور وہ اپنے حصوں کا مقررہ لگان ادا کرتے رہتے تھے۔ البتہ لونڈی، غلام اور مویشی اس کے قبضے میں باقی رہتے تھے۔ اور دفتر مال سے دیگر مسلمانوں کی طرح اس کی تنخواہ مقرر ہو جاتی تھی (۱)

اس قاعدے کے اجراء سے حضرت عمرؓ کا مدعا یہ تھا کہ ذمی لوگوں کی ذات اور ان کی اراضیاں آمدنی کا سرچشمہ بنی رہیں اور ان کے محاصل مسلمانوں کو غیر قوموں سے پولٹیکل جنگ کا سامان فراہم کرنے اور ان کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں ہمیشہ کام دیں۔ کیونکہ موجودہ مسلمانوں کو زمینیں خریدنے کی اجازت ہوتی تو یہی لوگ اس کے فوائد سے متمتع ہوتے اور دیگر لوگ محروم رہ جاتے۔ اور کچھ مدت کے بعد یہ اراضیات ان کی ذاتی جائدادیں بن جاتیں۔ (۲) حالانکہ حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ مفتوحہ ملکوں کی اراضیاں مسلمان مجاہدین کے لئے نسلاً بعد نسلٍ ہمیشہ سودمند رہیں۔ اور غیر مفتوح مشرک قوموں پر جہاد کرنے میں تقویت کا باعث ہوں۔ اسی غرض سے انہوں نے ان زمینوں کو وراثت اور بیع سے روک کر نا قابل انتقال اور محفوظ بنا دیا تھا۔ اور اہل اسلام کو جنگی خدمت ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا (۳)۔

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اموی جو عمر بن الخطاب کے نقش قدم پر چلنا ضروری خیال کرتے تھے، انہوں نے بھی اپنے عہد حکومت میں اس قاعدے کو جو مردہ ہو چکا تھا از سر نو زندہ کیا اور ایک فرمان اس مضمون کا صادر کیا۔ "جو ذمی اسلام قبول کرے اس کا مال اور

(۱) ابن عساکر ذکر میز کا نسخہ

(۲) کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۰۔ (۳) ابن عساکر۔

اس کی جان محفوظ ہو جائے گی مگر اس کے قبضے کی زمین مسلمانوں کے لئے خداداد عطیہ شمار ہوگی۔ اور جو لوگ ادائے جزیہ کے اقرار پر مسلمانوں سے صلح کرلیں گے۔ ان میں سے جب کوئی مشرف باسلام ہوا اس کی مقبوضہ اراضی اور مکان اس کی برادری کے لوگوں کا حق ہوگا (۱)" ان احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل اسلام صنعت حرفت اور تجارت وغیرہ سے محض بے تعلق اور جنگی خدمت کے لئے مخصوص رہے۔

خلفا اور ان کے عاملوں کی دولت مندی

اس سے پیشتر جو کچھ لکھا جا چکا اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ خلفائے راشدین کو مال و زر کی ذرا بھی خواہش نہ تھی۔ جس وقت حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو ان کے پاس سلطنت کے مال کا صرف ایک دینار نکلا تھا جو نادانستگی میں کسی تھیلی کے اندر رہ گیا تھا۔ اور اس کو جھاڑنے کے وقت نکل آیا (۲) کیونکہ ان کا دستور تھا کہ جس قدر مال ان کے پاس جمع ہوتا اس کو سب مسلمانوں میں بحصۂ مساوی تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اپنی ضرورتوں کا مطلق خیال نہیں کرتے تھے۔ قبول اسلام سے پیشتر چالیس ہزار درہم جو ان کے پاس تھے انہوں نے صرف کر ڈالے۔ اور اپنی گذر اوقات کے واسطے تجارت کا شغل کیا کرتے تھے۔ مگر جب خلافت کا بار ان پر ڈالا گیا تو ان کی ذات اور ان کے متعلقین کی بسر اوقات کے واسطے ایک مقدار وظیفہ کی مقرر کر دی گئی تاکہ کسب معاش سے بے فکر ہو کر مسلمانوں کے انتظام میں مصروف رہیں اور اپنی پوری توجہ کاروبار حکومت پر رکھیں اس وظیفے کی بابت بھی انتقال کے قریب انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے قبضے کی ایک زمین فروخت کرکے اس کی قیمت اس مال کے بدلے میں دیدی جائے جو انہوں نے مسلمانوں کے مال سے لے کر اپنی ذات پر صرف کیا تھا (۳) اور رحلت کے وقت یہ بھی وصیت کی کہ دو کپڑے جو ان کے پاس ہیں انھیں میں وہ کفنائے جائیں۔

حضرت عمر کا زہد و تقوی

حضرت عمر بن الخطاب کے حالات زہد اور پاکیزگی نفس کے بارے میں اس قدر مشہور ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔ صرف مجمل طور پر اس بات کا بیان کر دینا کافی ہے کہ درحقیقت اسلامی سلطنت کے بانی مبانی انھیں کی ذات والا صفات تھی۔

---

(۱) مقریزی جلد ا صفحہ ۷۷۔ (۲) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ (۳) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۰۷

اور انہوں نے حکومت اسلامی کی عمارت ملکداری کے نہایت مستحکم ستونوں پر قائم کی تھی۔ انہوں نے اسلامی حکومت کی بنیاد عدل۔ خدا ترسی۔ پرہیز گاری اور نصرت حق میں جان فدا کر دینے کے اعلیٰ اصول پر رکھی تھی۔ ان صفتوں کا تنہا ایک شخص کی ذات میں جمع ہونا شاذ اور نادر بات ہے اور اسی غرابت کی وجہ سے بعض اوقات اُن کی صفتوں کی نسبت مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لئے جانے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ مگر جب ہم ان نتیجوں پر غور کرتے ہیں جو ان بے مثل اوصاف پر مترتب ہوتے ہیں تو ہمیں ان کے حالات کو سچ اور راست تسلیم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں پیش آتی اور اس کے شواہد میں صرف ان بے شمار فتوحات کا خیال کر لینا کافی ہوتا ہے، جن کی وجہ سے مدینہ کے بیت المال میں زر و جواہر کے انبار لگے رہتے تھے۔ اور باوجود اس قدر کثیر دولت قبضہ میں موجود ہونے کے حضرت عمرؓ اس کی طرف مطلق التفات نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اسی وظیفے پر بسر کرتے تھے جسے مثل دوسرے صحابۂ اولین کے مساوی طور پر انہوں نے اپنے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ کبھی ایک حبہ اس سے زائد نہیں لیا اور ضرورت ہوئی تو بیت المال کے نگراں سے قرض لے لیا جسے فوراً دوسری تنخواہ کے برآمد ہونے پر مجرا دیدیا (۱) جس وقت ان کی عمر زیادہ ہو گئی اور انھیں اپنی وفات کا زمانہ قریب آتا نظر آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے کہا تھا کہ میں نے مسلمانوں کے بیت المال سے اسی ہزار درہم تلف کر ڈالے ہیں وہ میری اولاد کے مال سے واپس کئے جائیں، اور اگر میری اولاد کا مال اس کے لئے کفایت نہ کر سکے تو تمام آل خطاب کے مال سے اس کی کمی کو پورا کیا جائے۔ (۲) غذا اور لباس کے بارے میں ان کی احتیاط مشہور ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

حضرت علیؓ کا زہد و عدل امام علیؑ کے حالات بھی قریب قریب اسی طرح کے بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ بھی زہد اور عدل کے اعلیٰ صفات سے متصف تھے۔ اور نہایت سختی کے ساتھ اس کے پابند۔ ان کا ایک قول ہے کہ میں نے جس وقت بی بی فاطمہؓ کے

---

(۱) ابن اثیر جلد ۳۔ ص ۲۹ - (۲) یعقوبی جلد ۲ ص ۱۸۳ -

ساتھ عقد کیا ہے اس وقت میرے پاس صرف ایک دُنبہ کی کھال تھی جس پر رات کے وقت بستر بنا کر سویا کرتا تھا اور دن کو اسی پر دھوئے ہوئے کپڑے پھیلایا کرتا تھا۔ اور میرے پاس سوائے بی بی صاحبہ کا کوئی خادم تک نہ تھا" ان کے عہد خلافت میں اصفہان سے ایک بار کچھ مال اور سامان آیا جسے انہوں نے سات برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ اتفاقاً اسی سامان میں ایک روٹی بھی تھی۔ اس کے بھی سات ٹکڑے کئے اور امرائے اسباع کو بلا کر پہلے قرعہ ڈالا تاکہ جس کے نام قرعہ اٹھے ابتدا تقسیم کی اسی کے حصے سے کی جائے۔

حضرت علیؓ نے کوئی پختہ یا خام عمارت تعمیر نہیں کی اپنے رہنے کے لئے بھی مکان نہیں بنوایا۔ اور ان کے کھانے کے واسطے غلہ مدینہ سے آیا کرتا تھا جسے وہ خود ایک تھیلے میں رکھ کر اپنے ساتھ لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امام ممدوح نے اپنی تلوار اس بات کو ارشاد فرما کر فروخت کے لئے بازار میں بھیجی کہ اگر میرے پاس ایک تہبند کے واسطے چار درم ہوتے تو میں اس کو فروخت نہ کرتا۔ اس کے علاوہ ان کے اور بھی صدہا مناقب ہیں جن کا حصر اور شمار نہیں ہو سکتا۔ (۱)

مسلمان حکام کی خدا ترسی خلفائے راشدین کو عدل اور حق کی تائید میں اس بات سے اور بھی زیادہ مدد ملی کہ ان کے عامل (گورنر) زیادہ تر خدا ترس اور سچے خوش اعتقاد مسلمان تھے۔ عمرؓ کی یہ حالت تھی کہ جہاں انہوں نے اس بات کو دیکھا کہ ان کے عامل نے تجارت یا کسی دوسرے شغل سے اپنی مقررہ تنخواہ کے علاوہ کچھ اور دولت جمع کر لی ہے تو فوراً اس کا آدھا مال بٹوا کر بیت المال میں داخل کر دیتے تھے۔ اور اس کو بد دیانتی یا ظلم نہیں تصور کرتے تھے۔ چنانچہ سعد بن وقاصؓ عامل کوفہ عمرو بن العاصؓ عامل مصر اور ابی ہریرہؓ عامل بحرین اور ان کے سوا کئی اور شخصوں کے ساتھ انہوں نے یہی برتاؤ کیا تھا۔ (۲) اور یہ امر ذرا بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب عامل اپنے حکمراں کو خدا ترس اور بے لوث دیکھے گا اور اس کے پاک دامن اور خیر خواہ قوم ہونے کا ثبوت پائے گا تو باوجود اس بات کے کہ وہ امر اس کی طبیعت کے خلاف

(۱) ابن اثیر جلد ۳۔ ص ۲۰۲ (۲) یعقوبی جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۱۔

واقع ہوتا ہو پھر بھی وہ ضرور اپنے حاکم اور افسر کی پیروی کرے گا اور اس کو بھی جانے دیجئے۔ سب سے مقدم تو یہ بات ہے کہ خود خلیفہ کسی ایسے شخص کو ملکی کاروبار کا ذمہ دار نہیں بنائے گا جو اس کے طرز عمل اور خیالات سے مخالفت رکھتا ہو۔ خصوصاً عمرؓ تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ جن کی عاملوں پر سخت گیری مشہور ہے۔ ہر سال تمام کے موقع پر وہ اپنے عاملوں کی حالت جانچا کرتے تھے۔ اور معمولی سی بداعمالی پر بھی ان کو برطرف کر دیا کرتے تھے۔

عمیر بن سعد کا واقعہ حمص کی ولایت میں عمرؓ کی طرف سے "عمیرؓ بن سعد" نامی ایک شخص عامل مقرر ہوئے۔ سال تمام کے موقع پر خلیفہ نے محاسبہ کے واسطے انھیں "مدینے" میں طلب فرمایا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک دن عمرؓ کیا دیکھتے ہیں کہ عمیر بن سعد عامل حمص ننگے پاؤں، پاپیادہ اس حالت سے چلے آرہے ہیں کہ ہاتھ میں ایک لاٹھی ہے اور چمڑے کا توشہ دان اور کاٹھ کا ایک پیالہ اور ایک طباق پشت پر پڑا ہے۔ گورنر حمص کی یہ ہیئت کذائی دیکھ کر عمرؓ نے ان سے دریافت کیا عمیرؓ! تمہاری یہ حالت ہمارے حکم کی تعمیل میں ہوئی ہے یا وہ ملک برا ہے جہاں کے تم حاکم کئے گئے ہو؟"

عمیرؓ۔" امیرالمومنین! بدزبانی اور بدگمانی خدائے پاک کے نزدیک دونوں باتیں ناپسند ہیں۔ میں تو آپ کے پاس دنیا کے تمام ضروری سامانوں سے لیس ہو کر آیا ہوں کسی چیز کی خدا کی عنایت سے کمی نہیں۔"

عمرؓ۔" آخر میں بھی تو معلوم کروں کہ تمہارے پاس دنیاوی سامان سے کیا کیا چیزیں ہیں؟"

عمیرؓ۔ ایک تو یہ عصا ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور دشمن سے مقابلہ ہو تو اس کے ذریعے سے اپنا بچاؤ کرتا ہوں دوسرا یہ توشہ دان ہے جس میں خوراک کا سامان رکھتا ہوں۔"

عمرؓ۔" اور تم نے اپنے ملک کا کیا انتظام کیا؟"

عمیرؓ: "اونٹوں کے مالکوں سے زکوٰۃ میں اونٹ وصول کئے۔ ذمی رعایا سے جزیہ لیا اور پھر اس تمام محاصل کو فقیروں مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم کر دیا۔ خدا کی قسم اے امیر المومنین اگر میرے پاس اُس آمدنی میں سے کچھ باقی ہوتا تو میں اسے ضرور آپ کی خدمت میں حاضر کرتا۔"

عمرؓ: "اچھا تم اپنے ملک واپس جاؤ اور اپنا کام کرو" (1)

جمع مال کی ممانعت کا مقصد یہاں پر اس بات کی تشریح کر دینی ضروری ہے کہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ عمرؓ دولت کے جمع رکھنے کو ناپسند کرتے تھے اور عام مسلمانوں کو بھی اس بات سے باز رکھتے تھے۔ لہٰذا اگر وہ دولت جو بیت المال میں جمع ہونے کے لئے آتی تھی وہ مثل عہد نبوتؐ اور زمانۂ ابوبکرؓ کے، فوراً مسلمانوں پر مساوی تقسیم کر دی جاتی تو ان کو اپنے خیال کی پابندی آسان ہوتی۔ لیکن چونکہ انہوں نے لوگوں کے وظیفے اور تنخواہیں مقرر کر دی تھیں جو وقت مقررہ پر باقاعدہ تقسیم ہوتی تھیں اس لئے روپیہ کا خزانے میں جمع رہنا ایک لازمی امر ہو گیا تھا۔ اور اس کے علاوہ ان کے عہد میں فتوحات ملکی اس کثرت سے ہوئی تھیں کہ ان کے جزیہ اور خراج کی آمدنیوں کے سوا مال غنیمت کے خمس کی بے شمار مقدار بھی آتی رہتی تھی۔ اور باوجود اس کے کہ لوگوں کے وظائف برابر تقسیم ہوتے رہتے تھے پھر بھی کافی تعداد مال و زر کی باقی رہ جاتی ہوگی اس بقیہ دولت کو وہ کیا کرتے تھے۔ اگر فقرا اور مساکین پر بانٹ دیتے تھے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن جس وقت وہ کچھ روپیہ متفرق تقسیم کے لئے جمع رکھنے پر مجبور ہوتے ہوں تو اس کو ہم کیا تصور کریں؟ بظاہر اس اعتراض کا دفع کرنا مشکل نظر آئے گا لیکن ہمارے خیال میں اس کا جواب بہت آسانی کے ساتھ یوں دیا جا سکتا ہے کہ خلیفہ ممدوح کی ممانعت کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ وہ جنگی مصارف کی ضرورت کے لئے روپیہ جمع رکھنے کو ناپسند کرتے تھے۔ اور صرف اسی کی انہوں نے ممانعت کی تھی۔ اس لئے جو روپیہ خاص تقسیم تنخواہ کی غرض سے خزانے میں باقی رہتا تھا، وہ جمع کرنے کی تعریف سے خارج تھا۔

جمع مال کی طرف توجہ یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ عمرؓ کا یہ خیال اس مسلمہ

(1) استیعاب ج 1 ص 91۔

وصول کے سراسر خلاف تھا جو استحکام و قیام سلطنت کی بنیاد ہے۔ خزانے کا معمور رکھنا ملکداری کا جزو اعظم ہے اور حکومت کا بقا اسی پر منحصر ہے۔ لیکن چونکہ ابتدائی زمانے کے مسلمان خلافت کو سیاسی (پولیٹیکل) حکومت نہیں تصور کرتے تھے۔ اس لئے انھیں اس بات کی طرف توجہ نہیں ہوئی مگر کچھ عرصہ کے بعد جبکہ لوگوں کے دلوں سے عہد نبوت کا رعب و جلال گھٹ چلا تو انسانی فطرت نے ان کو مغلوب کر لیا اور وہی مسلمان جو دولتمندی سے نفرت کرتے تھے مال و زر جمع کرنے کے شائق بن گئے اور بعض ان میں بڑے بڑے مالدار بن گئے۔

دولتمندی کی طرف مسلمانوں کا رجحان حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آغاز ہوا جو ۲۳ھ سے ۳۵ھ تک تیرہ سال کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس کی خواہش پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ خلیفہ موصوف حضرت عمرؓ کی طرح سخت گیر نہیں تھے۔ اور اس کے سوا ایک اور بات بھی تھی وہ یہ کہ عثمان بن عفان اموی خاندان کے ایک ممبر تھے اور اموی لوگوں نے ان کی خلافت سے تازہ عزت حاصل کر کے اس بات پر کمر باندھی تھی کہ وہ اپنی گذشتہ عظمت و شوکت جو ان کو زمانہ جاہلیت میں حاصل تھی دوبارہ از سر نو حاصل کریں اور بنو ہاشم کو جنہوں نے عہد اسلام میں ان کے تمام مناصب چھین لئے تھے اور اپنے گھر میں نبوت کا شرف ہونے سے انھیں دبا رکھا تھا زک دیں۔ (۱) حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابت مندوں کو ممالک اسلام کا گورنر مقرر کرنا شروع کیا جن میں بعض لوگ ایسے تھے جو اسلام کے مقابلہ میں فروغ پانے سے مایوس ہو کر مجبوراً مشرف با سلام ہو گئے تھے حضرت عثمانؓ نے ایک اور بے اعتدالی کی وہ یہ کہ فتوحات میں مال غنیمت کا خمس بیت المال کے لئے نکالا جاتا تھا اور وہ عام مسلمانوں کو تقسیم کیا جاتا تھا اس میں انہوں نے اپنے عزیزوں کو اور لوگوں سے زائد حصہ دینا شروع کیا مثلاً ایک بار ۲۷ھ میں اسلامی افواج نے بماتحتی عبداللہ بن سعد کے جو حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ افریقیہ کا ملک فتح کیا۔ ۲۵۰۰۰۰۰ دینار مال غنیمت میں حاصل ہوئے۔ عبداللہ بن سعدؓ نے اس کا خمس بجائے بیت المال

(۱) دیکھو حصہ اول تاریخ تمدن ص ۵۹

میں داخل کرنے کے مروان بن حکم کو بخشدیا۔ اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دیدی (۱) اس کے علاوہ عثمانؓ نے عاملوں سے حساب فہمی کا قاعدہ توڑ دیا۔ اس لئے اکثر عاملوں کو جو ان کے رشتہ دار بھی تھے دل کھول کر زر و مال جمع کرنے کا موقع مل گیا۔ خاص کر معاویہ بن ابی سفیانؓ نے جو ملک شام کے عامل اور بڑے بلند نظر اور عالی حوصلہ شخص تھے بیشمار دولت فراہم کرلی اور سب سے پہلے عمرؓ کے اس قاعدے کو جو مسلمانوں کو اراضیات خریدنے اور زراعت کرنے سے باز رکھنے کے بارہ میں تھا انھیں توڑا۔

جاگیروں کی کوشش اس کی صورت یوں ہوئی کہ جس وقت اہل اسلام نے شام کا ملک فتح کیا تھا تو وہاں کی اراضیات خاص ملکی باشندوں کے قبضہ میں بحال رکھیں۔ چونکہ زمین کا بڑا حصہ رومی فوج کے افسروں یعنی بطریقوں کی جاگیروں میں تھا اور اسلامی فتح کے بعد وہ یا تو بھاگ گئے یا قتل ہوئے لہذا ان کی جائدادیں اور زمینیں لاوارث رہیں اور فاتح لوگوں کی ملکیت بن گئیں۔ یہ اراضیات بیت المال پر وقف تھیں اور قاعدہ یہ تھا کہ ہر صوبے کے گورنر ان زمینوں کو لگان پر دے لیا کرتے تھے اور ان کی آمدنی بیت المال میں داخل کرتے رہتے تھے۔ معاویہؓ کو ملک شام کی حکومت پر استقرار ہوا تو انھوں نے شان حکومت اور نمائش جاہ و جلال میں رومیوں کی پیروی کی اپنے حشم و خدم میں بہت سے لوگ بھرتی کئے اور اس قدر سامان ریاست درست کیا کہ ان کی آمدنی صرف کے لئے ناکافی ہو گئی۔ اور مقررہ تنخواہ میں بسر کرنا مشکل پڑ گیا۔ عثمانؓ کو کمزور حکمراں پاکر معاویہؓ نے انھیں لکھا کہ میری تنخواہ مصارف کے لئے ناکافی ہے۔ کیونکہ فوجوں کے وفد سپہ سالاروں کے قاصد اور دولت روم کے سفیروں کے آتے رہنے سے ان کی مہانداری کا خرچ مجھ کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اس تمہید سے حسن طلب کا موقع ثابت کرکے ان اراضیات کی نسبت جو بیت المال پر وقف تھیں یہ لکھا کہ ان کا کوئی خاص مالک نہیں ہے اور نہ وہ ذمی لوگوں کی ملک ہیں نہ ان پر کسی قسم کا خراج مقرر ہے۔ اس قدر تفصیل کے بعد اپنا مدعا یوں لکھا تھا کہ "اگر آپ حکم دیں تو میں انھیں اپنی جاگیر میں لے لوں؟" (۲)

---

(۱) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ (۲) ابن عساکر (خطی)

حضرت عمرؓ نے معاویہؓ کو ملک شام کا عامل (گورنر) مقرر فرمایا تھا اور ان کی تنخواہ سالانہ ہزار دینار قرار دی تھی (۱) جو اس وقت کے دوسرے عاملوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی۔ اب حضرت عثمانؓ کے عہد میں انہوں نے موقوفہ آراضیوں کو اپنی جاگیر بنانے کی خواہش کی۔ جسے خلیفہ ممدوح نے منظور کر لیا۔ اس طرح پر معاویہؓ نے ان زمینوں پر قبضہ کر کے اپنے کنبہ کے نادار لوگوں کو بلا حق انتقال تقسیم کر دیا۔ لیکن اس بات سے ان کو یہ جرات بھی پیدا ہو گئی کہ وہ جائداد اور علاقہ خریدیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کو صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھا بلکہ خلافت پر مستقل ہونے کے زمانے میں مسلمانوں کو عام طور پر اس کی اجازت دیدی کہ وہ آزادی کے ساتھ آراضیات خریدیں۔

جائداد خریدنا امیر معاویہ کی پیروی میں دوسرے صوبجات کے عاملوں نے بھی علاقے خریدنے شروع کئے اور تمام صحابہ نے املاکیں اور جائدادیں مول لے لیں جن میں طلحہؓ۔ زبیرؓ سعدؓ اور یعلیٰؓ وغیرہ کے ایسے اعلیٰ درجہ کے صحابی بھی شامل تھے۔ اور ان کی دولتمندی روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ یہاں تک کہ خود خلیفہ عثمان بن عفانؓ نے بھی بہت بڑا حصہ زمینوں کا خرید فرمایا اور بے شمار مال و زر جمع کیا۔ چنانچہ ان کی شہادت کے بعد ان کے خزانچی کی تحویل میں .... ۱۵ دینار اور ...... ۱۰ درہم نقد موجود نکلے اور وادی القریٰ اور حنین وغیرہ میں ان کی جو اراضیات تھیں ان زمینوں کی قیمت ..... ۱۰ دینار تک تخمینہ کی گئی۔ اثاث البیت اور اونٹ گھوڑے اس کے علاوہ تھے۔ (۲) اس بات سے قیاس قایم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ چونکہ خود بہت بڑے مال دار تھے لہذا انہوں نے اس بارہ میں مسلمانوں کی روک تھام نہیں کی گئی اور اس کے سوا ان کے عزیزوں خاص کر امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ نے انہیں اور بھی دولت کے جمع کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اس کے بعد سے مسلمانوں کے یہاں زمینداریاں خریدنا معمولی اور رواجی امر ہو گیا۔

مسلمانوں میں زمینداری کا شوق ایک وجہ سے اور بھی شائع ہوا جو حسب ذیل ہے،

حضرت عثمانؓ اور ان کے عاملوں نے چند ایسی زمینیں جن کا کوئی مالک نہیں تھا اس شرط

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۱ (۲) مسعودی جلد ۱ صفحہ ۳۰۱

پر اپنی جاگیر بنالی تھیں کہ ان کے معاوضہ میں ٹھیکہ یا لگان کے طور پر ایک مقررہ رقم بیت المال میں داخل کرتے رہیں گے ۔جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے ۔ مگر جس وقت ۸۲ھ میں اشعث کا فتنہ برپا ہوا تو اس میں سرکاری دفتر جل گیا اور تمام حسابات تلف ہو گئے اس موقع سے ان ٹھیکیداروں کا یہ فائدہ ہوا کہ وہ لوگ اپنی اپنی مقبوضہ زمینوں کے غصب کر لینے میں کامیاب ہو گئے (۱) اور ان کے مالک بن گئے ۔

حضرت ابوذرؓ کی مخالفت اگرچہ معاویہؓ اور ان کے ہم خیال چند دوسرے لوگ اس طریقے سے دولت کی فراہمی میں مصروف ہو رہے تھے تاہم عام مسلمان ان کے اس طرز عمل کے مخالف تھے ۔جس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے مساوات کا لحاظ نہیں رکھا تھا ۔ اور فقیہوں اور پرہیزگار لوگوں کی ناراضی کی تو کوئی حد نہیں تھی ۔حضرت ابی ذرؓ غفاری جو ایک جلیل القدر صحابی تھے ، ان کی رائے میں عمرؓ کے قاعدے کا ٹوٹنا بڑا ستم تھا اور وہ اس بات کا پختہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ایک مسلمان کی ملک میں رات اور دن کی خوراک سے زائد سامان رہنا ناجائز ہے ۔ اور جو اسے راہ خدا میں غربا پر ایثار کر دینا واجب یا ضہانداری میں صرف کرنا لازم ہے ۔(۲) وہ ملک شام کے دولت مندوں کو کہا کرتے تھے کہ " فقرا کی خدمت اور مسکینوں کی امداد کرو ۔ بے شک جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں اسے صرف نہیں کرتے ان کو معلوم رہے کہ انھیں سکوں کو گرم کر کے ان کی پیشانی ، پہلو اور پشت داغی جائے گی " ابی ذرؓ نے اپنے اس خیال کا اس قدر اعلان کیا تھا کہ فقیروں کو ایک سند ہاتھ آگئی اور انہوں نے امرا و اہل دولت کو امداد دینے پر مجبور بنالیا ۔ وہ سوال نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ گویا اپنا واجبی حق طلب کیا کرتے تھے ۔یہاں تک کہ دولت مند لوگوں نے تنگ ہو کر امیر معاویہؓ سے اس بات کی شکایت کی ۔ امیر معاویہؓ خود بھی ابی ذرؓ سے بہت ناراض تھے ۔کیونکہ وہ ان کو بھی کئی بار مال و زر جمع کرنے کی نسبت لعنت ملامت کر چکے تھے ۔چنانچہ جس وقت امیر معاویہؓ نے شہر دمشق میں " قصر خضرا " کا شاندار محل تعمیر کرایا تو اس کی تیاری کے بعد ابی ذرؓ سے بطور داد چاہنے کے دریافت کیا کہ آپ کے

(۱) ماوردی صفحہ ۱۸۳　(۲) ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۵۵

خیال میں یہ عمارت کیسی بنی ہے؟" جس کے جواب میں ابی ذرؓ نے کہا۔ "اگر تم نے اس کو خدا کے مال سے بنوایا ہے تو تم بددیانتی کے مرتکب ہوئے ہو اور اپنی ذاتی دولت صرف کی ہے تو فضول خرچی کے مرتکب ہوئے"(۱) امیر معاویہؓ ان کی اس ناگوار تنقید سے دل میں بہت رنجیدہ ہوئے۔ بظاہر تو کچھ نہیں کہا لیکن اندرونی طور پر ان کو قانونی شکنجہ میں لانے کی فکر رکھنے لگے۔ اس لئے انہوں نے ابی ذرؓ کے پاس ایک مرتبہ ہزار دینار رات کے وقت اس خیال سے بھیجے کہ وہ اس وقت ان کو صرف نہیں کر سکیں گے اور صبح کو میں انھیں الزام دوں گا۔ مگر ابی ذرؓ نے اپنی عادت کے موافق وہ سب روپیہ اسی وقت غریبوں اور مستحق لوگوں کو بانٹ دیا۔ صبح کو امیر معاویہؓ کے قاصد نے آکر ان سے کہا "جناب میں غلطی سے وہ دینار آپ کے پاس لے آیا تھا۔ اب امیر معاویہؓ انھیں واپس مانگتے ہیں۔" ابی ذرؓ نے جواب دیا "میں نے تو وہ سب روپیہ اسی وقت تقسیم بھی کر دیا۔" قاصد یہ جواب لے کر پلٹ گیا اور امیر معاویہؓ اپنے ارادے میں ناکام رہنے سے بہت شرمندہ ہوئے۔ اب انہوں نے الزام دینے کا موقع نہیں پایا تو ابی ذرؓ پر نقض امن کا الزام قائم کیا اور خلیفہ عثمانؓ بن عفان کو ان کی شکایت میں لکھا کہ:۔ "ابی ذرؓ کی وجہ سے تمام ملک شام کے لوگ آپ کے دشمن ہو رہے ہیں" اس شکایت نامہ کو پڑھ کر خلیفہ ممدوح نے فوراً یہ حکم تحریر کر دیا کہ "ابی ذرؓ کو ننگی کاٹھی پر سوار کر کے مدینہ منورہ میں بھیجدو(۲) غرضیکہ جب وہ اس حالت سے مدینہ پہونچے تو خلیفہ ممدوح نے ان سے جواب طلب کیا۔ مگر ابی ذرؓ نے اپنی سچائی کے زعم میں ان کے حکمراں ہونے کی کچھ بھی پروا نہ کی اور صاف صاف لفظوں میں بنو امیہ کے ظلم و ستم اور دائرہ حق سے خارج ہونے کی حالت بیان کر دی۔ عثمانؓ نے ان کی باتوں پر بھی خیال نہیں کیا اور انھیں مدینہ سے نکلوا دیا۔ اور حکم دیا کہ وہ "ربذہ" نامی ایک مقام کو جلا وطن کر دیئے جائیں چنانچہ وہ اپنے آخر وقت تک وہیں رہے۔ ابی ذرؓ کے ساتھ اس قسم کا سلوک ہونا عام مسلمانوں کو بہت گراں گزرا اور ان کے دلوں میں عثمانؓ کی طرف سے بغض پیدا ہو گیا۔

سیاست پر مال و دولت کے اثرات ۳۵ھ میں حضرت عثمان شہید ہوئے اور ان کے

(۱) ابن الطقطقی صفحہ ۵۶ (۲) یعنی جس کاٹھی پر نمدہ وغیرہ نہ چڑھایا گیا ہو۔ مقصد یہ تھا کہ تکلیف پہنچے۔

بعد خلافت کے بارہ میں فساد برپا ہوا۔ امیر معاویہؓ کو حصول خلافت کی بڑی تمنا تھی۔ مگر وہ اس بات کو جانتے تھے کہ موجودہ حالت میں خلافت کے ایسے دعویدار موجود ہیں۔ جو قرابت نبوی اور سبقت ایمانی کو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کریں گے لہٰذا انہوں نے روپے کی امداد سے اپنے طرفداروں کی ایک قوی جماعت فراہم کرنے کی سعی کی اور اس کے لئے انہیں بافراط نقد ومال خرچ کرنا اور اس کی فراہمی میں ان کو کئی قسم کی تدبیروں سے کام لینا پڑا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مال کی قوت کے سامنے تمام قوتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے اسوقت تک دنیا کے تمام بڑے بڑے کاموں کی بنیاد یہی مالی قوت رہتی آئی ہے۔ اور اسی محور پر تمدن دنیا گردش میں رہتی ہے۔ کوئی جنگ یا صلح محالفہ یا معاہدہ از قسم یا محاصرہ ایسا نہیں ہوتا جس کی تحریک پیدا کرنے والا "مال" کے علاوہ کوئی دوسرا امر ہو۔ امیر معاویہؓ نے بھی اسی قاعدہ پر عمل کیا اور بے دریغ روپیہ صرف کرکے عرب کے نامور پولٹیکل لوگوں کی ایک عمدہ جماعت اپنے قبضے میں کر لی اور ان سے اپنے منشا کے مطابق کام لیا۔ ان لوگوں نے اپنی مدبرانہ قوت اور تلواروں سے معاویہؓ کی پوری مدد کی اور جنگ صفین کے بعد انہیں خلیفہ بنا بھی دیا گو بلا خرخشہ یہ منصب معاویہؓ کو اس وقت ملا جبکہ امام علیؑ ۴۰ھ میں شہید ہو گئے اور ان کے خلف اکبر حضرت امام حسنؑ نے منصب خلافت سے کنارہ کشی کرکے اس بار کو امیر معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ یہ سب مرحلے طے ہو گئے لیکن عام مسلمانوں کا خیال یہی رہا کہ معاویہ نے روپیہ کی طاقت سے خلافت حاصل کی ہے چنانچہ امام زین العابدینؑ جو امام علی کے پوتے تھے انہوں نے ایک بار صریح لفظوں میں اس بات کو کہا کہ امیر معاویہؓ علیؑ کے ساتھ روپیہ کے ذریعے سے لڑتے تھے۔"(۱) خاندان بنو امیہ کے دوسرے حکمرانوں نے بھی معاویہؓ کی پیروی کی اور خاندان بنو ہاشم کے ان لوگوں سے مقابلہ کرنے میں جن کو خلافت کا دعویٰ تھا یا خارجی لوگوں سے جنگ کرنے میں مال و دولت ہی کو اپنا آلہ اور سپر بنایا اسی لئے ان کو دولت جمع کرنے بلکہ اس کے ہر ایک مناسب اور نامناسب طریقہ سے ہاتھ میں لانے کی فکر پیدا ہوئی جیسا کہ آئندہ بیان سے معلوم ہوگا۔ وہ یہی کرتے رہے۔

---

(۱) یعقوبی جلد ۳ ص ۱۹۹۔

دولت کی فراوانی

خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمانوں پر دولت جمع کرنا حرام تھا۔ مگر یہ حرمت زیادہ عرصہ تک قایم نہیں رہی اور فی الواقع رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس قاعدہ کا بقا حضرت عمر بن الخطابؓ کے وجود کا پابند تھا۔ یا کسی ایسے شخص کا طالب تھا جو عادات اور اطوار میں انھیں کا نظیر ہوتا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی شرط تھی کہ اہل عرب کی بدوی فطرت بھی برقرار رہتی جو اصول عمران کے منافی ہے۔ اسی لئے اہل عرب کا رومیوں اور فارسیوں سے میل جول ہونا ان کے دلوں میں دولتمندی اور عیش و عشرت کا تخم بو گیا اور بنوامیہ کو دولت کے ذریعہ سے اپنی کامیابی کا منہ دیکھنا ان کے دلوں میں بے شمار دولت فراہم کرنے کی خواہش کا پیش خیمہ بن گیا اور وہ اس خیال سے بہت جلد متاثر ہوئے۔ خلفائے راشدین کا مبارک اور پرامن زمانہ گزرنے کے بعد مسلمانوں نے پھر ویسا عہد نہیں دیکھا اور کئی صدیوں تک ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لوگوں کے نزدیک ضرب المثل رہا۔ خاص کر حضرت عمرؓ جن کے عدل، دوراندیشی اور حق شناسی کے اعلیٰ صفات مشہور تھے۔ اکثر لوگوں نے ان کی پیروی کرنی چاہی مگر کسی سے بن نہ آئی۔ بنوامیہ کے بعض عمال جن کے ظلم وستم اور پولیٹکل چالوں کی ایک زمانہ میں دھوم مچی تھی دراصل وہ عمرؓ کی پیروی کے شائق تھے۔ لیکن ان سے لغزش ہوگئی اور وہ بجائے عادل و حق شناس بننے کے ظالم و ناخدا ترس ہوگئے۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ "زیاد بن ابیہ" نے انتظامی قابلیت دوراندیشی اور حسن سیاست میں عمرؓ کی اقتدا کرنی چاہی مگر وہ حد سے باہر نکل گیا۔ اور حجاج بن یوسف نے زیاد کی پیروی کرنے کا قصد کیا۔ لیکن وہ بھی اعتدال کے دائرے سے خارج ہوگیا اور بجائے عادل و حق پسند ہونے کے ظالم و سفاک بن گیا۔ (۱)

۲۔ عہد بنی امیہ سنہ ۴۱ھ سے سنہ ۱۳۲ھ تک

بنوامیہ کا دور عہد راشدین اور عہد عباسیہ دونوں سے کسی نہ کسی حیثیت میں ممتاز نظر آتا ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے سے اُسے اس لئے امتیاز ہے کہ دینی خلافت کے اصول مٹ کر دنیاوی حکومت کی بنیاد اُس میں پڑی۔ اور عہد عباسی سے یوں ممتاز ہے کہ اموی حکومت خالص اور متعصب عربی نسل کی حکومت تھی جو

---

(۱) ابن خلکان جلد اول ص ۱۲۴۔

غیر اقوام سے طبعی نفرت رکھتی تھی۔ اسی وجہ سے امویوں کے زمانہ میں ملک کے اصلی باشندے جو ذمی کہلاتے تھے، خلفا اور ان کے عاملوں کے ہاتھوں بیحد ظلم وستم اٹھاتے تھے۔ اور دین اسلام قبول کر لینے پر بھی ان کے ساتھ نفرت کے قابل برتاؤ ہوا کرتا تھا۔ ان نومسلموں کا نام اہل عرب نے اپنی اصطلاح میں "موالی" رکھ چھوڑا تھا۔ اور ان سے بالکل غلاموں کی طرح برتاؤ برتتے تھے۔ اور اپنے تئیں ان کا محسن و مربی اور آقائے نعمت سمجھتے تھے۔ اہل عرب کا خیال تھا کہ ہم نے ان کو کفر اور گمراہی کی تاریک غار سے نکال کر مذہب اسلام کے صاف و روشن شاہراہ پر کھڑا کر دیا ہے۔ اس لئے انھیں ہمیشہ ہمارا ممنون رہنا چاہیئے۔ انھیں وہ اسقدر حقیر جانتے تھے کہ اگر کبھی ان کے پیچھے نماز پڑھنی پڑتی تو اس کو محض اس خیال سے گوارا کرتے کہ ہم ثواب کے واسطے عاجزی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ دستور تھا کہ ان کے سامنے سے کوئی جنازہ گزرتا تو وہ پہلے دریافت کرتے کہ کس کا جنازہ ہے۔ اگر معلوم ہوتا کہ کسی "قریشی" کا جنازہ ہے تو "واقوماہ" کہتے اور عربی کا جنازہ ہوتو "وابلدتاہ" کے لفظ سے اس پر افسوس ظاہر کرتے۔ لیکن جب یہ معلوم ہوتا کہ "موالی" یعنی نومسلم کا جنازہ ہے تو حقارت اور لاپروائی سے کہدیا کرتے "ھو مال اللہ یاخذ ما شاء ویدع ما شاء" یعنی خدا کی امانت ہیں کس کو اختیار ہے۔ اس کی مرضی چاہے واپس لے یا چھوڑ دے"۔ موالی اپنے لئے کنیت نہیں مقرر کر سکتے تھے۔ اور اہل عرب ان کو صرف ان کے اصلی ناموں سے یا لقبوں کے ذریعہ سے پکارتے تھے۔ وہ لوگ جنگ کے میدان میں اہل عرب کی صفوں کے برابر نہیں چل سکتے تھے (۱) اور ان کا تحقیراً "علوج" نام رکھ چھوڑا تھا۔ ان لوگوں کے حالات میں "جاحظ" نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "کتاب الموالی" ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "جن موالی نے "ابن اشعث" کا ساتھ دیکر بنوامیہ کے برخلاف جنگ کی تھی حجاج بن یوسف ثقفی ملک عراق کے گورنر نے اُن پر قبضہ پانے کے بعد ان کا جتھا توڑنا چاہا۔ لہذا اس نے ہر شخص کے ہاتھ پر اس شہر کا نام نیل سے گدوا دیا۔ جہاں اسے بھیجنا منظور تھا۔ اس گدنا گدلانے کی خدمت "بنی عجل" کے ایک آدمی کے سپرد ہوئی تھی۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس بارے میں کہا ہے :-

---

(۱) عقدالفرید جلد ۲ ص ۲۰۷۔

وانت من نقش العجلی راحتہ' اور تو وہ شخص ہے جس کی ہتھیلی پر عجلی نے گدنا گودا ہے اور تیرا وفر شیخیک حتی عاد بالحکم'(۱) سردار بھاگ گیا تھا۔ یہاں تک کہ پھر اس کی حکومت نہ ہوئی۔

اس بحث کی تفصیل ہم اس وقت کریں گے جبکہ اس کتاب کے کسی حصہ میں اسلامی قلمرو کی طرز معاشرت کا بیان کریں گے۔ اس جگہ پر صرف اتنا ظاہر کرنے کے لئے کہ اموی حکومت کے دور میں اہل عرب غیر قوموں کے ساتھ خواہ وہ مسلمان بھی ہوں کیسا تعصب رکھتے تھے۔ ہم نے ایک مختصر تذکرہ کر دیا ہے۔

بنو امیہ کے تعصب اور ان کے غیر اقوام کو بے حد ذلیل سمجھنے کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ انہوں نے اپنے مفتوحہ ملکوں کی رعایا کا جان اور مال اپنا رزق حلال سمجھ رکھا تھا۔ اس کی دلیل ملک عراق کے عامل "سعید بن العاص" کا یہ قول ہے "ما السواد الا بستان قریشٍ ماشئنا اخذنا منہ وماشئنا ترکنا" (۲) اور عمرو بن العاصؓ حاکم مصر سے "اخنا" کے حاکم نے ایک بار دریافت کیا کہ میرے ملک پر کس قدر جزیہ مقرر کیا گیا ہے تو انہوں نے لمبے جواب دیا۔ تم ہمارے خزانے ہو۔ اگر ہم پر زیادتی ہوگی تم سے زیادہ لیں گے اور ہم پر تخفیف ہوگی تو تم پر بھی تخفیف کریں گے۔ (۳) غرضیکہ اسی قسم کی زیادتیوں اور زبردستیوں سے انہوں نے رعایا کا خون چوسنا اپنے اصول میں داخل کر لیا تھا۔ اور یہ سب خرابی امیر معاویہؓ کی ڈالی ہوئی تھی۔ جنہوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے میں بعض عاملوں کو ان کے صوبے کی آمدنی خورد برد کر لینے کا موقع دیا اور اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ وہ لوگ ان کے معین و ناصر بنے رہے۔ قاعدہ ہے کہ جس کے ساتھ ایکمرتبہ کوئی رعایت کی جائے وہ ہمیشہ اسی مراعات کا امیدوار ہوگا۔ اور خاصکر ایسی حالت میں جبکہ رعایت غرض سے کی جائے۔ لہذا جب ایک دفعہ ان سے جواب طلب نہیں ہوا تو آئندہ کے لئے وہ لوگ سرکاری آمدنی غبن کرنے کے خوگر ہوگئے۔ اور امیر معاویہ یا ان کے جانشینوں کو بوجہ خارجی لوگوں اور بنو ہاشم کے طرفداروں سے معرکہ آرا رہنے کے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اسی وطیرہ پر پابند رہیں۔

---

(۱) عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۴ (۲) آغانی جلد ۱۱ ص ۳۰ (۳) مقریزی جلد ۱ ص ۷۷

ے سواد قریش کا باغ ہے۔ اس میں سے ہم کو جس چیز کا دل چاہے لینے نہ لینے کا اختیار ہے۔

اور جس طرح ممکن ہو خراج و جزیہ کی مقدار بڑھا کر محاصل ملکی کو زائد کریں اور رعایا کو پیٹ بھر کے لوٹیں۔ عامل بھی ایسے لوگوں کو مقرر کیا تھا جن کی حسن کارگزاری اور توفیر محاصل میں کوشش کرنے کے علاوہ اس بات پر بھی اعتماد تھا کہ وہ لوگ جنگ کے موقعہ پر سچے جاں نثار ثابت ہوں گے۔ ان عاملوں میں اول نمبر کا ظالم اور سفاک حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر تھا۔ عبدالملک بن مروان کو اپنی خلافت کے زمانے میں کئی ایک خلافت کے دعویداروں کا مقابلہ کرنا پڑا جن میں عبداللہ بن زبیرؓ اور مختار بن ابی عبید سربرآوردہ اور بڑے دلیر شخص تھے۔ اور حجاج ہی کا جگر تھا کہ اس نے ان لوگوں سے معرکہ آرائیاں کیں اور انہیں تباہ و ہلاک کیا۔ اس نے حق یا ناحق جس طور پر ہو سکا اہل ملک سے روپیہ سمیٹ کر بے پایاں جنگی مصارف پورے کئے اور ناقابل بیان سفاکی اور ظلم سے کام لے کر اپنے آقا کے لئے خلافت کا میدان پاک و صاف بنا دیا۔ (۱)

بنوامیہ کے عاملوں کے مظالم بنوامیہ کے عامل ذمی زمینداروں سے خراج اور جزیہ کے وصول کرنے میں بے حد ظلم و ستم توڑنے والے تھے۔ وہ اس بات کی ذرہ برابر پروا نہیں کرتے تھے کہ ان بے چارے کسانوں کے پاس اپنا پیٹ پالنے کو بھی کچھ باقی رہتا ہے یا نہیں۔ اُس زمانے میں زمین پر پیمائش کے حساب سے خراج کا تعین کیا گیا تھا۔ اور قرارداد یہ تھی کہ قابل کاشت یا ناقابل زراعت سب پر ایک معین مقدار خراج کی حاصل کی جاتی تھی۔ اور زمینداروں کا حق صرف اس قدر چھوڑا جاتا تھا کہ اُس بچت سے صرف آفات ارضی و سماوی کے نقصان کو پورا کر سکیں اور زمین کیا فتادہ نہ رہنے دیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ ایک بار حجاج نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے حضور میں رپورٹ کی کہ "اگر آپ کا حکم ہو تو زمینداروں سے پیداوار کا وہ حصہ بھی لے لیا جایا کرے جو ان کو زمین کی حالت درست رکھنے کے واسطے چھوڑ دیا جاتا ہے" جس کے جواب میں عبدالملک نے یہ حکم لکھا:۔

لاتکن علی درہمک المأخوذ احرص	جو درم ان سے وصول نہیں کیا ہے اس کو
منک علی درہمک المتروک وابق لہم	وصول کئے ہوئے روپیہ سے کم توجہ نہ کرو
لحوماً یعقدون بہا شحوماً (۲)	اور صرف ان کا گوشت اور چمڑا چھوڑ دو۔

(۱) ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۰۔ اور کتاب الخراج قاضی ابو یوسف۔ ص ۶۲ (۲) ماوردی صفحہ ۱۴۳

اس حکم کی مثال سے صاف ظاہر ہے کہ گاؤں والوں اور زمینداروں پر جب اس حد تک ظلم ہونے لگا تو انہوں نے تنگ آ کر جان بچانے کے لئے اسلام قبول کر لیا لیکن اس صورت میں بھی ان کو کوئی فلاح نہیں ہوئی۔ اگر پہلے مشرک اور ذمی تھے تو اب "موالی" کی جماعت میں آ گئے اور خراج و جزیہ ان پر ادا کرنا بدستور لازم رہا۔ جس کے بارے میں حجاج کے ستم ناقابل برداشت تھے۔ (۱) اور اس نے ان لوگوں کو خراج سے بری نہیں کیا تھا۔ اگرچہ وہ بے چارے اپنے کھیتوں اور باغوں کو چھوڑ کر اور گھر بار سے بھاگ کر شہروں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ لیکن حجاج نے یہ حکم دیا کہ انھیں پھر ان کے دیہات میں واپس کیا جائے اور ان پر خراج کا مطالبہ ہو۔ (۲) کیونکہ مسلمان اس زمانے تک صرف اپنے آباد کئے ہوئے شہروں میں رہا کرتے تھے۔ اور دیہات کی آبادی ملک کے اصلی باشندوں پر منحصر تھی۔ جو زراعت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص مسلمان ہوتا تو اس کے ذمے سے خراج ساقط ہو جاتا اور اس کی زمین اور گھر وغیرہ اس کی برادری کے لوگوں کو دلا دیا جاتا جو اس کے مقررہ خراج کو ادا کرتے رہتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور وہ نومسلم ان شہروں میں جا رہتا تھا جو مسلمانوں کی سکونت کے لئے مخصوص تھے۔ مثلاً بصرہ۔ کوفہ اور فسطاط (مصر وغیرہ) حجاج کے ایام حکومت میں بہت لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ کسی طرح آفت سے تو بچیں۔ لیکن حجاج نے انھیں پھر بھی نہیں چھوڑا اور تمام شہروں پہ تحریری حکم بھیجدیا کہ "جن لوگوں کی دیہات میں زمینداریاں ہیں اور وہ انھیں چھوڑ کر شہروں میں بھاگ گئے ہوں ان کو پھر گاؤں میں واپس بھیجا جائے تاکہ ان سے جزیہ اور خراج وصول کیا جائے۔" حجاج نے یہ کارروائی ابن اشعث کے زمانے میں کی تھی جس کی وجہ سے وہ تمام مصیبت زدہ لوگ سراسیمہ و پریشان روتے پیٹتے (وامحمداہ۔ وامحمداہ کے نعرے مارتے) شہروں سے نکل گئے۔ چونکہ ان غریبوں کو اب کہیں ٹھکانا نہیں ملتا تھا

(۱) ابن خلکان جلد دوم ص ۲۷۷۔ (۱) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۲۵۔

(۲) ابن اثیر جلد ۴۔ ص ۲۲۵۔

اس لئے مجبور ہو کر حجاج سے انتقام کشی کے واسطے وہ سب اشعث سے جا ملے۔ (۱)

تحصیل خراج میں سختی تحصیل خراج کا یہ برتاؤ صرف "حجاج" ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ بلکہ "یزید بن ابی مسلم" جو عبدالملک کی طرف سے افریقیہ کا عامل تھا (۲) "جراح" حاکم خراسان (۳) اور حکام ماوراءالنہر (۴) وغیرہ نے بھی اس سے بڑھ بڑھ کر رعایا پر سختیاں کیں۔ صوبہ سمرقند کے لوگ پہلے اس خیال سے مسلمان ہو گئے تھے کہ ان کے ذمہ سے جزیہ معاف ہو جائے گا۔ لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ اس صورت میں بھی بچاؤ ناممکن ہے تو پھر اپنے دین میں داخل ہو کر مرتد ہو گئے۔

جبکہ مسلمان ہو جانے والوں پر جبر و تعدی کا یہ عالم تھا تو ان نصاریٰ اور اہل ذمہ کی حالت بیان کرنی ہی فضول ہے۔ جنہوں نے اپنا دین تبدیل نہیں کیا تھا۔ ان لوگوں پر جزیہ وصول کرنے میں جیسی سختیاں ہوتی تھیں ان کے بیان کرنے سے قلم کا جگر شق ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ لوگ اس بات کو دیکھ چکے تھے کہ اسلام قبول کر لینا بھی ان کو اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتا لہٰذا تنگ آ کر رہبانیت اختیار کرنے لگے۔ کیونکہ یہ گروہ جزیہ ادا کرنے سے معاف تھا۔ عمال نے ان کی یہ چال بھی تاڑ لی اور راہبوں پر بھی جزیہ مقرر کر دیا۔ سب سے پہلے جس شخص نے اس کی ابتدا کی وہ عبدالعزیز بن مروان عامل مصر تھا۔ (۵) اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ راہبوں کی مردم شماری کی جائے جب اس کے کاغذات مرتب ہو گئے تو ہر شخص پر ایک ایک دینار جزیہ مقرر کر دیا۔ اور اب بے چارے تارک الدنیا فقیروں سے بھی جزیہ لیا جانے لگا۔ غرضیکہ ایسی ہی نئی باتیں بنوامیہ کی تاریخ میں بکثرت ملتی ہیں جن سے ان کی سخت گیری اور مظالم کا پتہ چلتا ہے۔

خراج کی مقدار میں اضافہ بنوامیہ نے روپیہ جمع کرنے کے لئے صرف انہیں باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے خلفائے راشدین کے عہد سے نسبتاً خراج کی مقدار بھی اضافہ کر دی۔ یہ کارروائی امیر معاویہؓ کے دور سے شروع کی گئی تھی۔ انہوں نے پہلے ایک قیراط اضافہ کرنے کی تجویز کی اور مصر کے امیر عمرو بن العاصؓ کے غلام "وردان" کو

---

(۱) ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۸۴ (۲) ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۴ (۳) ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۱۱ - (۴) مقریزی جلد ۲ ص ۴۹۲

کو یہ حکم تحریر کیا کہ "ہر قبطی پر ایک قیراط جزیہ میں اضافہ کر دو" جس کے جواب میں وردان نے عرض کی کہ میں ان پر کیونکر اضافہ کر دوں۔ ان کے عہد نامہ کی شرائط میں صاف طور پر لکھا ہے کہ جزیہ کی مقدار میں کبھی اضافہ نہ ہوگا" (۱) لیکن اس بات کی ایک یہ وجہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ شاید ملک مصر کے امیر عمرو بن العاصؓ نے اس بارہ میں معاویہؓ کی رائے کو نہیں منظور کیا کیونکہ اس میں ان کی ایک ذاتی مصلحت بھی مضمر تھی۔ وہ ملک مصر کو خاص اپنا ملک سمجھتے تھے۔ اور وہاں کسی دوسرے کی تجاویز اور وہ بھی عام ناراضی پھیلانے والی رائج نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر جس وقت ان کے بعد "مصر" کی حکومت منتقل ہو کر خلفائے بنی امیہ کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو انھوں نے اپنی مرضی کے موافق جزیہ اور خراج میں اضافہ کر لیا۔ ان اضافہ کرنے والوں میں سب سے مشہور شخص "عبید اللہ بن حجاب" گذرا ہے۔ جو ہشام بن عبد الملک کی طرف سے ملک مصر کا خراج تحصیل کرنے کی خدمت پر مامور تھا۔ اور ۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ تک اس عہدے پر قایم رہا۔ اس نے قبطی لوگوں پر فی دینار صرف ایک قیراط کا اضافہ کیا تھا لیکن قبطی اس کو بھی برداشت نہ کر سکے۔ اور بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ چونکہ اس وقت تک ملک مصر کی آبادی کا بڑا حصہ خود وہاں کے اصلی باشندے تھے، اس لئے وہ تحریک بغاوت میں کامیاب ہوئے اور مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنی پڑی اور اس اندرونی جنگ میں بے شمار قبطی قتل ہوئے۔ ایسا ہی حادثہ اسامۃ بن زید تنوخی متولی خراج کے ہاتھوں بھی ہوا تھا۔ جس نے نصاریٰ کا قلع قمع کر کے ان کا تمام مال و متاع لوٹ لیا۔ اس کے زمانے میں بہت لوگ راہب بن گئے۔ جس کو روکنے کے ارادے سے اس نے تمام خانقاہوں اور راہبوں کے شمار کئے جانے کا حکم دیا۔ جب اس کی تعمیل ہو چکی تو ہر ایک راہب کے ہاتھ میں ایک لوہے کا کڑا ڈلوا دیا۔ جس پر اس راہب کا نام معہ خانقاہ وغیرہ کے پتہ کے کندہ تھا۔ اس کے بعد جس کو بغیر نشانی کے راہب بنا پایا اس کا ہاتھ کٹوا ڈالا۔ یہ سب تدبیریں اس لئے کی گئی تھیں کہ لوگوں کے رہبانیت

(۱) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۴۹۲ - (۲) بلاذری صفحہ ۲۲۷ -

اختیار کرتے جانے سے خراج اور جزیہ کی آمدنی میں کمی ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اس بات کا التزام کر رکھا کہ ہر نصرانی کے پاس ہر وقت ایک سند رہا کرے جس سے معلوم ہو سکے کہ آیا وہ اپنے ذمے کا جزیہ ادا کر چکا ہے یا نہیں۔ اور عاملوں کو حکم بھیج دیا کہ جس نصرانی کو بلا سند کے گرفتار کریں اس سے دس دینار جرمانہ میں وصول کرلیں۔ ان انتظامون سے فارغ ہو کر اس نے خانقاہوں کی تلاشی لی اور کئی راہب ایسے گرفتار کیے جن کے پاس نشانی نہیں تھی۔ ان میں سے چند کی گردن کٹوا دی اور کچھ لوگوں کو اتنے کوڑے لگوائے کہ وہ ضرب کے صدمہ سے مر گئے۔ (۱)

خلیفہ کی حکم عدولی یہ سب ظلم و ستم اصل میں خلیفہ کی رائے کے خلاف تھے چنانچہ جس وقت ہشام بن عبدالملک کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی اس نے اپنے عامل کو جو ملک مصر میں متعین تھا، یہ فرمان لکھا کہ "نصاریٰ کے ساتھ وہی برتاؤ برتا جائے جو ابتدا میں تھا۔ اور جس کی بابت ان کے پاس عہد نامے بھی موجود ہیں" اس حکم کی تعمیل زیادہ عرصے تک نہیں کی گئی اور عاملوں نے پھر ویسے ہی جبر و تعدی پر کمر باندھ لی جس کے وہ عرصے سے عادی تھے۔ حنظلہ بن صفوان نے دوبارہ خراج میں اضافہ کر دیا۔ آدمیوں اور جانوروں کو شمار کرایا اور ہر نصرانی کو علامت کے طور پر ایک ایک شیر کی تصویر پاس رکھنے کا حکم نافذ کیا اور اس حکم کے نافذ کرنے کے بعد بڑی مستعدی سے ان لوگوں کی جانچ کی جن کے پاس وہ علامت نہیں ملی اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ (۲) غرضیکہ بنی امیہ کے عاملوں نے ذمیوں، موالی اور ان کے سوا دوسرے لوگوں سے بھی جو عربی النسل نہ تھے، برابر ایسی ہی سختی کا برتاؤ کیا۔

جزیرہ کا خراج بنی امیہ کے مقدار خراج یا جزیہ کو اضافہ کرنے کی ایک اور مثال یہ ہے کہ "جزیرہ" جو کہ ملک عراق کا ایک حصہ ہے، وہاں کے باشندوں پر ابتدا میں سالانہ ایک دینار نقد، دو مد (پیمانہ) جو، دو قسط (پیمانہ) روغن زیتون اور دو قسط سرکہ ادا کرنا مشروط ہوا تھا۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد میں اس کو کم

(۱) مقریزی جلد ۲ ص ۴۹۳ (۲) بلاذری صفحہ ۷۳

تصور کرکے وہاں کے عامل کو حکم بھیجا کہ جزیرہ کی مردم شماری کرا کے رپورٹ کرے جب اس کی تعمیل ہو گئی تو ہر شخص کو مزدوری کرنے والا فرض کرکے اس طرح حساب بنوایا کہ ایک شخص سال بھر تک دستکاری کے ذریعہ کس قدر روپیہ کما سکتا ہے کتنا اپنی ضروریات میں خرچ کرتا ہے اور کیا پس انداز کر سکتا ہے۔ اس حساب میں سال کے اندر واقع ہونے والے تہواروں کے دن بھی وضع کر دیئے گئے تھے۔ نتیجہ سب کا یہ نکلا کہ چار دینار سالانہ بچت ہو سکتی ہے۔ اسی قدر نقد جزیہ فی کس مقرر کر دیا گیا اور سب کو یکساں کر دیا۔ امیر و غریب باکار و بے کار کسی کی تفریق نہیں کی (۱)

ٹیکسوں میں اضافہ بنو امیہ کے عہد میں جو ٹیکس لگائے گئے وہ صرف ذمیوں اور موالی ہی پر محدود نہیں رہے بلکہ خاص مسلمان اہل عرب بھی ان سے نہیں بچے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف نے حاکم یمن ہونے کے زمانے میں بڑی بے اعتدالی اور ظلم پر کمر باندھی۔ اس نے بلا کسی استحقاق کے لوگوں کی اراضیات زبردستی چھین لیں اور یمن کے باشندوں پر "وظیفہ" کے نام سے ایک جدید ٹیکس لگا دیا جس کو خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں وہاں کے عامل کو حکم امتناعی بھیج کر بند کرایا اور صرف عشر کا مطالبہ قائم رکھا (۲)۔

ملک فارس میں جو عامل تھے ان کا شیوہ یہ تھا کہ میوہ جات جو وہاں کے باشندوں کے باغوں میں پیدا ہوتے تھے اپنے لئے محفوظ رکھتے تھے اور عام بازاری نرخ سے زائد مال لے کر زبردستی لوگوں کو محض اپنی تخمینہ کی ہوئی قیمت دے دیا کرتے تھے۔ جسے ان بے چاروں کو قبول کرتے ہی بن آتا تھا ورنہ اس سے بھی ہاتھ دھوتے (۳)

وہ بنجر زمینوں پر بھی خراج مقرر کر دیتے اور اس طرح پر ملکی محاصل کو بڑھاتے تھے۔ اہل ملک پر عید، نوروز کا نذرانہ واجب تھا۔ جس کی آمدنی امیر معاویہؓ کے عہد میں ۱۰۰۰۰۰۰ درہم تک پہنچ گئی تھی (۴)

بلاذری ص ۷۳۔ (۲) کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۴۴۔ (۳) طبقات ابن سعید (دان بلوٹن) (۴) یعقوبی جلد ۲۔ ص ۲۵۰

ان کے عہد میں نئی شادی کرنے والوں اور عرائض نویسوں پر بھی ایک رقم ادا کرنی فرض تھی۔ (۱) اگر عاملوں کو کوئی جنس خریدنی ہوتی تو اور پیمانے سے لیتے اور عام مالکوں کے لئے دوسرے پیمانے مستعمل ہوتے تھے۔ خراج ادا کرنے والوں پر عاملوں کے خرچ خانگی تذی اور جنس لادنے والوں کی مزدوری۔ رجسٹروں اور کاغذات کی قیمت اور ناپنے تولنے والوں کی مزدوری اور مصارف کا بھی بار ڈالا جاتا تھا۔ (۲) اور جس وقت کوئی شخص خراج کا روپیہ جمع کرنے کو لاتا تو تحصیل دار لوگ اس میں سے ایک حصہ بٹاون کے نام سے کاٹ لیتے تھے۔

بنوامیہ کے عامل محض اپنی رائے ہی سے ایسے کام نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اکثر خود خلفا کی جانب سے ان کو اس طرح کے احکام بھی ملتے تھے جیساکہ ایک بار امیر معاویہؓ نے وردان کو لکھا تھا اور وہ اسی انداز سے اپنے عاملوں کو مال جمع کرنے پر چک دیا کرتے تھے۔ اور وہ لوگ اس کے طریقے اختراع کرتے رہتے تھے۔ (۳) اسی طرح معاویہؓ کے بعد آنے والے حکمرانوں خصوصاً عبدالملک بن مروان نے بھی اس کی بہت فکر کی۔ جس کو روپے کی بیحد ضرورت تھی۔ اور خدا نے اسے اس غرض کے پورا کرنے کے واسطے حجاج کا سا آدمی عطا کر دیا جس نے روپیہ پیدا کرنے کا کوئی وسیلہ نہیں چھوڑا جسے استعمال نہ کیا ہو۔ لیکن اگر خلفاء ان ظلموں کو روکنا چاہتے تو بہت آسانی کے ساتھ یہ بات ممکن تھی۔ کیونکہ آخر عمرؓ بن الخطاب کے عہد میں بھی عامل ایسی زیادتیاں کرتے تھے۔ لیکن وہ چپ نہیں رہتے تھے بلکہ ان سے مواخذہ کیا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا عدل و انصاف

ان کے زمانے میں۔ "اہواز" کے عاملوں نے رعایا پر کچھ ظلم و تعدی کی۔ اس بات کی شکایت "ابوالمختار یزید بن قیس" نے ایک قصیدے کے ذریعے سے کی اور کھلے لفظوں میں لکھ دیا کہ آپ کے عامل کسانوں اور زمینداروں سے نذرانے لے کر مالدار ہو گئے ہیں۔ آپ ان کے مال میں سے نصف بٹا لیجئے۔ اس کا قول ہو

---

(۱) طبری جلد ۳ ص ۱۴۶۷ (۲) کتاب الخراج ابی یوسف ص ۶۲۔ (۳) یعقوبی جلد ۲ ص ۲۵۸

فقاسمھم اھلی فلاوک انھم سیرضون ان قاسمتھم منك بالشطر ولاتدعونی للشھادة انی اغیب ولکنی اری عجب الدھر

یعنی اے امیرالمومنین آپ ان کے مال میں سے حصہ بانٹ لیں وہ خوشی سے اپنی نصف دولت آپ کو دے دیں گے اور مجھے گواہی کے لئے نہ طلب فرمائیے۔ ورنہ یہ بات میرے حق میں مضر ہوگی۔"

عمرؓ نے اس بات کو معلوم کرکے ان عاملوں کے پاس اپنا اپنا نصف مال بیت المال میں داخل کرنے کا حکم بھیجا۔ اور ایک ایک جوتا تک بٹوالیا۔ انہوں نے صرف عاملوں ہی کی دولت کا حصہ لینے پر اکتفا نہیں کی بلکہ ان کے بھائیوں کی دولت میں بھی حصہ لے لیا۔ جب پر ان لوگوں نے اعتراض کیا اور ایک شخص نے صریحاً یہ کہ "میں آپ کو کچھ نہیں دوں گا" اس کے جواب میں عمرؓ نے فرمایا: "تیرا بھائی بیت المال اور اونٹوں کی ایک آمدنی کی حفاظت پر متعین ہے اور وہ تجھ کو تجارت کرنے کے لئے سرکاری روپیہ دیدیتا ہے۔ جس کا نفع تو اپنے پاس رکھتا ہے۔" آخر اس سے دس ہزار دینار وصول ہی کرلئے (۱)

حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ معاویہؓ نے بھی اپنے عاملوں کے ساتھ برتا۔ جب ان کا کوئی عامل مرجاتا تو وہ اس کے وارثوں سے اس کی نصف دولت لے لیا کرتے اور کہتے "یہ عمرؓ کی سنت ہے۔ کچھ میری ایجاد نہیں"۔ پھر بتدریج وہ رعایا کی دولت پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے اور اس معاملہ میں اول نمبر انہیں کا ہے (۲)

موالی کے ذریعے تحصیل خراج

اصل یہ ہے کہ معاملات کے درست رہنے کا اعتبار حکمرانِ وقت پر ہے۔ اگر دماغ صحیح ہے تو جسم کے تمام اعضا درست رہ سکتے ہیں۔ ورنہ سب گڑبڑ ہو جاتے ہیں۔ تم یہ دیکھ چکے ہو کہ خلفائے بنی امیہ نے اپنی حکومت قایم رکھنے کے واسطے ہر طرح دولت کی فراہمی میں کوشش کی اور اپنے عاملوں کو اس غرض کی تکمیل کا آلہ بنایا۔ ان لوگوں نے جو ماتحت تھے، اپنے فرماں رواؤں کی رضا

---

(۱) بلاذری ص ۳۸۵ (۲) ابن الفقیہ ص ۱۰۹

جوئی کے لئے ان کے واسطے دولت کے انبار لگائے اور طرح طرح کی ترکیبوں سے اسے حاصل کیا۔ اس صورت میں اپنی ذات خاص کے واسطے بھی انہوں نے فراہمی مال کی گنجائش نکالی اور ان بڑے بڑے عاملوں کی حالت دیکھ کر چھوٹے عہدیداروں مثلاً محرروں تحصیلداروں وغیرہ نے بھی ہاتھ پیر پھیلائے جس کی وجہ سے زمینداروں کی خستہ حالی و زاری حد سے گزر گئی اور صوبہ دار لوگ اس بات پر مجبور ہوئے کہ مالی تحصیل کا کام اہل عرب کے ہاتھوں سے نکال کر موالی اور ان لوگوں کے سپرد کریں جو ملک عراق کے رہنے والے اور مدت سے زمینداری کا کاروبار کرتے آتے تھے۔ یہ کارروائی ۵۵ھ میں ابن زیاد عامل خراج نے کی تھی۔ جس پر بعض لوگوں نے اسے برا بھلا بھی کہا۔ مگر اس نے ان ملامت کرنے والوں کو یہ جواب دیا "جب میں عربی شخص کو خراج کا محصل بناتا تھا تو خراج کی آمدنی میں خسارہ ہو جاتا تھا اور جس وقت اس پر مواخذہ کرتا تھا یا اس کے کنبے والوں سے اس کا مطالبہ کرتا تھا تو ان کے دلوں میں کینہ اور ناراضی کی آگ مشتعل ہوتی تھی۔ چھوڑ دیتا تو خدا کے مال کا نقصان ہوتا تھا جس کی ذمہ داری سے میں واقف ہوں۔ اس لئے میں نے غور کر کے یہ بات معلوم کی کہ ذمی زمیندار اس کام کے بڑے بصیر نہایت دیانت داری سے کام کرنے والے اور آسانی کے ساتھ مطالبہ کئے جانے کے قابل ہیں۔ لہٰذا ان کو اس کام کا ذمہ دار بنایا اور تمھیں ان پر افسر کیا تاکہ تم ان کے طرز عمل کو غور کے ساتھ جانچتے رہو اور وہ کسی پر ظلم و ستم نہ کرنے پائیں۔(۱)

قاضی ابو یوسف کی ہدایات

قاضی ابو یوسفؒ نے خلیفہ ہارون الرشید کو خراج تحصیل کرنے والوں کے بارے میں جو نصیحتیں کی ہیں، ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے عہدہ دار کن طریقوں سے دولت جمع کیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں" میں نے سنا ہے کہ عامل یا والی کے حاشیہ نشینوں کی جماعت جن میں دو قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ ایک تو وہ جن کو حاکم کی طرف سے تقرب یا اعزاز دیا جاتا تھا اور دوسرے

---

(۱) ابن اثیر جلد ۴ ص ۹

وہ لوگ جو اس کے متوسلین میں ہوتے تھے۔ در اصل نیک چلن اور دیانت دار نہیں ہے۔ مگر والی ان کو اپنا مددگار اور معین بناتا ہے۔ اور انھیں اپنے صوبوں میں نگرانی کے لئے بھیجا کرتا ہے۔ وہ لوگ اپنے فرض کو بالکل نہیں ادا کرتے اور اہل معاملہ کے ساتھ غیر منصفانہ برتاؤ برتتے ہیں۔ ان کا مذہب صرف یہ ہے کہ جس طرح ممکن کچھ خورد برد کرلیں۔ چاہے وہ خراج کی آمدنی کا مال ہو یا رعایا کا۔ اور جو رقمیں وہ اس طور پر حاصل کیا کرتے ہیں وہ سب ظلم اور جبر کے ذریعہ سے لیتے ہیں۔ خراج دینے والوں سے وصولی میں سختی کر کے ان کو تیز دھوپ میں کھڑا کرتے انھیں خوب مار پڑواتے اور اس طرح بند ھوا دیتے ہیں کہ وہ نماز نہ پڑھ سکیں اور ایسی باتیں خدا کے نزدیک گناہ کبیرہ اور مذہب اسلام میں قابل ملامت ہیں (۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز کا عدل وانصاف

۹۹ھ تک جس وقت خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے مسند خلافت پر جلوس کیا ہے بنی امیہ کے عمال اور حکام کا یہی انداز تھا۔ جو اوپر بیان ہوا۔ مگر اس خلیفہ نے جو نہایت خدا ترس اور منصف مزاج تھے اس بات کا عزم کیا کہ حکومت کے کاروبار کو پھر اسی طرز پر لے آئیں جس پر ان کے ہمنام اور نانا عمر بن الخطابؓ کا عمل تھا۔ انہوں نے ایک فرمان جاری کیا جس میں تفصیل دار تمام مظالم اور سختیوں کا ذکر کر کے ان کے بند کرنے تاکید کی تھی۔ (۲) اور اس بری رسم کو بھی رد کا جو بنی امیہ نے حضرت علی کو برسر منبر برا کہنے کی اختیار کر رکھی تھی۔ ان کے خاندان کے خاندان کے لوگوں نے بہت سی اوافیات خریدی تھیں جن میں سے اکثر ذمیوں کی وہ زمینیں بھی تھیں جن کو انہوں نے ناجائز طور پر دبا لیا تھا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے دربار عام کا حکم دے کر منادی کرا دی کہ "جس کو کوئی شکایت کرنی ہو وہ مجھ سے آکر فریاد کرے" مظلوموں کے جوق کے جوق آنے لگے۔ جن میں یہود۔ نصاریٰ اور موالی وغیرہ ہر مذہب وملت کے لوگ تھے۔ کوئی اس بات کی شکایت کرتا تھا کہ اس کا مال چھین لیا گیا ہے اور کوئی اپنی زمین کے غصب کرلئے جانے کی فریاد کرتا تھا۔ اور خلیفہ ممدوح انصاف اور حق رسی کے ساتھ ان کی داد رسی کرتے تھے۔ چاہے اس کا فیصلہ نتیجۃً ان کے بیٹے، بھائیوں اور چچاؤں کے لئے برا کیوں نہ نکلتا ہو۔ (۳) ان کے خاندان والوں میں سے کچھ لوگوں نے ان سے یہ بات کہی کہ

(۱) کتاب الخراج ص۶۲ (۲) طبری ج ۸ ص ۱۳۶۶ - اور ابن اثیر ج ۵ ص ۲۹ (۳) خمیس ج ۲ ص ۳۱۵

"آخر تم اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہو؟" جس کے جواب میں انہوں نے شفقت پدری کے اقتضا سے رد کر کہا" میں انھیں خدا کے حوالے کرتا ہوں" خلیفہ موصوف نے اپنے چچاؤں اور چچیرے بھائیوں کی تمام دولت ضبط کر لی اور اسے "مظالم" کے نام سے موسوم کیا۔ ان کے کنبے والوں نے یہ حالت دیکھی تو انھیں اپنی حکومت کے ہاتھ سے جانے کا ہول سما گیا۔ جو صرف مال کے ذریعے سے قائم ہوئی تھی، کیونکہ جب مال و زر اور اراضیات ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گی تو مفلسی کی وجہ سے حکومت بھی کھو دینی پڑے گی۔ وہ لوگ متفق ہو کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کی پھوپھی "فاطمہ بنت مروان" کے پاس پہونچے اور کہہ سن کر اسے خلیفہ کے پاس اس طرز عمل کی خرابی سمجھانے کے واسطے بھیجا۔ وہ بی بی خلیفہ کے پاس آئیں اور انہوں نے بہت کچھ سبز باغ دکھائے لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ نے انھیں صرف یہ جواب دیا کہ خداوند پاک نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رحمت بنا کر خلق کی طرف مبعوث فرمایا تھا نہ کہ تمام عالم کے لئے عذاب بنا کر (۱) یہ جواب پا کر وہ چپکی واپس چلی گئیں۔

موالی کی فریاد رسی

موالی جو مدت سے ظلم و تشدد بھگت رہے تھے خلیفہ کے انصاف اور خدا ترسی کو دیکھ کر اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے مستعد ہو گئے اور اپنی زار حالت عرض کر کے فریاد و زاری کرنے لگے۔ جراح بن عبداللہ حکمی عامل خراسان نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک وفد تین شخصوں پر مشتمل روانہ کیا تھا۔ جن میں دو عربی تھے اور ایک شخص موالی میں سے تھا۔ یہ ڈیپوٹیشن خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دونوں عربی شخصوں نے اپنی حالت عرض کرنی شروع کی۔ موالی بے چارا چپکا کھڑا تھا۔ خلیفہ نے اس سے دریافت کیا کہ" کیا تم اس وفد میں شریک نہیں ہو؟ وہ بولا" بے شک ہوں" خلیفہ" تم بھی کچھ کیوں نہیں کہتے؟ اب اس کو جسارت ہوئی اور اس نے کہا۔" امیر المومنین! بیس ہزار موالی بلا کسی تنخواہ اور راشن کے جہاد میں مصروف رہتے ہیں۔ وہ بے چارے ذمی تھے۔ اب مشرف باسلام ہو گئے۔ مگر خراج کا بار ان کی گردن سے نہیں اتار گیا۔ ہمارا حاکم جو کہ حجاج کی ایک تلوار سمجھا جاتا

---

(۲) ابن اثیر جلد ۵ ص ۳۰

ہے۔ ظلم و ستم کے سوا کوئی عمدہ برتاؤ جانتا ہی نہیں۔ ہم اپنی حالت کیا عرض کریں۔ (۱)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اس کی گفتگو سنکر فرمایا۔ "اس میں شک نہیں کہ تمہارے ایسے آدمی وفد میں بھیجنے کے قابل ہوتے ہیں" اسی وقت جراح کو فرمان لکھا کہ تحقیق کرو اور دیکھو جو شخص تمہارے روبرو نماز پڑھے اس کے جزیہ کو معاف کردو۔ اس فرمان کا یہ اثر ہوا کہ بکثرت لوگ مذہب اسلام قبول کرنے لگے اور جوق در جوق روزمرہ دائرہ اسلام میں آنے لگے اس حالت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے جراح کو یہ رائے دی کہ یہ لوگ جزیہ سے بچنے کے واسطے اسلام قبول کرتے ہیں۔ تم ختنہ کرانے میں ان کی آزمائش کرو۔ جراح نے خلیفہ سے اس امر کی اجازت طلب کی تو وہاں سے یہ جواب ملا کہ "خداوند پاک نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ہدایت کرنے کے لیے بھیجا تھا کچھ ختنہ کرانے کے واسطے نہیں بھیجا تھا۔ (۲)

خلیفہ ممدوح نے ملک مصر کے عامل "حبان بن شریح" کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا۔ جس نے ان کو ایک درخواست اس مضمون کی بھیجی تھی کہ "اسلام نے جزیہ کی آمدنی کو بڑا نقصان پہونچایا ہے۔ مجھ کو ملازموں کی تنخواہیں ادا کرنے کے لئے "حارث بن ثابتہ" سے بیس ہزار دینار قرض لینے پڑے ہیں۔ اگر امیر المومنین کا حکم ہو تو میں اسے آمدنی بڑھا کر ادا کر دوں؟" خلیفہ نے اس کے جواب میں لکھا: "تمہاری درخواست آئی۔ میں نے تم کو مصر کا حاکم تو ضرور مقرر کیا لیکن یہ جانتا تھا کہ تم نہایت کمزور اور بے وقوف ہو۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دے دیا ہے کہ وہ تمہارے سر پر بیس کوڑے لگائے تاکہ تمہاری عقل درست ہوجائے۔ اے احمق! خدا نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو راہ حق دکھانے کے لیے بھیجا تھا یا خراج وصول کرنے کو! اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ہرگز اس قدر بدبخت نہیں ہوں گا کہ لوگ میرے ہاتھوں پر اسلام بھی قبول نہ کریں" (۳)

اسی پر ان کے دوسرے عاملوں کی حالت کا اندازہ کرلو۔ جن میں سے انہوں نے بہتیرے اپنی رائے سے خلاف چلنے والوں کو برطرف بھی کر دیا تھا۔ اور انھیں باتوں کیوجہ سے

---

(۱) طبری جلد ۲ ص ۱۳۵۴ - (۲) ابن اثیر جلد ۵ ص ۴۴ - (۳) مقریزی جلد ۱ ص ۷۸

تمام سلطنت کے ارکان ان کے جانی دشمن بن گئے۔ کیونکہ انہوں نے یکبارگی سختی کے ساتھ مدت کے بگڑے ہوؤں کو سدھارنا چاہا تھا۔ اور طفرہ کا محال ہونا ظاہر ہے۔ بنی اُمیہ اور ان کے تمام عامل دل سے ان کی ان باتوں پر ناراض تھے اور پورے تین برس بھی ان کی خلافت کو نہیں گزرنے پائے تھے کہ ان ظالموں نے زہر دے کر ان کا کام ہی تمام کر دیا۔ مورخین اس انصاف دوست خلیفہ کو خلفائے راشدین کی شمار میں داخل کرتے ہیں۔(۱) اور جب وہ "عمرین" کہتے ہیں تو اس سے عمر بن عبدالعزیز اور عمر بن الخطاب مراد لیتے ہیں۔(۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد کا زمانہ

یہاں تک کہ جس قدر حالات بیان ہو چکے ان کے پڑھنے سے یہ رائے ضرور قایم ہوگی کہ اسلام کے بنیادی اصول انصاف اور نرمی پر مبنی تھے۔ مگر ان کے مظاہر حکام اور والیان کے اختلاف طبائع سے بدلتے رہے۔ اگر عمر بن عبدالعزیز کو اپنے اس ارادے میں کامیابی ہوتی کہ وہ حکومت کی طرز وروش کو عمر بن الخطابؓ کے زمانے کے انداز پر لے آئیں تو اس میں شک نہیں کہ بنو امیہ کے مظالم نیست و نابود ہو جاتے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ان کی کوشش بے وقت تھی اس لئے بے کار گئی۔ ان کے انتقال کے بعد پھر وہی ڈھنگ۔ حکام کی جبر و تعدی کا عود کر آیا۔ اور چونکہ کچھ دنوں سے واسطے لوگوں کو امن و امان کی زندگی نصیب ہو گئی تھی۔ لہٰذا دوبارہ نئے سرے سے بدامنی کا ہونا اور زیادہ شاق ہونے لگا۔ عمال جو ایک عرصہ تک مجبوری اپنی دست درازیوں سے رک گئے تھے، پھر کھل کھیلے اور انہوں نے خراج کی مقدار میں اتنا اضافہ اور اس کے وصول کرنے میں ایسی سختی برتی کہ بعض زمینداروں نے تنگ آکر اپنی اراضیات خلیفہ کے عاملوں یا عزیزوں کے زیر اثر دیدیں تاکہ وہ اس طرح پر تحصیلداروں کے پنجۂ ظلم سے بچ سکیں جس کا مفصل بیان آئندہ کیا جائے گا۔

ف بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنا

(۱) خمیس جلد ۲ ص ۳۵۴۔ (۲) قرمانی

دیگر اموی خلفا اب خلفا بھی عیش و عشرت میں ڈوبنے لگے تھے، یزید بن عبدالملک کو بجز عیش و عشرت اور شراب خواری کے امور سلطنت کی طرف بالکل توجہ نہیں رہی۔ "سلامۃ" اور "حبابۃ" دو لونڈیاں اس کی منظور نظر تھیں انھیں کے ساتھ لہو اور بازی میں مصروف رہتا تھا، جن کے قصے بہت مشہور ہیں (۱)

اس کے بعد اس کا بھائی ہشام حکمراں ہوا۔ یہ پرلے درجہ کا بخیل تھا۔ اس کے عہد میں جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے، ابن حجاب عامل مصر نے خراج میں اضافہ کیا تھا۔ ہشام کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک فرماں روا ہوا۔ یہ عیاشی اور شراب خوری میں اپنے باپ کا نمونہ نکلا۔ مجبوراً خاندان والوں نے اسے قتل کر کے یزید بن الولید بن عبدالملک کو اس کے بجائے خلیفہ بنایا۔ اس کی فرماں روائی ۱۲۶ھ میں شروع ہوئی، اس نے ارادہ کیا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کی پیروی کر کے معاملات کی اصلاح کرے گا۔ جیساکہ اس کی بیعت لینے کے وقت کی تقریر سے سمجھ میں آتا ہے۔ مگر اسے بھی ویسی ہی ناکامی ہوئی جیسی عمر بن عبدالعزیز کو ہوئی تھی! اب حالت اس قدر بگڑ گئی تھی کہ اصلاح ناممکن ہو چکی تھی۔ اس خلیفہ کے جانشین مروان بن محمد کے زمانہ میں اموی حکومت کا چراغ ہی گل ہو گیا اور عباسیوں کا دور شروع ہوا۔

نالائق حکام کا تقرر آخری دور میں بنو امیہ اس قدر آرام طلب اور عیش پسند ہو گئے تھے کہ ملکی کاروبار کی دیکھ بھال سے غافل رہتے اور اپنے حکومت کے استحکام کی تدابیر سے کام نہیں لیتے تھے۔ عاملوں کا منتخب کرنا بھی بند ہو گیا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ کسی لونڈی کی سفارش یا کسی تحفے کے معاوضہ میں لوگ عامل بنا دیئے جاتے۔ خلیفہ ہشام نے جنید بن عبدالرحمن کو صرف اس بات پر خراسان کا گورنر مقرر کردیا کہ اس نے خلیفہ کی بیوی کے لئے ایک جواہر کا بیش بہا کنٹھا تحفۃً نذر کیا تھا۔ اور وہ خلیفہ کو پسند آگیا۔ جنید کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے خود خلیفہ کو بھی ایک دوسرا کنٹھا نذر کیا۔ جس کے صلے میں (۱۱۱ھ میں) وہ گورنر خراسان کر دیا گیا۔(۲)۔

(۱) حصہ اول تاریخ تمدن اسلام ص۹۱ (۲) ابن اثیر ج ۵ ص ۲۱۷ (۳) ابن اثیر جلد ۵ ص۸۳ ۔

بنی امیہ ہی کے دور حکومت میں صرف ایک لونڈی کی قیمت ......۱۰۰ درہم دی گئی جس کا نام "ذلفار" تھا (۱) عاملوں کو بجز مال جمع کرنے کے کوئی فکر باقی نہیں رہتی تھی۔ یا غلاموں اور خانہ زادوں کی بڑی بڑی جماعتیں قایم کرتے تھے۔ دیانت دار اور لائق لوگ عامل مقرر ہونے سے بچتے اور دور بھاگتے تھے ان کو اس بات کا خوف تھا کہ اگر ہم سے خلیفہ کا طلب کیا ہوا روپیہ فراہم نہ ہو سکا تو ملازمت کے علاوہ آبرو اور جان پر بھی حرف آئے گا۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے یزید بن المہلب کو عراق کا گورنر مقرر کیا تھا۔ مگر اس نے اپنے دل میں غور کیا کہ "ملک عراق کی حالت یہ ہے کہ حجاج نے اسے بالکل ویران کر دیا ہے۔ اور میں وہاں جاؤں گا تو رعایا یہ خیال کرے گی شاید یہ ہمارے واسطے رحمت بن کر آیا ہے۔ مگر جس وقت میں ان سے خراج وصول کرنے لگوں گا اور ان پر سختی کروں گا تو میری حالت بھی حجاج کی کیفیت سے مشابہ ہو جائے گی۔ وہی روز لوگوں سے لڑنا ان کو قتل کرنا اور بند کرنا پڑے گا۔ جن جیل خانہ سے خدا نے ان غریبوں کو آزادی عطا فرمائی ہے۔ میں پھر اسی میں ان کو بھروں گا۔ اگر میں نے حجاج کی پیروی نہیں کی تو خلیفہ سلیمان مجھ سے ناخوش رہے گا (۲)" ان خیالات کی بنا پر اس نے قبول نہیں کیا اس کے علاوہ جن لوگوں کے دل میں رحم اور نرمی ہوتی تھی وہ سب اسی خیال سے ملازمت نہیں کرتے تھے۔ اب جو لوگ گورنری کے عہدوں کو قبول کرتے وہ ایسے لوگ ہوتے تھے کہ مال و دولت کی طمع نے ان کو اندھا کر دیا تھا اور خلفا بھی انھیں بڑی بڑی تنخواہوں کا لالچ دلاتے تھے۔ چنانچہ بنو امیہ کے آخری دور میں یزید بن عمر بن ہبیرہ حاکم عراق کی تنخواہ ......٦ درہم تھی (۳)" عاملوں سے جہاں تک بن آتا تھا وہ اپنے واسطے روپیہ جمع کیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری ملازمت کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ آج ہے تو کل نہیں ہے اس وجہ سے عاملوں کی دولت و ثروت بے حد بڑھ گئی تھی۔ خلیفہ ہشام کے عہد میں "خالد قسری" گورنر عراق کا سرمایہ ......۱۳۰ درہم تک پہونچ گیا تھا۔ جو دو ملین دینار کے برابر ہوتا ہے (۴)

---

(۱) ابن اثیر جلد ۵ ص ۳۰ (۲) طبری جلد ۲ ص ۱۳۰۶ (۳) ابن خلکان جلد ۲ ص ۲۷۱ - (۴) ابن خلدون جلد ۳ ص ۹۶

عمال کا محاسبہ

اس بات کو دیکھ کر خلفا نے یہ ڈھنگ اختیار کیا کہ جب وہ کسی عامل کو برطرف کرتے تھے، تو اس کا محاسبہ کراتے تھے۔ معاویہ کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ عمرؓ کی پیروی کر کے وہ عاملوں کا نصف سرمایہ لے لیا کرتے تھے اس کے بعد یہ کرنے لگے کہ ان کا محاکمہ کراتے اور جس قدر ان کی دولت کا پتہ لگتا سب چھین لیتے تھے۔ جیسا کہ خالد قسری کے ساتھ کیا۔ اس کے میر منشی حسان نبطی نے خلیفہ سے شکایت کی کہ خالد نے ۰۰۰۰۰۰ ۳۶ درہم اڑا دیے ہیں۔ ہشام نے فوراً ایک کمیشن مقرر کر کے ان کی تحقیقات کرائی اور مذکورہ بالا رقم کا بڑا حصہ اس سے اور اس کے ماتحت عاملوں سے اگلوا لیا (۱) اس طریقہ کا نام انہوں نے استخراج رکھا تھا۔ اور اس کے بارے میں بہت سختی برتتے تھے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفا اور عمال کے مابین عداوت کا تخم بویا گیا اور بنوامیہ کی حکومت سخت خطرناک حالت میں پھنس گئی۔

اموی حکومت کی مالی حالت

بنی امیہ کے عہد میں اسلامی حکومت کی مالی آمدنی جو خراج اور جزیہ وغیرہ کی مدوں سے ہوا کرتی تھی، معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ بنی عباس کی خونریز جنگوں اور اندرونی فسادوں کی بھرمار میں ان کے تمام آثار ضائع ہو گئے۔ لیکن اس بات میں شک نہیں کہ ان کے دور حکومت میں اسلامی قلمرو کی وسعت عباسیوں کے زمانے سے ہرگز کم نہیں تھی۔ گو ان کا صدر مقام اور دائرہ اثر شام۔ جزیرہ، عراق اور مصر سے آگے نہیں بڑھا۔ باقی اطراف مملکت کا خراج عاملوں منشیوں اور تحصیلداروں کے جیبوں میں جاتا رہا اور اس کے علاوہ بعض ممالک اس قسم کے تھے جو کوئی قابل ذکر خراج کی رقم بھی اس لئے نہیں ادا کرتے تھے کہ امویوں کا اقتدار ان پر کامل طور پر نہیں جما تھا۔

ممالک مصر، عراق اور شام کی مالی آمدنی سنین اور عمال کے تغیر و تبدل کے ساتھ مختلف حالتیں اختیار کرتی رہی۔ جس کی تفصیل ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں بیان کر چکے

---

(۱) لیعقوبی جلد ۲ ص ۳۸۸۔ اور ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۰۴۔

ہیں۔ جس کو دیکھنا ہو اس کے صفحہ (۱) کو ملاحظہ کرے۔ خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے کہ امویوں کے دور حکومت میں ملک عراق کے محاصل میں .... ۱۳ درہم اور ملک مصر کے محاصل میں ...... ۳ دینار یا ...... ۳۶ درہم اور ملک شام کے محاصل میں ...... ۱۷ دینار یا ...... ۲۰ درہم آتے تھے۔ گویا کہ ان سب ملکوں کی مالی آمدنی ...... ۱۵۹ درہم تھی۔ جبکہ دوسرے ممالک کی آمدنی کو اور بڑھانا چاہیئے اور اس کی مقدار ہم کو معلوم نہیں ہو سکی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بنوامیہ کے زمانے میں مالی آمدنی نہایت افراط کے ساتھ ہوتی تھی مگر اس کو حکومت کی دولت مندی میں شمار کرنا غلطی ہے۔ اس لئے کہ وہ سب روپیہ ان کی شوکت کے قائم رکھنے والی لڑائیوں میں صرف ہو جاتا تھا۔ انہوں نے امام علیؑ۔ امام حسینؓ بن علیؓ۔ مختار بن ابی عبید۔ عبداللہؓ بن زبیرؓ اور خوارج وغیرہ سے جنگ کرنے کے علاوہ عرب کے یمنی اور بنو مضر کے قبائل اور اہل عرب اور موالی کے ہنگاموں کو فرو کرنے میں بھی بہت کچھ وقت اور روپیہ برباد کیا اور اس پر طرہ یہ کہ خلفا اور عمائد سلطنت نے سامان جلالت مہیا کرنے اور عیش و عشرت کے مزے لوٹنے میں بھی بہت سی دولت اڑا دی۔

(۱) ۱۳۲ سے ۲۱۸

دولتِ عباسی

حکومت عباسی کے دو زمانے جو ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلا زمانہ جس کی بابت ترقی کا دور کہنا زیبا ہے، اس حکومت کی ابتدا ۱۳۲ھ سے خلیفہ مامون الرشید کے عہد ۲۱۸ھ تک شمار کرنا چاہیئے۔ اس زمانے میں عباسی حکومت اپنی ترقی کی بلند ترین زینہ پر پہنچ گئی تھی۔ اور اس نے اس تمدن کی بنیاد ڈال دی تھی جس کا بیان کرنا ہمیں مقصود ہے۔ اسی زمانہ میں اسلامی حکومت کی دولتمندی درجۂ کمال کو پہنچی تھی۔ جس پر اس کتاب میں بحث کی جائے گی۔

دوسرا زمانہ جس کو انحطاط اور تنزل کا دور کہنا مناسب ہوگا خلیفہ معتصم باللہ کے

عہد ۲۱۸ھ سے آغاز ہو کر اس وقت تمام ہوتا ہے جبکہ حکومت عباسی کا چراغ بغداد میں گل ہو گیا تھا۔ اس دور میں اسلامی تمدن نے رجعت قہقری کی تھی۔ اور حکومت کی دولت، تمدنی اور قوت بتدریج اس قدر کم ہو گئی تھی کہ آخر وہ تمام ہی ہو گئی۔

خلافت بنو عباس کا پہلا دور ۱۳۲ھ سے ۲۱۸ھ تک

اس حکومت کے قایم ہونے کے اسباب

یہاں تک جس قدر حالات بیان ہو چکے ہیں ان کو پڑھ کر معلوم ہو گیا ہو گا کہ امویوں کا عہد راشدین کے زمانے سے بوجہ اس بات کے کہ اس میں حکومت کا ڈھچر دینی خلافت کے خرقہ سے عاری ہو کر سیاست دُنیوی کے لباس فاخرہ سے آراستہ کیا گیا اور جس کے حکمراں اور حکام کی تمام کوششیں روپیہ جمع کرنے پر مصروف رہیں، ممتاز نظر آتا ہے۔ اور عباسی دور سے اس کا امتیاز یوں ہو گا کہ وہ متعصب اہل عرب کی سلطنت تھی اور دنیا کی دوسری قوموں کو عموماً اور ان قوموں کو جو ان کے زیر اقتدار تھیں خصوصاً سخت حقارت کی نظر سے دیکھنے والے تھے۔ جو ممالک ان کے ماتحت تھے مثلاً مصر، شام، عراق، فارس اور خراسان وغیرہ وہاں کے خاص باشندے خواہ وہ قبطی تھے یا نبطی، سریانی تھے یا کلدانی، رومی تھے یا فارسی ترک تھے یا سوڈانی وغیرہ۔ ان میں علاوہ ذمیوں کے مشرف باسلام ہو جانیوالے اشخاص بھی حکومت بنو امیہ کے دور میں کسی عزت کے مستحق نہیں تھے۔ اسی لئے یہ قومیں ان کے معاملہ سے روتی تھیں اور رونے نہیں پاتی تھیں۔ ان پر خراج کے وصول کرنے میں جو سختیاں کی جاتی تھیں وہ اور بھی نفرت اور عداوت کی باعث ہوئیں۔ اور ان کے دلوں میں بنی اُمیہ کے اقتدار سے نکلنے کی خواہش اور جو ان کے مقابلہ پر کمربستہ ہو، اس کی اعانت کرنے کا خیال ترقی کرتا گیا (۱) خاص کر موالی بہت تنگ تھے۔ وہ غریب ایک تو

(۱) ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۹۔

اسلام قبول کر کے یوں ہی اپنی اراضیات اور گھر بار سے ہاتھ دھو چکے تھے اس پر طرہ یہ تھا کہ ان کو حکومت کی حمایت کے لیے جنگی خدمت بھی ادا کرنی پڑتی تھی۔ بنو امیہ ان لوگوں سے پیدل فوج کا کام لیتے تھے۔ اور سامان رسد اور مال غنیمت کا حصہ بھی ان کو نہیں دیتے تھے۔ جو لوگ اموی حکومت کے خلاف تھے۔ وہ موقعوں کے منتظر رہا کرتے اور انھیں موالی سے مدد لے کر ان سے مقابلہ کیا کرتے تھے وہ ان کو صرف تنخواہیں اور خوراک دیا کرتے اور اسی پر ان غریبوں کو بے حد خوشی حاصل ہوا کرتی تھی۔ پہلی مرتبہ مختار بن عبید نے ۶۶ھ میں موالی کو اپنی فوج میں اس وقت بھرتی کیا جبکہ وہ امام حسینؓ بن علیؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کی غرض سے کوفہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ مگر اہل عرب کو موالی کا اپنے ساتھ لے کر اپنی ہم قوموں سے جنگ کرنا شاق گذرا۔ چنانچہ انھوں نے آپس میں یہ بات کہی "مختار نے ان موالی کو سواریاں اور مال غنیمت جو ہمارے خاص حقوق تھے، دیکر ہم کو تکلیف پہنچائی ہے"۔ جس کی خبر پاکر مختار نے ان سے دریافت کیا" میں تمہارے موالی کو علیحدہ کر دوں اور تمہارے حق کا مال غنیمت تمہیں کو دوں تو تم میرے ساتھ ہو کر بنو امیہ سے لڑو گے ؟"۔ جس کا جواب دینے کے لیے وہ لوگ دیر تک آپس میں مشورہ کرتے رہے اور ان میں سے ایک شخص نے اپنی جماعت سے کہا" اگر تم ہماری صلاح مانو اس کی اطاعت سے سر نہ پھیرو۔ کیونکہ مجھے تمہارے مابین باہمی اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو جانے کا خوف ہے۔ اور اس شخص کے پاس تمہارے ہم قوم شہسواروں اور بہادروں کے علاوہ تمہارے غلامیں اور موالی کی ایک کثیر جماعت موجود ہے۔ پھر یہ موالی تمہارے غنیم سے بھی زیادہ خود تم کو خار کھاتے ہیں۔ وہ لوگ متفق اور ایک دل ہیں۔ وہ تم سے اہل عرب کی دلیری اور اہل عجم کی کینہ وری کے ساتھ لڑیں گے ۔ (۱)

اموی حکومت کا خاتمہ

اسی طور سے موالی ان تمام لوگوں کا ساتھ دیتے رہے، جو بنو امیہ کے ہاتھوں سے انتزاع حکومت کرنے کو اٹھے۔ اور

---

(۱) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۱۳۔

یہی وجہ تھی کہ امویوں کے عہد میں خوارج کی کثرت ہوئی جس نے اہل عرب کو بھی اور پابند ہیں اس خیال کو پیدا کر دیا کہ خلافت میں قریشی النسل ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ (۱) مگر یہ یہ اعتقاد تمام مسلمانوں کے دلوں میں پوری طرح کئی صدیوں کے بعد جگہ پا سکا۔ ورنہ ان دلوں خلافت کے مدعی زیادہ تر پیغمبر صاحب (صلے اللہ علیہ وسلم) کے کنبے والے تھے کچھ علوی یعنی امام علیؓ کی نسل کے لوگ تھے۔ جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی ہیں۔ اور بعض عباسی یعنی حضور انورؐ کے چچا عباسؓ بن عبد المطلب کی اولاد سے تھے۔ جن اسباب کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان کی وجہ سے خراسانی لوگ سب سے بڑھ کر بنو امیہ کے دشمن تھے۔ انہوں نے عباسیوں کو قابل قدر مدد دی اور عباسیوں کا نامور سپہ سالار بھی خراسانی تھا جس وقت بنو عباس خلافت حاصل کرنے کو اٹھے تو اہل عرب کے ساتھ جس قدر مسلمان اطراف سلطنت میں تھے وہ سب ان کے ساتھ ہوئے اور ملک کے اصلی باشندے جو ذمی تھے وہ بھی معین و ناصر بنے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنو امیہ بالکل برباد کر دیئے گئے اور عنان حکومت عباسیوں کے قبضہ اقتدار میں چلی آئی۔ عباسیوں نے اپنا مرکز خلافت بھی ملک عراق ہی میں قایم کیا جو ان کے مددگاروں کے قریب واقع تھا۔

عجمی اثر و اقتدار عباسیوں کو بنی امیہ کی بربادی کی اصل وجہ معلوم ہو چکی تھی، لہذا وہ خود بھی ویسی ہی غلطی میں مبتلا ہونے سے بچتے رہے۔ انہوں نے اپنی فوج اور مددگاروں کی جماعتیں اہل فارس سے مرتب کیں اور عربی عصبیت کو قایم رکھنے کے لیے ربیعہ اور مضر کے قبائل کی عربی فوجوں کو بھی بحال رکھا۔ کیونکہ وہ عماد اسلام تھے۔ بنو عباس عربی اور فارسی دونوں مختلف عنصروں کو باہم موافق نہیں بنا سکے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ کاروبار اور معاملات حکومت کی افتاد سے ان کو اہل فارس کے ساتھ اختلاط رکھنا لازم آیا۔ وہ لباس بھی فارسی وضع کا پہننے لگے اور ویسی ہی اونچی

---

(۱) استقصار جلد ۱ ص ۶۰۔

اونچی ایرانی ٹوپیاں استعمال کرنے لگے۔ اس بات کو بنو عباس نے اپنے لئے فرض بنالیا تھا اور سب سے پہلے جس شخص نے لوگوں کو فارسی وضع کی ٹوپیاں پہننے پر مجبور کیا وہ خلیفہ منصور عباسی تھا (۱) اس نے ۱۵۳ھ میں اپنے درباریوں کو بہت اونچی اونچی ٹوپیاں پہننے کا حکم دیا۔ جس کے بارے میں ابو دلامہ شاعر نے بطور ہجو کے کہا ہے:۔

وکنا نرجی من امام زیادة　　یعنی۔ ہم امام زمانہ سے اضافہ کے امیدوار تھے تو
فزاد الامام المصطفیٰ فی القلانس　　اس نے اضافہ کیا مگر کس چیز میں؟ ٹوپیوں میں!
تراها علی هام الرجال کانها　　جن کو ہم لوگوں کے سر پر اس طرح رکھی دیکھتے
دنان یهود جللت بالبرانس　　ہیں جیسے یہودیوں کے مٹکوں پر چادریں پڑی ہوں۔

مگر اہل عرب فارسیوں کے دخیل ہونے سے ناراض تھے لیکن اس ناراضی نے کاروبار سلطنت میں کوئی نقص نہیں پیدا کیا۔ عباسی خلفاء نے فارسی لونڈیوں کو اُم ولد بنایا جو ان کے لئے لائق و فائق بچے جنیں اور وہ لڑکے بھی خلافت کے رتبے پر فائز ہوئے جن کو فطری طور پر عنصر فارسی کی طرف خاص جھکاؤ رہا اور یہ عنصر روز بروز بلاد خلافت میں غلبہ حاصل کرتا گیا۔ کیونکہ وزیر اور اہل شوریٰ سب انھیں میں سے منتخب ہوتے رہے۔ مثلاً برامکہ وغیرہ اہل فارس عباسی حکومت کی خدمتیں نہایت صدق و اخلاص اور دیانت و امانت کے ساتھ پوری کوشش سے انجام دیا کرتے تھے۔ اس لئے کہ اس کے قائم رہنے میں خود ان کا بھلا ہوتا تھا۔

بیعت خلافت کا تعلق اہل عرب کے ساتھ

یہ سب تھا مگر خلفاء کو جزیرۂ عرب کی طرف سے بے التفاتی برتنا ناممکن تھا۔ جس میں حرمین شریفین یعنی حرم کعبہ اور حرم روضۂ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) واقع تھے۔ اور ان کی عزت کرنا گویا دین اسلام کی حرمت کرنا تھا۔ جس پر خلافت کا قیام منحصر تھا۔ اس کے سوا بنو عباس کو یہ خوف بھی دامنگیر رہتا تھا کہ مبادا حرمین کے لوگ امام علیؓ کی اولاد کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں اس کے لئے ان کو مدینہ (منورہ) کے فقہا سے اپنی بیعت لینی لازمی تھی کیونکہ

(۱) طبری جلد ۳ ص ۲۷۱

ان لوگوں کو خلافت اور بیعت کے بارے میں بہت بڑی قدرت حاصل تھی اور پابند شرع خلفا بغیران کے مشورے کے کسی معاملہ کو طے نہیں کیا کرتے تھے (۱) اہل فارس پر یہ بات شاق تھی اور ان کو یہ ہول سمایا ہوا تھا کہ ایسا نہو پھر اہل عرب کا اقتدار قایم ہو جائے اور وہ ہم سے بدلہ لینے پر تیار ہو کر ہماری تمام محنتوں کو ملیا میٹ کریں۔ اس لئے انہوں نے خلفار کو ملک عرب کی طرف سے غافل بنانے کی کوشش کی مگر اس میں یہ مشکل تھی کہ وہاں خانہ کعبہ موجود تھا جس کی زیارت کے لئے مسلمان جایا کرتے تھے۔ اور حج اسلام کا ایک رکن بھی تھا۔ پھر بھی چند مقرب لوگوں نے خلیفہ منصور عباسی کو ترغیب دلائی کہ وہ خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ملک عراق کے اندر کوئی اس قسم کی متبرک جگہ بنائے جس کے حج کو لوگ یہاں آیا کریں۔ منصور نے ان کی باتوں میں آکر ایک عمارت "قبہ خضرا" کے نام سے تعمیر کی اور اس کے ذریعہ سے خانہ کعبہ کی وقعت کم کرنی چاہی (۲) اور بحری راستے سے جو غلہ وغیرہ بطور امداد خوراک کے مدینہ (منورہ) کو بھیجا جاتا تھا وہ بھی بند کر دیا۔ (۳) اس کارروائی کو اہل عرب نے عباسیوں سے مخالفت کرنے کی حجت بنا کر محمد بن عبداللہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی۔ جو کہ امام علیؓ کی اولاد میں تھے۔ اور خلیفہ منصور کی بیعت توڑ دی۔ اس کی بابت فقہ اسلامی کے مشہور امام مالک بن انسؒ نے انہیں فتویٰ بھی دیدیا۔ (۴) اس کے علاوہ ملک اندلس میں بنو امیہ نے کچھ عرصہ بنو عباس کی خلافت تسلیم کرنے کے بعد ان کی دعوت قطع کر دی (۵) اور جب عبدالرحمٰن بن معاویہؒ وہاں پہونچ گیا تو خود مستقل حکمران بن گئے کیونکہ وہ ملک مرکز خلافت سے بہت دور تھا۔ (جیسا کہ ہم اسی کتاب کے پہلے حصے میں بیان کر آئے ہیں۔ وہاں دیکھنے سے معلوم ہو سکے گا۔

محمد بن عبداللہ نے مدینہ (منورہ) پر تسلط قائم کر لیا اور منصور ان سے بے حد خائف ہو کر اپنی تمام کوششیں ان کے قتل کرانے میں صرف کرتا رہا۔ مگر وہ اس ارادے میں بڑی مشکلوں سے کامیاب ہوا۔

(۱) ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۷ (۳) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۹۱ (۴) ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۵۱
(۵) ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۳۵ و جلد ۶ صفحہ ۵۴ و ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۸۰

اہل حرم کی خدمت

منصور کو حرمین کی طرف سے بے توجہی کرنے کی جو سزا ملی وہ اس کے بعد آنے والے خلفا کے حق میں تازیانہ عبرت تھی۔ چنانچہ مہدی اس کے بیٹے نے مسند خلافت پر جلوس کرتے ہی اہل حرمین کی بہت تعظیم و تکریم کی اور خانہ کعبہ کو نیا غلاف پہنایا اور بہت سا روپیہ وہاں کے لوگوں میں تقسیم کیا۔ جو خاص اسی غرض سے عراق سے ساتھ لے گیا تھا۔ اور جس کی مقدار ۔۔۔۔۔۔۔۳ درہم تھی اور جب وہ مدینہ میں تھا تو اس کے پاس ملک مصر سے ۔۔۔۔۔۳ دینار اور ملک یمن سے ۔۔۔۔۔۲ دینار آئے۔ وہ سب اس نے وہیں تقسیم کر دیے اور اس کے علاوہ ۔۔۔۔ ۱۵ کپڑے بھی تقسیم کیے۔ مسجد نبوی ؐ کی عمارت میں توسیع کی اور قبیلہ انصار سے اپنی باڈی گارڈ کے واسطے پانچ سو جوان منتخب کر کے انھیں اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور ان کو اراضی اور جاگیریں عطا کیں (۱) مقام "واسطہ" میں نہر صلہ" کے کھودے جانے کا فرمان صادر کیا اور اس کے کناروں کی زمین کو زراعت میں لا کر اس کی آمدنی اہل حرمین کے انعام (تنخواہوں) اور وہاں کے مصارف کے لئے خاص کر دی (۲) پھر تو اسی طرح پر حرمین کا اکرام اور وہاں خرچ کرنا خلفائے بنو عباس میں رواج پا گیا۔ جب وہ خود حج کو جاتے یا اپنی اولاد کے لئے بیعت لیتے تو اس وقت وہاں ایسے ہی مصارف کیا کرتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے ۱۸۶ھ میں حج کیا۔ اس کے دونوں بیٹے امین اور مامون بھی ساتھ تھے۔ جب وہ مدینہ پہونچا تو اس نے تین عطیے دیے۔ ایک خاص اپنی طرف سے اور دو اپنے دونوں بیٹوں کی جانب سے۔ ایسا ہی مکہ والوں کے ساتھ بھی کیا۔ غرضیکہ کل مقدار اس روپیہ کی جو ہارون الرشید نے حرمین میں صرف کر دی ۔۔۔۔۱۰۵ دینار تک پہونچی تھی۔ اور وہیں اس نے دو دستاویز خلافت کی اپنے بیٹوں کی بابت تحریر کیں ایک امین کے نام اور دوسری مامون کے نام اور وہ دونوں کاغذ خانہ کعبہ میں امانت کے طور پر رکھوا دیئے (۳) اس کے بعد سے حرمین کے مصارف ملک کے ضروری اخراجات کا جزو بن گئے اور اہل عرب کی شان پھر نمودار ہونے لگی۔ کیونکہ خلفا اپنے برسر اقتدار رہنے کے لئے اس بات کو ضروری تصور کرتے تھے

(۱) طبری جلد ۳۔ صفحہ ۴۸۲ - (۲) قدامۃ صفحہ ۲۴۲

(۳) ابن اثیر جلد ۶۔ ص ۶۹ -

عرب و عجم کی کشمکش

دوسری طرف عباسی خلفا کو اہل فارس سے بے پروائی کرنے کا بھی موقع نہیں تھا۔ کیونکہ وہی لوگ ان کے وزیر اور صلاح کار تھے۔ اس لیے پھر دونوں عنصروں میں رقابت بڑھتی گئی اور اس چشمک کا نتیجہ امین و مامون کی باہمی جنگ و جدل تھی۔ جس میں مامون نے اہل فارس سے استمداد کی (۱) جہاں اس کا ننہال تھا اور امین نے اہل عرب سے نصرت حاصل کی۔ کیونکہ اس کی ماں ہاشمی خاندان کی بیٹی تھی (۲) مگر چونکہ غلبہ مامون کی فوج کو حاصل ہوا اس لیے عنان خلافت اس کے ہاتھوں میں آتے ہی اہل فارس کا نفوذ دربار خلافت میں ترقی کر گیا۔ اور اہل عرب کو یہ امر ناگوار گزرا۔ انہوں نے مامون سے ناراض ہو کر اس بات کی فکر کی کہ کسی اور سے بیعت کریں اور مامون کے ہاتھوں سے ملک کو نکال دیں (۳) اس بات کے آثار دیکھ کر مامون بھی اہل عرب سے بہت بدظن ہو گیا اور ان کے ذلیل و خوار کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ ملک شام کا دورہ کر رہا تھا کسی شخص نے بطور ملامت اس سے کہا: امیر المومنین "آپ ملک شام کے عربوں پر بھی ویسی ہی نظر عنایت رکھیں جیسی آپ نے خراسان کے عجمیوں پر کر رکھی ہے"۔ مامون نے اس شخص کو جواب دیا۔ "تم نے مجھ پر الزام کا بہت بڑا بار ڈال دیا۔ واللہ میں نے قبیلہ قیس کو محض اس لیے ان کے گھوڑوں کی پشت سے اتارا ہے جبکہ میں نے دیکھا کہ میرے خزانہ میں ایک درہم بھی باقی نہیں رہا۔ یمن کے لوگوں کو نہ میں نے کبھی پسند کیا ہے نہ وہ کبھی میرے ہمدرد رہے ہیں اور بنو قضاعہ کے سردار کسی "سفیانی" کے منتظر ہیں جو ان کا طرفدار ہو باقی رہے بنو ربیعہ تو وہ اس وقت سے جبکہ خداوند کریم نے خاندان مضر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے خدا سے بھی عداوت رکھتے ہیں (۴)"

خلیفہ معتصم کا طرز عمل

۲۱۸ھ میں معتصم نے خلیفہ ہونے کے بعد ترکوں اور فرغانہ کے باشندوں کو امتیاز دیا جس کے سبب سے اہل عرب دولت مندوں اور ارکان سلطنت کی نظروں میں

---

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۹۰ و ۹۲ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳۷ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۶۔

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۷۹۔

اور بھی حقیر ہو گئے اور ان کے ہاتھ کاروبار سلطنت میں پہونچنے سے کوتاہ کر دیئے گئے۔ یہاں تک ملک مصر میں بھی ان کو جگہ نہیں ملی جہاں کا آخری عربی عامل عنبسہ بن اسحٰق الضبی ۲۳۵ھ میں متعین ہوا تھا۔ (۱) معتصم نے اس بات کا قصد کر لیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے گا وہ اہل عرب کی بلا سے اپنا دامن چھڑائے گا۔ اس نے بغداد کے قریب ایک پر فضا شہر آباد کیا تھا جس میں اپنی فوجی چھاؤنی قائم کی تھی اس شہر کا نام سامرا[۵] تھا۔ اور وہاں اس نے ایک خانہ کعبہ کی شبیہ رکھوائی تھی۔ جس کے گرد لوگ طواف کیا کرتے تھے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ "منیٰ" اور "عرفات" کے نام سے بھی چند مقاموں کو نامزد کیا تھا۔ اور اپنے ارکان دولت و امرائے دربار کو وہیں پر فرائض حج ادا ہو جانے اطمینان دلا دیا تھا۔ گو اس کی یہ کارروائی فریب اور غلط بیانی پر مبنی تھی لیکن اسے یہ خوف تھا کہ مبادا یہ امرا خانہ کعبہ کے حج کو جائیں تو ان کے دل میری جانب سے پھر جائیں اور مجھ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ (۲) ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ "عربی" کا لفظ محاورہ میں سب سے حقیر و مبتذل حالت والے شخص کے لیے بولا جاتا تھا۔ اور دوسری نسل کے مسلمان لوگ کہا کرتے تھے "عربی مثل کتے کے ہے ایک ٹکڑا اس کے سامنے ڈال کر چاہو تو اس کا سر بھی پھوڑ دو۔ (۳) یا وہ کہا کرتے کہ اہل عرب اب اس وقت تک ہرگز فلاح نہیں پاسکتے جب تک ان کی مدد پر کوئی مؤید من اللہ نبی نہ ہو (۴)" دربار خلافت کے تمام امیر اور وزیر اور اہل مناصب اہل فارس ترک اور دیلم وغیرہ تھے۔ جن کو خلفاء بڑے بڑے منصب اور فوج و حشم رکھنے کا اعزاز عطا فرماتے رہتے۔ اہل عرب اور ان کی جماعتوں کی طرف سے بے اتفاقی بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہونچی کہ سلطنت کے کاموں میں ان کا کہیں وجود نہیں رہ گیا۔ دوسری طرف اہل عرب کھلے بندوں فارسی وغیرہ غیر اقوام کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور جو شخص ان کی جماعت میں سے ان لوگوں کی طرف مائل ہوتا اسے برا بھلا کہا کرتے خواہ وہ خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ معتصم کی وفات اور واثق باللہ کی خلافت کے وقت عرب کے مشہور شاعر "دعبل خزاعی" نے جو اس وقت عمیرہ

---

(۱) مقریزی جلد ۲۔ صفحہ ۲۵۵ ۵ اس شہر کا اصلی نام "سرّ من رأیٰ" رکھا گیا تھا۔ مگر بول چال میں کثرت استعمال سے "سامرا" رہ گیا۔ اصلی نام کا ترجمہ "دلکش" کے ساتھ کرنا مناسب ہے۔ یعنی جو اسکو دیکھتا مسرور ہو جاتا تھا۔

(۱) مقدسی ص ۱۲۲۔ (۲) ابن اثیر ج ۶ ص ۲۱۱۔ (۳) طبری ج ۳ ص ۱۵۸۸۔

میں تھا اس بات کی خبر پاکر حسب ذیل دو شعر کہے تھے :۔

الحمد للہ لا صبر ولا جلد	خدا کا شکر ہے اور صبر و تحمل کی اس وقت کوئی
ولا عزاء اذا اهل البلاء رقدوا	حاجت نہیں جبکہ اہل بلا (مفسد) مر جائیں۔ ایک
خلیفۃٌ مات لم یحزن له احد	خلیفہ مرگیا تو کسی نے اس پر افسوس نہیں کیا اور
واخرٌ قام لم یفرح به احد (۱)	دوسرا قائم ہوا اس کی کسی نے خوشی نہیں منائی۔

عجمی تسلط

یہاں تک جن واقعات کا ذکر ہوا ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ راشدین کے عہد میں اسلامی حکومت متفقہ قوت عربی الاصل تھی اور ان کی متحدہ غرض روئے زمین پر اپنے مذہب اسلام کی اشاعت جس کی خواہش انھیں رسالت کے سچے ہونے پر مضبوط اعتقاد رکھنے اور اس کی بابت خدا کا حکم ہونے سے پیدا ہوئی تھی اور جب بنو اُمیہ حکمراں ہوئے تو انہوں نے مذکورہ بالا اعتقاد کی جگہ پر مال جمع کرنا اپنا شیوہ بنایا اور سلطنت کو دنیا کے سیاسی اصول پر قائم کیا مگر عرب کی متفقہ قوت اسی طرح مستحکم اور متین رہی۔ عباسیوں نے عربی تعصب کو خیرباد کہہ کر غیر ملکی لوگوں کی قوت بڑھائی اور انھیں اپنا بنانے میں اور ان سے حکومت کی خدمت لینے میں مال و زر صرف کرنے کے علاوہ ان کی نسل کی عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کرنا بھی میل جول کا ذریعہ بنایا۔ آخرکار فارسی ترکی دیلم عضد اور فرغانہ کے لوگ اور ان کے سوا دوسری قومیں جو عربی النسل نہ تھیں دولت کے ذریعہ سے رقیبانہ کوششیں دربار خلافت میں اقتدار اور رسوخ پانے کی کرنے لگیں جس کا نتیجہ آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔

(۱) تاریخ تمدن اسلام حصہ اول۔

دولت عباسیہ کی ثروت

پہلے دور میں

آب ہم اس کتاب کے موضوع پر آپہونچے ہیں۔ کیونکہ اسلامی ثروت اسی زمانے میں پایۂ کمال کو پہونچی تھی اور اسی پر ہمارے کلام کا مدار ہوگا۔ کسی دولت کی مالی حالت کا اندازہ اس باقی رہنے والے روپیہ کے حساب سے کیا جاتا ہے جو اس کے خزانے میں تمام مصارف منہا کرنے کے بعد جمع ہوتا ہے۔ صرف آمدنی پر حکومت کے تمول کو قیاس کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سلطنت کی آمدنی بے شمار ہونے کے ساتھ ہی اس کے مصارف محاصل سے بڑھے ہوتے ہیں اور اس حکومت کو مجبور ہو کر ملکی یا غیر ملکی قرض لینا پڑتا ہے۔ اپنے اس مسلمہ اصول کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ عباسی حکومت کی دولتمندی پہلے دور میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ گو ہم کو پہلے پانچ عباسی خلفا کے زمانوں کے آمد خرچ کے گوشوارے نہیں دستیاب ہوئے جن کی رو سے ہم ان کے سالانہ محاصل کی وہ مقدار معلوم کرتے جس کو سلطنت کی توفیر کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ تمام حسابات امین و مامون کے باہمی جنگ وجدل میں اس وقت تلف ہو گئے جبکہ کچہریوں میں آگ لگ گئی تھی(۱) اور تمام دفاتر ویسے ہی تلف ہو گئے جس طرح بنوامیہ کے کاغذات "عام جحاجم" میں (۲) مگر ہم کو ان کے عہد کی دولتمندی کا پتہ ان رقموں سے ملتا ہے جن کو وہ اثنائے حکومت میں خزانے کے اندر جمع رکھتے تھے۔

اوائل حکومت میں مالی حالت سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس سفاح صرف ۱۳۲ھ سے ۱۳۶ھ تک کل چار سال حکمراں رہا۔ اس کا تمام دور

---

(۱) قدمہ ۲۳۹ – (۲) ماوردی ۱۸۳ = عام جحاجم۔ یعنی کھوپڑیوں کا سال۔ چونکہ اس سال میں بنو عباس نے امویوں کو بکثرت قتل کیا تھا۔ جن کی کھوپڑیاں راستوں میں بڑی ماری ماری پھرتی تھیں لہذا مورخین نے اس کا یہی نام رکھدیا

حکومت جنگ اور خون ریزی میں صرف ہوا اور وہ جو کچھ بھی مال و زر جمع نہیں کر سکا۔ چنانچہ جس وقت اس نے وفات پائی ہے تو اس کے گھر میں صرف ۹ جبّے، ۴ قمیص، ۵ پاجامے، ۲ چار ریشمی چادریں، تین خز کے مطارف نکلے۔ (۱) اس کے سوا اس کے ہاں اور کچھ نہ تھا۔ خلیفہ منصور نے ۲۲ سال ۱۳۶ھ سے ۱۵۸ھ تک فرمانروائی کی۔ وہ بڑا دور اندیش، ہوشیار اور مال و دولت جمع کرنے والا تھا، مگر اس کو بخل پر محمول کرنا ٹھیک نہیں بلکہ وہ اندرونی فسادات اور ہنگاموں کے ڈر سے روپیہ کا جمع رکھنا ضروری خیال کرتا تھا۔ جس وقت اس نے وفات پائی تو اس کے بیت المال میں ۶۰۰۰۰۰۰ درہم اور ۱۴۰۰۰۰۰ دینار (۲) جمع تھے۔ اگر ان دیناروں کو آج کل کے حساب سے درہموں کی صورت میں بدل دیا جائے یعنی فی دینار پندرہ درہم فرض کئے جائیں تو تمام روپیہ جو منصور نے جمع چھوڑا اٹھارہ کروڑ درہم تھا۔ اور ایک درہم "فرانک" کے برابر ہوتا ہے۔ منصور کا آخری وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے مہدی کو یہ وصیت کی۔ میں نے اس شہر میں تمہارے واسطے اس قدر مال جمع کر دیا ہے کہ اگر دس برس تک تم کو خراج کی مطلق آمدنی نہ ہو تو وہ دولت فوج کی تنخواہ اور مصارف سلطنت، اکنبہ والوں کے وظائف اور سرحدوں کی حفاظت کے اخراجات کو کافی ہوگی۔ تم اس کی بہت اچھی طرح حفاظت کرنا۔ اس لئے کہ جب تک تمہارا خزانہ معمور رہے گا تمہاری ساکھ قایم رہے گی۔ (۳)

منصور کا تدبر اسباب سے منصور کی مدبرانہ قوت اور زمانہ شناسی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کیسا دور اندیش تھا۔ اس کے علاوہ اس کی عادتیں بھی صاف صاف بتاتی ہیں کہ وہ بڑا دانا اور مدبر صاحب عظمت و شوکت حکمراں تھا۔ فی الحقیقت یہ اسی کا کام تھا کہ اس نے عباسی حکومت کی بنیاد استوار کر دی۔ اس نے سلطنت کے سلامت رکھنے کے لیے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور ادس میں بے شمار روپیہ صرف کیا۔ محض خارجی

---

(۱) مسعودی جلد ۲ ص ۱۸۶۔ (۲) طبری جلد ۳ ص ۴۴۴ (۳) ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۳

لوگوں سے جنگ کرنے میں اس نے ......۳۴۰ درہم خرچ کئے۔ جو ملک افریقہ میں (۱۵۴ھ کے زمانے میں) ہوئی تھی۔ اسی پر اس رقم کو بھی قیاس کر لینا چاہیے جو دوسری لڑائیوں میں صرف ہوئی ہو گی اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ مصارف اس خرچ کے علاوہ ہیں۔ جو اپنے کنبہ والوں کے ساتھ سلوک کرنے میں وہ کیا کرتا تھا۔ چنانچہ صرف ایک دن کے اندر اس نے اپنے عزیزوں کی ایک جماعت ...... درہم دے ڈالے (۱) اور محض بغداد کی تعمیر پر ...۴۸۳۳۰۰ درہم صرف کئے۔ (۲) اس کے سوا وہ ذرائع آب پاشی اور پلوں کے بنوانے پر بھی بہت کچھ صرف کیا کرتا تھا۔ ان سب اخراجات کو پیش نظر رکھ منصور کے زمانے کی آمدنی کا خیال کیا جائے تو وہ کم از کم ایک ارب درہم سے نیچے نہ ہوئی ہو گی۔ اور اس مقدار کو اس کی ۲۲ سالہ حکومت پر تقسیم کیا جائے تو سالانہ محاصل چار کروڑ پچاس لاکھ درہم نقد علاوہ ان اموال کے پڑیں گے جو وہ عاملوں کو معزول کرتے وقت "استخراج" کے ذریعہ سے وصول کرتا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ عامل کو موقوف کرنے کی صورت میں اس کی تمام دولت ضبط کر کے ایک جداگانہ خزانہ میں جمع کیا کرتا۔ جس کو "بیت المال المظالم" کے نام سے موسوم کر رکھا تھا۔ اور ہر شخص کے مال پر اس کا نام اور ضبطی کا سنہ اور تاریخ لکھوا دیتا تھا۔ اس نے اپنے آخری وقت میں مہدی کو جو اس کا فرزند اور ولیعہد تھا یہ وصیت کی تھی کہ "میں نے تمہارے لئے ایک ذریعہ نیک نامی کا مہیا کر رکھا ہے۔ جس وقت میں اس دار فانی سے رحلت کر جاؤں تم ان لوگوں کو طلب کرنا جن کا مال میں نے ضبط کیا ہے اور وہ بجنسہ انہیں واپس دے دینا۔ اس بات سے تم ان کے دلوں میں گھر کر لو گے اور عام لوگ تمہاری تعریف میں رطب اللسان رہیں گے (۳) چنانچہ مہدی نے خلافت پر مستقل ہو کر اس بات پر عمل کیا۔ اور یہ بات بھی خیال میں آتی ہے کہ خلیفہ منصور نے بنو امیہ کو برباد کر کے ان کی دولت بھی بہت کچھ حاصل کی ہو گی جس کا شمار نہیں معلوم ہو سکتا۔ مگر وہ دولت بھی ایک جداگانہ خزانہ میں جمع تھی۔ جس کو "مال اہل بیت اللہ" کہتے تھے۔ (۴)

---

(۱) مقدسی ۱۲۱ و سیر الملوک ۵۴ (۲) طبری جلد ۳ ص ۴۱ (۳) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۰ (۴) طبری جلد ۳ ص ۴۹۶، اور ابن اثیر جلد ۶ ص ۵۰۔

ہارون الرشید کی دولتمندی

خلیفہ ہارون الرشید نے جس قدر دولت جمع کی اس کی نسبت سے منصور کی مال داری بالکل ہیچ نظر آتی ہے۔ ہارون نے اپنی وفات کے وقت یعنی ۱۹۳ھ میں ۹۰۰۰۰۰۰ درہم سے زائد بیت المال میں زر نقد چھوڑا تھا (۱) اور اس کی حکومت کا زمانہ منصور کے ایام حکومت کے برابر تھا۔ رشید نے جو مصارف اپنے وقت میں کئے اور جیسے جود و سخاوت کے حالات اس کے بیان کئے گئے ہیں، ان کے لحاظ سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کس قدر بے شمار دولت اس نے پیدا کی ہوگی اس موقع پر ایک خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ دولت منصور کے زمانے سے جمع ہوتی آتی تھی جس پر مہدی اور ہادی نے بھی اضافہ کیا ہوگا اور ان کے بعد رشید کا زمانہ آیا تو اس نے بھی بڑھایا صرف رشید ہی نے اتنی دولت اپنے ایام میں جمع نہیں کی مگر واقعی امر یہ ہے کہ خلیفہ مہدی نے اپنے ایام میں منصور کا تمام اندوختہ مع اس تازہ آمدنی کے اڑا ڈالا تھا۔ جو اس کے عہد یعنی ۱۵۸ھ سے ۱۹۶ھ تک کے مابین ہوئی۔ کیونکہ وہ بڑا سخی تھا اور ہادی نے صرف ایک سال سے زائد عرصہ تک حکومت کی اس کی سخاوت کی بابت یہ روایت کی جاتی ہے کہ اس نے عبداللہ بن مالک کو چار سو خچر عطا کر دیے تھے جن پر درہم و دینار وغیرہ کے توڑے لدے تھے اس لئے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کے پاس کوئی قابل ذکر مال جمع رہ سکا ہو۔ پس جو کچھ رشید نے بیت المال میں چھوڑا وہ خود اسی کا اندوختہ تھا۔ اگرچہ ہم رشید کے ایام حکومت کو پیش نظر رکھ کر اس کے اندوختہ پر خیال کرتے ہیں تو وہ منصور کے اندوختہ کے مقابلہ میں کچھ ایسا زائد نہیں ٹھہرتا۔ لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان دونوں میں باعتبار سخاوت زمین و آسمان کا فرق تھا۔ رشید ایسا کریم الطبع تھا کہ مال کی اس کے نزدیک کوئی ہستی نہ تھی۔ (۲) اور بخلاف اس کے منصور بخل کے ساتھ متہم تھا۔ اور اس کے علاوہ رشید کے زمانے میں ایک برامکہ ہی کا خاندان ایسا تھا کہ اس کی جاگیروں اور بخششوں کا حال پڑھ کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے کتنا روپیہ صرف کیا ہوگا۔

---

(۱) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۳۳۔ (۲) ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۱۱

مامون وامین کی لڑائی

۱۹۳ھ میں رشید کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹوں امین و مامون کے مابین خلافت پر فساد بر پا ہوا۔ اور دونوں باہم جنگ آور ہو گئے۔ امین بغداد میں تھا اور اس کی ماں "زبیدہ" نے اس کو اس کے باپ کے خزانے جنگ میں صرف کرنے کے لئے دیدیئے تھے (۱) اور مامون صرف خراسان کا گورنر تھا۔ کئی برس تک دونوں بھائیوں میں کشت و خون ہوتا رہا اور امین نے خزانے کا تمام روپیہ صرف کر ڈالا۔ جن میں جنگی مصارف کے علاوہ اس کے عیش و عشرت کے سامان بھی شریک تھے اس نے اپنی خلافت میں لہو اور طرب کا رنگ جما رکھا تھا۔ فوجیں میدان جنگ میں لڑتی تھیں اور وہ قصر خلافت میں رنگ رلیاں مناتا۔ گویّوں اور سازندوں کی تلاش میں دل کھول کر روپیہ صرف کرتا اپنے بھائیوں اور خاندان والوں سے الگ رہتا اور سلطنت کے جواہرات اور اشرفیوں کو اپنے خواص خواجہ سراؤں اور مطلوبہ عورتوں پر لٹاتا رہا تھا (۲)

مامون کا زمانہ

۱۹۸ھ میں امین قتل ہوا۔ اور اسلامی قلمرو میں مامون کا سکہ اور خطبہ رائج ہوا۔ اس کے دربار میں خراسانیوں کا اقتدار سب سے بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ انہیں لوگوں کی جاں نثاریوں نے اسے ملک و مال پر قابض بنایا تھا۔ مملکت عباسی میں ہر طرف امن و امان تھا۔ خلیفہ مامون نے عربی زبان علوم کا ذخیرہ تراجم کے ذریعہ سے بہم کرنے توجہ کی اور اس بارہ میں اہل ہنر کی قدر شناسی کا حق ادا کر دیا جس کی تفصیل کتاب کے دوسرے حصے میں بیان ہوگی جو علم و ادب کی تاریخ سے مخصوص ہوگا۔

مامون کے عہد میں لوگوں کے باامن و امان کاروبار میں مصروف ہونے اور دلجمعی کے سامان بہم پانے سے تمول کو بھی ترقی ہوئی۔ مامون نے بھی اپنے باپ اور پردادا کے برابر یعنی ۲۲ سال حکومت کی۔ مگر ہم کو اس بات کا پتہ نہیں لگا کہ اس نے اپنی وفات کے بعد بیت المال میں کیا رقم جمع چھوڑی تھی۔ شاید اس زمانے کے مورخوں کی ان معاملات میں بے توجہی نے اس کی تفصیل کو اسی طرح ضائع کر دیا جیسے کہ اور بہت سی باتیں تلف ہو گئیں۔

---

(۱) ابوالفدا جلد ۲ ص ۲۰ ۔ (۲) ابوالفدا جلد ۲ ص ۲۲

خلیفہ کی آمدنی البتہ اس میں شک نہیں کہ خلفائے راشدین کے بعد سے مسلمان حکمرانوں کے نزدیک مال کا جمع رکھنا ایک ضروری امر ہو گیا تھا اور یہ بات ان کے ہر ایک ملک اور تمام زمانوں میں پائی گئی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ اندلس کا مشہور خلیفہ عبدالرحمٰن بن الناصر جس نے ۳۰۰ھ سے ۳۵۰ھ تک فرمان روائی کی اس نے ۳۴۰ھ تک تقریباً دو کروڑ دینار اپنے خزانے میں جمع کئے تھے۔(۱) اس کے زمانہ میں اندلس کے سالانہ محاصل خراج و جزیہ چون لاکھ اسی ہزار دینار تھے۔ اور بازاروں اور "مستخلص" کی آمدنی سات لاکھ پینسٹھ ہزار دینار تھی۔ جس کی عام میزان باسٹھ لاکھ پینتالیس ہزار دینار ہوتی ہے اور یہ رقم مال غنیمت کے خمس کی آمدنی سے علاوہ تھی۔ جو بکثرت آتے تھے۔ (۲) خلیفہ ناصر اس آمدنی کا ایک ثلث اپنی فوج پر خرچ کرتا تھا اور ما بقی سب روپیہ جمع رہتا (۳) علامہ ابن خلدون ناصر کے چھوڑے ہوئے اندوختہ میں بے حد مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اس کی مقدار پانچ ارب دینار تحریر کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ان کی تحریر میں کوئی علامت شک کرنے یا اٹکل سے کام لینے کی بھی نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ اس رقم کو وزن کی صورت میں تحویل کر کے پانچ لاکھ قنطار کے ساتھ اسے موکد کرتے ہیں (۴) مگر ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ایسے مشہور فاضل اور فیلسوف نے اس قسم کی دور از عقل بات کیوں لکھدی۔ اس لئے کہ "ابن حوقل" جو خلیفہ ناصر کا ہم عہد تھا، وہ لکھتا ہے کہ حکم ابن ناصر کے بیت المال میں اس کے باپ کی وفات کے بعد اس کے خدم اور مصادرین وغیرہ کے ذریعہ سے جو روپیہ جمع ہوا تھا وہ چار کروڑ دینار سے زائد نہیں تھا اور ابن حوقل نے اس کو بہت زیادہ خیال کیا ہے۔ کیونکہ اتنا مال اس زمانہ کی کسی حکومت کے پاس جمع نہیں تھا۔ (۵) وہ زمانہ بغداد کے انحطاط کا تھا اور وہاں کے خلفا اور سردار مال کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے اور مصادرہ کرتے رہتے تھے۔

عہد مامون کا ملکی لگان مامون الرشید کے ملکی لگان کا جس قدر روپیہ خزانہ

---

(۱) ابن حوقل ص ۷۷

(۲) نفح الطیب جلد اول ص ۱۷۹ (۳) ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۰ (۴) ابن خلدون جلد ۱ ص ۱۱۵

میں ہر سال آیا کرتا تھا۔ اتنا کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے یہاں کبھی نہیں جمع ہوا۔ ہم کو ان محاصل کی مقدار ابن خلدون کے مقدمہ سے معلوم ہوتی ہے جس کو وہ سلطنت کے مالی دفتر سے نقل کرتا ہے۔(۱) اور وہ سب سے پہلا جریدہ (دفتر) یا گوشوارہ ہے جو ہم کو اسلامی حکومتوں کے حسابات کے متعلق مل سکا ہے۔ اس کے بعد ایک اور فہرست کی نقل درج ہوگی جس کو قدامتہ بن جعفر نے نقل کیا ہے۔ اور تیسرے حساب کو ابن خردازبہ روایت کرتا ہے۔ مگر یہ سب کاغذات تیسری صدی ہجری کے وسط سے آگے نہیں بڑھتے جن کو ہم اس کتاب میں درج کریں گے اور اُن سے ہماری مراد یہ ہوگی کہ اسلامی سلطنت کی دولت مندی کو ان کا باہم مقابلہ کر کے صاف طور سے بیان کر سکیں۔

اس موقع پر ہم کو یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مالی آمدنی کا ذکر چھیڑنے سے پہلے مختصر طور پر اسلامی قلمرو کی وہ جغرافیائی حالت بھی لکھ دیں جو خلیفہ مامون کے عہد میں تھی تاکہ اُن اضلاع اور صوبوں کا باہمی تناسب اور عباسی دارالسلطنت سے ان کا تعلق واضح ہو جائے۔

اسلامی قلمرو کا جغرافیہ

مامون کے ایام میں

اس کے حدود اُس کے حدود اربعہ ذیل تھے:۔

مشرق میں سرزمین ہند، تھوڑا حصہ ملک چین کا اور خلیج فارس مغرب میں رومی سلطنت کے حدود جن کو آجکل بحر اسود۔ ایشیائی کوچک۔ بحر روم۔ روس اور بلغاریہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ شمالی جانب ایشیا میں تبریز۔ خزر اور لان کے ممالک اور یورپ میں بیرینیہ کا پہاڑی سلسلہ جو آجکل کے نقشوں میں سائبیریا۔ بحر قزوین اور بحر روم پر قیاس کئے جا سکتے ہیں

---

(۱) ابن خلدون جلد اول ص ۱۵۰

جنوبی سمت میں بحر فارس اور ممالک "نوبہ" کے وہ حصے جو مصر سے ملتے ہیں باقی رہی مملکت کی مساحت اور مردم شماری اسے ہم اسی کتاب کے پہلے حصے میں ذکر کر چکے ہیں ۔

اس مملکت کے متعدد اعمال (صوبوں) میں تقسیم کئے گئے تھے جن کی مساحت اور باہمی تناسب میں حکومتوں اور زمانہ کے اختلافوں کے ساتھ کمی بیشی ہوتی رہی۔ ہم اس مقام پر محض اس حالت کو بیان کریں گے جو مامون کے عہد سے چند روز قبل و بعد رہی تھی۔ اور اس کا ماخذ اس زمانہ کے عرب جغرافی لوگوں کی تصنیفات ہوں گی خاص کر اصطخری ابن حوقل اور ابن الفقیہ سے زیادہ تر استنباط کیا جائے گا ان جغرافیہ دانوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اسلامی قلمرو ۲۷ اقلیموں پر منقسم تھا۔ سات اقلیم مغرب میں اور بیس مشرق میں واقع تھے جو حسب ذیل ہیں :-

مغربی اقالیم

ممالک عرب ۔ شام ۔ بحر فارس ۔ بحر روم ۔ دیار مغرب ۔ الجزیرہ ۔ مصر

مشرقی اقالیم

عراق ۔ کوہستان ۔ خوزستان ۔ رحاب ۔ دیلم ۔ فارس ۔ طبرستان ۔ کرمان جرجان مکران ۔ قومس ۔ طوران ۔ خراسان کا ریگستان ۔ سندھ ۔ سجستان ۔ آرمینیہ ۔ خراسان ۔ آذر بائیجان ۔ ماوراء النہر ۔ بلاد الکران ۔ خوارزم ۔ جن کا مختصر حال ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

دیار عرب جس کو جزیرہ عرب کہنا چاہیے ۔ اس ملک کو عبادان ۔ یعنی دجلہ کے دہانے سے بحر فارس نے گھیر رکھا تھا اور وہ بحرین سے ہوتا ہوا عمان کو نکل گیا تھا۔ پھر وہاں سے چکر کاٹتا مہرہ ۔ حضر موت ۔ اور عدن کے سواحل کو گھیرتا ہوا جدہ تک سواحل یمن کو چلا گیا تھا۔ اور وہاں سے "مدین" تک پھیلتا ہوا "ایلہ" کو جا پہنچا تھا۔ عربی جغرافیہ داں ان تمام دریاؤں کو بحر فارس سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو ملک عرب کو اپنے حلقہ میں لئے ہیں۔ مگر اس میں اتنا فرق ہے کہ تری کا وہ سلسلہ جو باب مندب سے ایلہ تک ممتد ہوتا چلا گیا ہے اسے بحر قلزم کہتے ہیں۔ جو آج کل بحر

کہا جاتا ہے۔ اس کی شمال مغربی جانب کی خشکی حد بندی ممالک شام اور فلسطین ایک خمدار خط سے کرتے ہیں۔ جو ایلہ سے بحیرہ مردار کو ملا کر شرات بلقار اذرعات۔ سلمیہ۔ اور خناصرہ کو سلسلہ میں لیتا فرات سے جا ملتا ہے۔ اور وہاں سے رقہ۔ قرقیسیا رحبہ اور کوفہ کو گھیرتا ہوا۔ بطائح اور واسط کو شامل کرتا عبادان تک گیا ہے۔ دیار عرب کی تقسیم بھی کئی صوبوں پر کی جاتی تھی۔ حجاز اس میں مکہ طائف مدینہ۔ اور یمامہ مع اپنے مخالیف کے شامل ہیں۔ نجد حجاز جو سرزمین بحرین سے متصل ہے۔ بادیہ عراق بادیہ الجزیرہ بادیہ شام یمن جو کہ تہامہ پر بھی مشتمل ہے نجد یمن۔ عمان مہرہ حضرموت صنعا اور عدن مع تمام مخالیف یمن کے۔

بحر فارس اس سے ان کے نزدیک وہ دریا مراد ہیں جو دریائے دجلہ واقع ملک عراق کے دہانہ سے ایلہ تک سرزمین عرب کو اپنے حلقہ میں لئے ہیں (۱) اس کے اندر دریا کے وہ سب حصے جن کو ہم ان دنوں خلیج فارس۔ بحر عرب۔ خلیج عدن۔ بحر احمر اور خلیج عقبہ کے جداگانہ ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ شامل ہیں۔ کہ ان کے تفصیلی حالات بیان کرنے کی ہمیں اس موقعہ پر کوئی حاجت نہیں معلوم ہوتی۔

دیار مغرب اس سے ان کی اصطلاح میں شمالی افریقیا کے تمام وہ سواحل مراد ہیں جو ملک مصر کی حدود سے اس طرف مغرب میں واقع ہیں۔ اور جن میں ۱۔ برقہ ۲۔ افریقیہ یعنی ٹیونس ۳ تاہرت واقع الجزائر اور ۴ طنجہ سوس اور زویلہ ملک مراکو کے شہر شامل ہیں۔

برقہ ایک متوسط درجہ کا شہر ہے جو شاداب زمین کے سطح مستوی پر واقع اور چاروں طرف بیابانوں سے گھرا ہوا ہے۔ ان بیابانوں میں بربری قبائل سکونت پذیر ہیں اور برقہ اور افریقیہ کے مابین طرابلس الغرب کا مشہور شہر واقع ہے جو ممالک افریقیہ کا ایک شاندار شہر اور سرتاپا سنگین عمارتوں سے بنا ہے۔ اس کے بعد مہدیہ اور پھر ٹیونس ہے جو بڑے آباد شہر ہونے کے علاوہ بہت سرسبز مقام ہیں۔ بعد ازاں قیروان افریقیا کا پایہ تخت اور وہاں کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ صحرائی سرزمین کے اندر آباد ہے اور اسی کے مثل تاہرت کو بھی سمجھنا چاہیے۔ افریقیہ کے

---

(۱) اصطخری ص ۲۸

باقی شہروں میں ایک قابل ذکر مقام سجلماسہ ہے۔ جو لق و دق بیابان میں واقع ہے۔ اندلس (اسپین) کو بھی عربی جغرافیہ دانوں نے ممالک مغرب کا ایک حصہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ فتح ہونے کے زمانے میں اسی کے ماتحت تھا۔ یہ ایک وسیع ملک ہے۔ جس کا پایہ تخت قرطبہ ہے۔ اور اس کی حدود اربعہ مشہور ہیں۔ اندلس کے دوسرے شہر جو مشہور ہیں۔ جیان۔ طلیطلہ۔ سرقسط۔ لاردہ۔ وادی الحجارہ۔ ترجالہ تورریہ۔ ماردہ۔ باجہ۔ غافق۔ لبلہ۔ قرمونہ۔ استجہ۔ اور ریہ وغیرہ ہیں۔ اور اس کے ساحلی مقامات شنترین۔ مالقہ اور جبل طارق وغیرہ ہیں۔

مصر اُن ایام میں بھی مصر کی حدود انہیں ایام کے برابر تھے۔ اور اس کے ملحقات میں ممالک نوبہ اور بجاوہ بحر احمر کی حدود تک شمار کئے جاتے تھے۔ جس کے بعد خلیج عقبہ واقع تھی۔

ملک شام جس سے عموماً ارض سوریا مراد تھی۔ اس کی سات حصوں پر تقسیم کی گئی تھی۔ ۱۔ فلسطین کی چھاؤنی۔ ۲۔ اردن کی چھاؤنی ۳۔ حمص کی چھاؤنی۔ ۴ چھاؤنی دمشق۔ ۵۔ چھاؤنی قنسرین۔ ۶ عواصم اور ۷ ثغور (سرحدی اضلاع)

ملک شام کی مغربی چھاؤنیوں میں پہلی چھاؤنی فلسطین کی تھی۔ اس کے حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے۔ مصر کی جانب مقام "رفح"، شمال میں "الجون" جس کے ضمن میں یافا۔ اریحا۔ بیت لحم۔ غزہ۔ شراط۔ بحر مردار۔ غور بیسان۔ اور نابلس شامل تھے فلسطین کا صدر مقام رملہ تھا۔ جو وسعت اور آبادی کے لحاظ سے بیت المقدس کا ہم پایہ گنا جاتا تھا۔

اردن کی چھاؤنی کا صدر مقام شہر "طبریہ" تھا۔

دمشق کا صدر مقام خود شہر دمشق تھا۔ جو ملک شام کے تمام شہروں میں عام طور پر بڑا اور مشہور ہے۔

حمص کا صدر مقام شہر حمص تھا جو مشہور ہے اور اس کے ماتحت شہر بادیہ کے کناروں پر طرطوس اور سلمیہ تھے۔ ان کے علاوہ شیرز اور حماہ بھی دو چھوٹے شہر تھے

قنسرین کا صدر مقام شہر حلب تھا جو آج بھی ویسا ہی مشہور ہے اور چونکہ وہ ملک عراق کے راستے میں پڑتا تھا، لہٰذا اس کی رونق اور شان بہت بڑھ گئی تھی۔ سرحدی اضلاع (ثغور) اور عواصم کو جاتے ہوئے بھی یہ شہر راہ میں پڑتا۔ اس کے شہروں میں قنسرین چھوٹا شہر تھا۔ اور معرۃ النعمان اوسط درجہ کا۔

عواصم سے ملک شام کا وہ بالائی حصہ مراد ہے جو حلب کے بعد اسکندرونہ تک پھیلا ہوا گیا ہے۔ عواصم کا صدر مقام انطاکیہ کا شاندار شہر تھا۔ جو خوبی اور خوش اسلوبی میں دمشق کا ہمسر گنا جاتا تھا۔ اور رومیوں کے زمانے میں ملک شام کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ اس شہر کے گرد ایک زبردست اور مستحکم شہر پناہ کی دیوار بنی تھی۔ جس کا دور ایک سوار کے دو دن قطع مسافت کرنے سے طے ہوتا تھا۔(۱) کہا جاتا ہے کہ نہر فرات کے کنارے پر "بالش" اور صحرائی مقامات میں "منبج" بھی عواصم کے نامی شہروں میں شمار ہوتے تھے۔

ثغور یعنی سرحدی مقامات ان ممالک کو کہا جاتا تھا جو عواصم کے اس طرف ایشیائے کوچک کے کوہ "طورس" تک واقع تھے۔ اور ان کے مشہور شہر یہ ہیں۔ نہر فرات کے کنارے پر "سمیساط"۔ "ملطیہ" یہ سب سے اہم سرحدی مقام تھا۔ اور یہاں محافظ فوج کا زبردست کیمپ رہا کرتا تھا۔ حصن منصور۔ حدث۔ مرعش۔ زبطرہ۔ ہارونیہ۔ مصیصہ۔ اذنہ۔ اور طرطوس اور کبھی ان سرحدی اضلاع کو عواصم کے حلقہ میں شامل کر لیا کرتے۔ اور اس تمام ملک کو عواصم کے نام سے نامزد کرتے تھے۔ اہل اسلام ثغور انہیں مقامات کو کہا کرتے جو ان کے ملک اور رومی ممالک کے مابین حد فاصل تھے۔ اسی وجہ سے سرحدوں کی دو قسمیں کر دی گئی تھیں۔ ثغور شامیہ یعنی وہ سرحدیں جو ملک شام سے متصل تھیں اور "حدود جزریہ" یعنی وہ سرحدی تھانے جو الجزیرہ سے ملحق تھے۔

بحر روم اس سے ان مقامات کا بیان مراد ہے جو دریائے روم کے جزیرے تھے۔ وہ ہماری بحث سے خارج ہیں لہٰذا ہم ان کے ذکر سے باز رہتے ہیں۔

(۱) المقدسی۔ ص ۱۵۰

الجزیرہ دریائے دجلہ اور فرات کے مابین ایک وسیع ملک کا نام تھا جس کو مابین النہرین بھی کہتے تھے۔ اس ملک کے شمالی حصہ کو الجزیرہ اور جنوبی خطہ کو عراق کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ جن کی حد فاصل دریائے دجلہ کے ساحل پر شہر تکریت اور نہر فرات کے کنارہ پر انبار۔ یا ہیت کے شہر تھے۔ الجزیرہ کے ملحقات میں چند ایسے مقامات کا شمار تھا جو دونوں دریاؤں کے کنارے پر جابجا واقع تھے الجزیرہ کے حدود اربعہ یہ تھے۔ شمالی جانب سے میا فارقین اور وہ مقامات جو اس کے ساتھ مغرب رویہ ملتے ہوئے ملطیہ کے قریب دریائے فرات تک واقع تھے جنوبی سمت سے ہیت جو نہر فرات پر واقع تھا اور تکریت جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھا۔ جنوب مغرب رویہ کی حد بندی بلاد الجزیرہ کے صحرائی مقامات کرتے تھے۔ اور مشرق میں کوہستانی ملک اور آذربائیجان کا صوبہ اس کی سرحد سے ملحق تھا۔

الجزیرہ کے مشہور شہر الجزیرہ کا ملک نہایت سرسبز و شاداب خطہ اور ممالک عراق کا ہم پلہ تھا۔ اس کے مشہور شہر حسب ذیل تھے۔

مغربی جانب دریائے دجلہ کے کنارے شہر موصل۔ دیار ربیعہ میں میدانی سرزمین کے اندر شہر سنجار۔ اس شہر میں کھجور کے باغات بکثرت تھے۔ جس کے مقابل اس ملک کے کسی اور شہر میں نہ تھے۔ شہر نصیبین الجزیرہ کا سب سے پر رونق شہر۔ دارا ایک چھوٹا قصبہ۔ راس عین ایک ہموار زمین کا خوشنما شہر۔ دار مضر میں۔ بلندی دجلہ میں آمد اور دریائے دجلہ ہی کے کنارے پر جزیرہ ابن عمر بھی تھا۔ اور الجزیرہ کے جو شہر نہر فرات کے لب پر واقع تھے۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔ رقہ۔ قرقیسا۔ الرحبہ۔ اور ہیت اس سرزمین کے وسط میں شہر حران جو کہ صابی (ستارہ پرست) لوگوں کا مقام تھا اور "رہا" جو قدیم زمانہ میں سریانی قوم کا زبردست دارالعلم تھا اور سروج ایک سرسبز شہر جہاں انگور کی پیداوار بکثرت ہوتی تھی واقع تھے۔

الجزیرہ میں چند صحرا بھی تھے جن میں ربیعہ اور مضر کے عربی قبائل رہا کرتے۔ ربیعہ کے خاندان شمال مشرقی حصہ میں اور مضر کے گھرانے جنوب مغربی قطعہ میں آباد تھے اور

اسلام سے قبل ان کی سکونت انھیں مقامات میں چلی آتی تھی۔ یہ دونوں عربی قبائل بکثرت اونٹوں اور گھوڑوں اور بھیڑوں بکریوں کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ وہ شہروں کے متصل دیہات میں رہنے کے عادی تھے۔ جس کی وجہ سے وہ نصف صحرائی اور آدھے شہری تصور کئے جا سکتے تھے۔ دریائے دجلہ کے کنارے پر ملک الجزیرہ کا آخری سرحدی مقام تکریت تھا جس کے باشندے زیادہ تر عیسائی تھے۔

عراق | مالک مابین النہرین کا جنوبی حصہ اور اس کے قرب و جوار کے مقامات اس کا طول شمال میں شہر تکریت واقع کنارہ دجلہ سے سمت جنوب کے شہر عبادان تک تھا۔ جو کنارہ بحر فارس پر واقع ہے۔ اور اس کا عرض مغربی سمت میں قادسیہ کوفہ سے مشرقی جانب کے شہر حلوان تک شمار کرنا چاہیے۔ ملک عراق کا محیط معلوم کرنے کے لئے ہم کو تکریت سے مشرقی سمت میں شہر زور تک جانا ہوگا۔ اس کے بعد جنوب مشرقی گوشہ میں حلوان اور بعدہٗ سیروان اور صیمرہ پھر حدود سوس سے عبادان تک طے کرتے ہوئے بصرہ کی جانب پھر جانا ہوگا۔ اور یہاں سے شمال مغربی گوشہ میں سواد بصرہ کے سنگلاخ مقاموں اور صحراؤں کی جانب کوفہ تک چڑھنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد فرات کے کنارے کنارے انبار تک جا کر پھر شمالی سمت میں تکریت کی جانب واپس آنا ہوگا۔ اس قطعہ ملک کو جو دجلہ اور فرات کے مابین واقع تھا۔ سواد کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔ اسلامی تمدن کے ایام میں عراق کے حدود مذکورہ بالا بیان کے مطابق تھے۔ جو آج کل کے زمانے میں بالکل بدل گئے ہیں اور اس تبدیلی کی خاص وجہ دونوں دریاؤں کے بہاؤ کا تغیر ہے۔ جس کی تفصیل ہم کسی اور مقام پر مناسب طور سے بیان کریں گے۔

عراق کے مشہور شہر بغداد اس کا صدر مقام اور اسلامی سلطنت کے عروج و عظمت کے ایام میں اس کا پایۂ تخت خلیفہ منصور نے اس شہر کو تعمیر کرایا تھا۔ بصرہ خاص اہل عرب کی بستی تھی۔ مسلمانوں نے خلیفہ عمر بن الخطابؓ کے عہد میں اس کی بنیاد ڈالی۔ شہر بصرہ کے مضافات میں بہت سی پتھریلی سرزمینیں تھیں۔ جس کا بیان

کسی دوسرے موقع پر آئے گا۔ "واسط" یہ بھی اہل عرب کا شہر تھا۔ اس کو حجاج نے سرزمین سواد کے وسط میں آباد کیا تھا۔ کوفہ اس کی بنیاد بھی اہل عرب نے ہی نہر فرات کے مغربی کنارے پر رکھ کر تعمیر کیا تھا۔ نہروان دریائے دجلہ کے شرقی سمت میں ایک نہر پر واقع تھا۔ جو اب بالکل خشک ہو گئی ہے۔ حلوان ملک عراق آخری سرحدی شہر شرقی گوشہ میں کوہستان کے قریب بہت پُر رونق اور شاندار مقام تھا۔ حیرہ شاہان عراق کا قدیم پائے تخت کوفہ کے قریب اور ابلہ بصرہ کے متصل۔

خوزستان یہ ملک عراق کے شرقی جانب اس کے اور ملک فارس کے مابین واقع ہے۔ اس کی شمالی حد کور الجبال۔ شرقی حد ملک فارس اور اصفہان۔ غربی حد۔ ملک عراق اور جنوبی حد خلیج فارس ہے۔ خوزستان کا صدر مقام شہر اہواز تھا جس کی طرف منسوب کر کے اس ملک کو بھی "اہواز" کہا جاتا۔ یہ ملک کئی ضلعوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا ضلع خود اہواز اور اس کے علاوہ جندی سابور۔ سوس۔ تستر۔ رامہرمز۔ سرق عسکر اور کرم تھے۔ ہر ایک کورہ (ضلع یا کمشنری) کا صدر مقام وہی شہر تھا جس کے نام سے وہ ضلع موسوم کیا جاتا تھا۔

بلاد فارس یہ مغرب میں ملک خوزستان اور مشرقی سمت صوبہ کرمان کے درمیان واقع ہوا تھا۔ اس کی سرحدیں شمال میں اصفہان اور صحرائے خراسان سے ملتی تھیں اور جنوب و مغرب کی حد بندی "دریائے فارس" کرتا تھا۔ فارس کا ملک پانچ احاطوں میں تقسیم تھا۔ سب سے بڑا احاطہ اصطخر جس کا صدر مقام شہر اصطخر تھا۔ اس کے بعد احاطہ اردشیر خرۃ کا نمبر تھا جس کا صدر مقام "جوز" تھا۔ اور اسی احاطہ میں شیراز کا شہر بھی جو ملک فارس کا پائے تخت ہے واقع تھا۔ اور شیراز ہی میں تمام ملکی و مالی دفتروں کی کچہریاں اور دار الامارۃ بھی تھا۔ اس کے بعد احاطہ "دارابگرد" اور احاطہ "ارجان" جس کا صدر مقام شہر ارجان تھا۔ بعد ازاں احاطہ سابور جو ملک فارس کے تمام احاطوں سے چھوٹا تھا۔ اور اسی احاطہ میں شہر "گازرون" واقع تھا۔ ملک فارس میں چند ایسے مقامات بھی تھے جس میں سو سے زیادہ کردوں کے خاندان بود و باش رکھتے تھے۔ اور وہ لوگ کھیتی باڑی کے ساتھ مویشیوں کی پرورش سے بھی اپنی گذر اوقات کرتے تھے

ان مقاموں کو "زموم" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ بلاد فارس میں صرف ان قبائل کے تقریباً ۵۰۰۰۰ گھر اندازہ کئے گئے ہیں جو عربی خانہ بدوشوں کی طرح سردی اور گرمی کے موسموں میں کافی چارہ اور پانی رکھنے والی سرزمینوں کو اپنے قیام کے لئے تلاش کرتے رہتے تھے۔ اور کم سے کم سے کم صرف ایک گھر میں صاحب خانہ۔ مزدور پیشہ اور چرواہوں کو ملا کر تقریباً دس مرد ہوتے۔ جن کے اعتبار سے اگر ہم فی گھر صرف پانچ مردوں کا اوسط لگالیں تو کردوں کی قوم میں مردوں کی تعداد پچیس لاکھ ہوتی ہے۔ اور عورتوں اور بچوں کے شمار کو اس پر اضافہ کرنے سے اس قوم کی مجموعی مردم شماری دس ملین سے کم نہیں ٹھیرتی۔

کرمان یہ ملک فارس سے باعتبار وسعت کے بہت بڑا تھا۔ اس کے مغربی حدود خاص فارس سے ملے تھے اور مشرقی حدود مکران اور سجستان سے شمال کی جانب خراسان کا ریگستان اور جنوب کی سمت بحر فارس اس کی حدود سے متصل تھے۔ وہاں کے مشہور شہر شیرجان بم۔ جیرفت اور ہرموز تھے۔

مکران کرمان کے شرقی جانب ہے اور اس کے مشرق میں طوران اور ممالک سندھ کے بعض مقامات۔ شمال میں سجستان اور ممالک ہند اور جنوب میں بحر فارس اس کی حد بندی کرتے ہیں۔ یہ صوبہ کرمان سے بڑا ہے۔ وہاں کے مشہور شہر تیز۔ کیز۔ درک اور رسک ہیں۔

توران ملک فارس سے بہت چھوٹا ملک ہے۔ مغربی سمت سے مکران اور شرقی و شمالی جانبوں سے بلاد سندھ کے مابین واقع تھا اور جنوبی طرف کو بحر فارس اس کی حد تھا۔ وہاں کے مشہور شہر محالی کیز کانان اور قصدار تھے۔

سندھ سمت مشرق میں اسلامی ممالک کی آخری حد تھی۔ وہاں کے مشہور شہر حسب ذیل تھے۔ منصورہ جس کو ہندی زبان میں برہمن آباد کہتے تھے۔ "دیبل" دریا کے کنارے پر۔ اور ملتان وغیرہ شہر منصورہ نہر مہران کی ایک کھاڑی پر واقع اور بطور ایک جزیرہ نما کے تھا۔ وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اور اصطخری مشہور عربی جغرافیہ دان مکران توران اور سندھ تینوں ملکوں پر صرف سندھ کا اطلاق کرتا ہے۔

ارمینیہ اسلامی قلمرو کے بالائی ملکوں میں الجزیرہ کے اوپر واقع تھا۔ اس کے حدود اربعہ حسب ذیل ہیں:۔

مشرق میں "آذربائجان" اور "ران" مغرب میں بلاد روم (ایشیائے کوچک) شمال کی جانب کوہستان قبق (کاکیشین) اور جنوب کی سمت میں الجزیرہ۔ ارمینیہ کا صدر مقام شہر دبیل " تھا۔ جس میں دار الامارۃ بھی تھا۔ اور وہاں کے رہنے والوں کی غالب تعداد نصاریٰ کی تھی۔ وہاں کے مشہور شہر خلاط۔ ارزن۔ قالیقلا اور میافارقین تھے۔ مگر بعض جغرافیہ داں میافارقین کو الجزیرہ میں شمار کرتے ہیں۔ جس کی پیروی ہم نے بھی کی ہے۔

آذربائجان الجزیرہ کے مشرق میں واقع تھا۔ اس کی مغربی سرحد الجزیرہ اور ارمینیہ سے ملتی ہے۔ اور شرقی حدود کا اتصال بحر خزر اور بلاد دیلم سے تھا۔ شمال میں بلاد ران" اور جنوب میں "کورالجبال" اس کی حدیں تھیں۔ اس کا صدر مقام شہر اردبیل تھا۔ فوجی چھاؤنی اور دار الامارۃ بھی وہیں تھا۔ اس شہر کا طول و عرض دو میل مربع بیان کیا گیا ہے۔ اردبیل کا ہم پلہ ایک دوسرا شہر " مراغہ " نامی بھی تھا۔ جو پہلے زمانہ میں صدر مقام بھی رہ چکا تھا۔ شہر ارمیہ بحیرہ شرات کے ساحل پر آباد اور بڑا شہر تھا۔ آذربائجان کے باقی شہروں میں قابل سلماس مرند اور تبریز صرف تین اور ہیں۔

بلاد ران آذربائجان کے شمال میں ہے۔ اس کی حدود کا اتصال شرق میں بحر خزر سے غرب میں ارمینیہ سے شمال میں کوہستان قبق سے اور جنوب میں آذربائجان سے ہوتا ہے۔ وہاں کے بڑے بڑے شہر برزعہ۔ تفلیس۔ باب۔ بیلقان اور شاذران وغیرہ ہیں۔

کورالجبال اس سے ملک فارس کے کوہستانی مقامات مراد ہیں۔ اور اس کی تقسیم مجی حصوں (یا کوروں) پر کی جاتی ہے۔ مشہور کورہ یہ ہیں، ماہ الکوفہ جس کو دینور کہتے ہیں۔ ماہ البصرہ جس کا نام " نہاوند" ہے۔ اس ملک کی شرقی حد خراسان کا ریگستان اور ملک فارس تھا۔ مغرب میں عراق اور الجزیرہ۔ شمال میں آذربائجان۔ دیلم۔ رے

اور قزوین۔ جنوب میں خوزستان اور عراق۔ اس کے مشہور شہروں میں سب سے بڑا شہر ہمدان تھا۔ اور اس کے علاوہ دینور۔ ماسبذان۔ اصفہان۔ قم قاشان۔ نہاوند۔ اللور۔ الکرج۔ قزوین۔ شہر زور اور حلوان بھی وہاں کے مشہور شہر تھے۔ ہمدان کی مساحت ایک فرسخ مکعب تھی۔ اور اس کے گرد نہایت مستحکم شہر پناہ تعمیر تھی۔ جس میں آہنی پھاٹک لگے تھے۔ دینور یعنی ماہ الکوفہ اس کی دو تہائی کے برابر تھا۔ اصفہان دراصل دو شہروں کا نام تھا۔ جن کے مابین دو میل کا فاصلہ تھا۔ مگر وہ ایک ہی شمار کئے جاتے تھے۔ نہاوند (ماہ البصرہ) ایک پہاڑ پر واقع تھا۔ اور اس کی عمارتیں خام مٹی سے بنی تھیں۔ شہر حلوان اس پہاڑ کے قرب میں آباد تھا جو سرحد عراق کے قریب واقع ہے اور وہاں سے نظر آتا ہے۔ شہر زور بھی ملک عراق سے نہایت نزدیک تھا۔ قزوین ملک فارس کی بلندی میں واقع تھا۔ اور بلاد دیلم کا سرحدی شہر تھا۔ شہر قم کے گرد بھی شہر پناہ کی دیوار تعمیر تھی۔ اور نہایت شاداب مقام تھا اور قاشان ایک چھوٹا شہر تھا۔

دیلم بحر خزر (دریائے قزوین) کے کنارے پر واقع ہونے والے کوہستانی سلسلہ کا نام تھا۔ اس کی حدود کی تفصیل یہ ہے: جنوب میں قزوین اور کچھ حصہ آذربائجان کا۔ شمال میں بحر خزر۔ مشرق میں قومس اور مغربی جانب کو آذربائجان۔ دیلم کے باشندے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک پہاڑی اور دوسرے میدانی ملکوں کے باشندے دیلم کے ماتحت مقامات۔ رے۔ ابہر۔ زنجان۔ طالقان۔ قزوین اور رویان کے شہر تھے۔

طبرستان مشرقی جانب میں دیلم سے ملا ہوا اور بحر خزر ہی کے ساحل پر واقع تھا۔ اس کی مشرقی حدود جرجان اور مغربی حدود دیلم سے ملے ہوئے تھے۔ وہاں کے بڑے بڑے شہروں میں آمل صوبہ کا صدر مقام تھا۔ ساریہ۔ اس شہر یا ضلع میں پانی بکثرت تھا۔ یعنی ندی نالوں اور نہروں کی افراط تھی۔ اور دماوند (یا دنباوند) بھی اچھا مقام تھا۔

جرجان طبرستان کے مشرقی جانب اور کچھ اس کے شمال میں بھی واقع تھا۔ اس کی حد بندی شمال میں ترکستان۔ جنوب میں قومس۔ مشرق میں خراسان اور مغرب جانب بحر خزر کرتا تھا۔ اس ملک کا سب سے بڑا شہر جرجان تھا جو آمل سے زیادہ بڑا اور شاندار تھا اور جنوبی حصہ ملک میں استرآباد کا شہر عمدہ تھا اور شہر دہستان جو ساحل دریا پر واقع تھا۔

قومس جرجان اور طبرستان کے جنوب میں واقع تھا۔ اور اس کی شمالی سرحد انھیں ملکوں سے متصل تھی۔ جنوب و مشرق میں اُسکی سرحدیں خراسان کے ریگستانوں سے ملتی تھیں اور مغرب میں رَے کے مضافات اس کے حدود تھے یہاں کا صدر مقام شہر دامغان تھا۔

صحرائی خراسان وہ بے آب وگیاہ میدان جو بلاد مشرق کے وسط میں واقع تھے۔ شمال میں قومس جنوب میں بلاد فارس اور سجستان۔ مشرق میں سجستان اور خراسان اور مغرب میں کوہستان اور رَے اس کی حد بندی کرتے تھے۔ ان بیابانوں کے رہنے والوں کی تعداد عرب کے صحرائی باشندوں سے بہت کم تھی۔ اور ان صحراؤں کا کچھ حصہ ملک خراسان کے زیر اثر تھا۔ اور کچھ حصہ فارس اور کرمان کے صوبوں میں شامل تھا۔ یہ ریگستان نہایت دشوار گذار اور بیہڑ تھے جن میں پانی کی کمی ہونے سے گھوڑوں پر سفر کرسکنا دشوار تھا۔

سجستان کمران کے شمالی جانب واقع تھا۔ اس کی مشرقی حد وہ ریگستان تھا جو اس کے اور ملک سندھ کے مابین واقع ہے۔ جنوب میں مکران شمال میں سرزمین ہند اور مغرب میں خراسان کا ریگستان۔ اس کی حد بندی کرتے تھے۔ وہاں کے بڑے شہروں میں زرنج۔ بست اور طاق وغیرہ مشہور ہیں۔

خراسان مشرقی ممالک میں سب سے بڑھکر وسیع اور زرخیز ملک ہے اس کی حدود اربعہ کی تفصیل یہ ہے۔ شمال مشرقی گوشہ میں ملک ماوراء النہر۔ جنوب مشرقی گوشہ میں بلاد سندھ اور سجستان۔ شمالی سمت میں خوارزم اور ترکستان کے شہر "غز"

کے مضافات۔ جنوبی سمت میں خراسان کے ریگستان اور صوبہ فارس اور مغرب میں تومس
خراسان کی تقسیم کئی احاطوں پر کی گئی تھی۔ سب سے بڑے احاطے نیشاپور۔ مرو۔ ہرات
اور بلخ اور اسی کے قریب قوہستان کا احاطہ بھی تھا۔ اور طوس۔ نسار۔ ابیورد۔ سرخس
اسفزاز۔ بوشنج۔ باذغیس۔ کنج۔ رستاق۔ مرورود۔ جوزجان۔ طخارستان۔ زم اور آمل
یہ تمام شہر ملک خراسان کے ضلعے تھے۔

خراسان کا پایہ تخت شہر نیشاپور تھا جو وہاں کے شہروں میں سب سے بڑا اور ابرشہر بھی کہلاتا تھا۔ یہ مسطح اور نرم زمین میں واقع ہے۔ عمارتیں خام مٹی سے بنی ہیں اور اس کی وسعت ایک فرسخ (۳ میل) مکعب ہے۔ مرو کا شہر جو مرو شاہجہاں کے نام سے بھی معروف ہے۔ بہت پرانا شہر ہے۔ ملک خراسان میں بہت سے پر رونق اور آباد شہر ہیں۔ وہاں کی مردم شماری بھی زیادہ ہے۔ سرزمین نہایت سیر حاصل اور زرخیز ہے۔ مسلمانوں کو اس ملک سے مالی آمدنی کی بہت بڑی توقع تھی۔

ماوراءالنہر یہ شمالی مشرقی گوشہ میں اسلامی قلمرو کا سب سے آخری ملک تھا۔ اس کی حدبندی شمال میں بلاد ترکستان اور بلاد ہند سے گوشۂ جنوب مغربی میں خراسان سے (جس کی درمیانی حد فاصل نہر جیحون تھی) شمال مغربی گوشہ میں خوارزم سے اور جنوبی سمت میں طخارستان سے ہوتی ہے۔ یہ ملک اسلامی ممالک میں سب سے بڑھ کر زرخیز عمدہ اور سرسبز و شاداب تھا۔ اس کے مشہور مقامات بخارا۔ سمرقند۔ کش نخشاب۔ بیکند۔ ساغانیان۔ فرغانہ۔ سغد۔ شاش۔ اشروسنہ اور خجند ہیں۔

خوارزم اصطخری اس کو ماوراءالنہر کا ماتحت مقام شمار کرتا ہے۔ یہ ملک نہر جیحون کے کناروں پر شمالی سمت بشکل مستطیل پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس کی شمالی حد بحر خوارزم اور جنوبی حد خراسان اور بلاد صغد ہیں اور مشرق و مغرب کی جانب ریگستانوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا صدر مقام شہر خوارزم نہایت پر رونق ہے۔

خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے سے کچھ آگے پیچھے تک ممالک اسلام کا جغرافیہ بھی تھا جس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس میں ہم نے اقلیموں کا باہمی تناسب بھی

ظاہر کر دیا ہے۔ اور یہ سب باتیں اس بیان کی تمہید میں ہیں جو ہم مملکت عباسیہ کے ملکی محاصل کی بابت کریں گے۔ عباسی سلطنت میں اندلس کے سوا یہ سب اقلیمیں شامل تھیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک اقلیم مستقل اور اپنی جگہ ایسی قایم بالذات نہیں تھی کہ اپنے ہی نام سے اپنا خراج ادا کرتی ہو۔ بلکہ اس میں کی بعض اقلیمیں چند دوسری اقلیموں کے عمل میں بھی داخل تھیں۔ اور یہ حالت زمانوں کے تغیر و تبدل کے ساتھ بدلتی رہتی تھی چنانچہ اکثر ملکی محاصل کے گوشوارے کے اندر کسی ایک اقلیم کے خراج کا ذکر ہوگا لیکن اس سے دو یا دو سے بھی زائد اقلیموں کا خراج مراد ہوگا۔ جو اس کے عامل کے زیر اثر رہی ہوں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ خلفا ایک ہی شخص کو کئی صوبوں کا عامل مقرر کر دیتے اور اس کے تمام ماتحت ممالک کا ایک ہی نام قرار دیدیتے جو در اصل ان ملکوں میں سے صرف کسی ایک کا نام ہوتا تھا۔ اور ایسی صورتیں جن اسباب سے پیدا ہوتی تھیں ان کا شمار بتانا نا ممکن ہے۔

قبل اس کے کہ ہم مملکت عباسیہ کے اعمال کا خراج تفصیل وار بتا کر سلطنت کی مالی توفیر کا صحیح حساب لگائیں ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اقلیموں یا اعمال کا وہ تعلق بھی بیان کر دیں جو ان کو سلطنت کے پائے تخت اور دار الخلافت بغداد کے ساتھ خراج کی آمدنی کے لحاظ سے تھا۔

عباسی اضلاع کا تعلق پائے تخت کیساتھ

ہم اسی کتاب کے پہلے حصے میں ولایت اعمال کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس بات کا ذکر کر چکے ہیں کہ بظاہر وہ ایک فوجی مداخلت کی شکل رکھتی تھی اور مالکانہ قبضہ سے اسے کوئی مشابہت نہ تھی۔ خلفائے راشدین کے عہد میں جو سپہ سالار کسی ملک کو فتح کرتا وہی اس مفتوحہ ملک کا عامل مقرر ہوتا تھا۔ اس کے فرائض یہ تھے کہ مفتوحہ ملکوں میں امن و امان قایم رکھ کر قانون حکومت کو جاری کرے۔ مسلمانوں پر پابندی نماز کی تاکید رکھے اور ملکی رعایا سے خراج وصول کرے۔ مفتوحہ ملکوں میں اندرونی انتظامات کے

متعلق وہی قوانین اور طرز حکومت جاری رہتے جو فتح سے پہلے رائج ہوتے۔ خراج کے وصول اور تحصیل کرنے والے اور ملکی حکام خاص رہیں کے باوقعت طبقہ کے اشخاص ہوتے تھے۔ جن کو حسب حیثیت تنخواہیں ملتی تھیں۔ جس وقت خراج اور جزیہ کی آمدنی جمع ہو جایا کرتی تو اس کی مجموعی رقم میں سے دفتروں کے سائر خرچ تحصیلداروں کی تنخواہیں اور دوسرے ضروری مصارف منہا کرنے کے بعد باقی رقم مسلمان حاکم اور عامل کو تفویض کر دی جاتی۔ اور وہ اس رقم میں سے اپنی اور اپنے ساتھی افسروں اور سپاہیوں کی تنخواہیں پلوں کی تعمیر دریاؤں کے بند اور ایسے ہی دوسرے ضروری رفاہ عام کے کاموں کے مصارف مجرا کر کے پھر جو رقم بچتی اسے بیت المال یعنی دار السلطنت کے خزانے میں ارسال کرتا تھا۔

حاکموں کے وسیع اختیارات

خلفائے راشدین کے زمانے تک اسلامی اعمال کا یہی انداز قایم رہا۔ مگر ان کے بعد بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور امیر معاویہؓ کو اپنے گروہ قائم کرنے کی حاجت ہوئی تو انہوں نے عاملوں کے اختیارات وسیع کر دیئے اور بعض ولایتوں کو بالکل خود مختار بنا دیا جس کی وجہ سے وہ عمال اپنے زیر حکومت ملکوں کے مستقل فرمان روا بن گئے اس کے بعد ایک اور زمانہ آیا جس میں خود مسلمانوں نے کاربار حکومت اپنے ہاتھوں میں لیا دفتر کی زبان عربی قرار پائی اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدے خواہ ملکی تھے یا مالی مسلمانوں (اہل عرب) ہی کو ملنے لگے۔ یہ صورت عبد الملک بن مروان کے عہد میں قایم ہوئی اور اس کے بعد کے حکمرانوں نے بھی اس کو جاری رکھا۔ مگر اس حالت میں بھی خراج کی تحصیل کا کام خاص ملکی باشندوں سے متعلق رہا۔ مصر میں قبطی اور عراق و فارس میں زمیندار لوگ اس خدمت پر مامور رہتے آئے۔ عاملوں کا یہ دستور رہا کہ خراج اور جزیہ کی وصول شدہ رقوم لے کر ملک کے ضروری مصارف منہا کرنے کے بعد باقی رقم دمشق کے بیت المال میں روانہ کرتے تھے اور اس رقم کو "ارتفاع جبائیۃ" کے نام سے تعبیر کرتے۔ لیکن جس صورت میں ملک کی مالی آمدنی وہاں کے مصارف کے لئے کافی نہیں ہوتی تھی تو فاضل رقم کا مطالبہ بھی خلیفہ سے وقت سے کیا جاتا۔[1]

---

(۱) مقریزی جلد ۱۔ ص ۷۷۔

عباسی دور کے حکام

بنو عباس کی حکومت شروع ہونے کے بعد بھی عمّال کی یہی حالت قائم رہی۔ ہم اس موقع پر بحیثیت خراج گذاری کے اس تعلق پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عباسی دور میں عاملوں کا استقلال اموی عہد سے بھی بہت کچھ بڑھ گیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفائے بنو عباس کو خراج کی تضمین کرنی پڑی یعنی کسی ملک کا گورنر مقرر کرتے وقت اس سے اقرار لیا جانے لگا کہ وہ ہر سال ایک مقررہ رقم بغداد کے بیت المال میں ارسال کرتا رہے گا۔ گویا جزیہ و خراج اور تمام قسم کے ٹیکس وہ بطور خود وصول کر کے اپنے منشا کے موافق اس آمدنی کو صرف کرے گا اور خلیفہ وقت اس سے بجز طے شدہ رقم کے اور کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اور یہ صورت امارت استیلا میں ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے عامل ابراہیم بن اغلب کے ساتھ یہی شرط پیش کی تھی جس کو وہ افریقیہ کا گورنر مقرر کرتا تھا۔ ولایت افریقیہ خود سلطنت کے ذمہ ایک بار تھی۔ ہر سال ملک مصر سے اس کے مصارف کی امداد کے لیے ایک لاکھ دینار بھیجے جاتے۔ گویا اُلٹا تاوان دینا پڑتا تھا۔ ابن اغلب وہاں کا گورنر ہوا تو اس نے اس امدادی رقم کے لینے سے دست برداری کی اور مزید براں سالانہ چالیس ہزار دینار بیت المال میں بھیجتے رہنے کا بھی وعدہ کیا (۱)

اقلیم "برقہ" کے ساتھ بھی رشید نے یہی کارروائی کی۔ کیونکہ اس خلیفہ نے تضمین خراج کو ایک مستقل قانون بنا دیا تھا۔ اس نے برقہ کی حکومت ایک اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کو تفویض کی جس نے اس سرزمین کا خراج چھبیس ہزار دینار سالانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ (۲) خلیفہ مامون نے اپنے عہد میں عبداللہ بن طاہر کو ۲۱۱ھ و ۲۱۲ھ میں ایک مقررہ خراج کی رقم ادا کرنے کی شرط پر خراسان اور اس کے ماتحت مقامات کا عامل مقرر کیا۔ اس خراج کی مقدار ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اسی طرح پر فضل بن مروان نے فارس اور اہواز کی اقلیموں کا خراج دینا قبول کیا تھا۔ اور عمران بن موسیٰ نے ملک (۳) سندھ کا

---

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۶۳ (۲) یعقوبی (کتاب البلدان) ص ۱۳۳ (۳) ابن خوذادبہ ص ۳۴

پھر تو اس قسم کی تقرری مثل ضمانت کے ہو گئی اور اس کثرت سے رائج ہوئی کہ آخر کار اُن ولایتوں کے امرا مستقل حکمراں بن گئے اور برائے نام ہی دربار خلافت کے ماتحت رہے۔

خراج سے مراد ان تمام باتوں کا نچوڑ یہ ہے کہ جس مال کو کسی ملک کا خراج کہا جاتا اس سے وہ رقم مراد لی جاتی جو اس اقلیم کی آمدنی سے بیت المال میں داخل ہوا کرتی خواہ وہ رقم اس ملک کے ضروری اخراجات منہا ہونے کے بعد باقی کے طور پر آئی ہو (۱) یا "تولیت" کے قاعدے سے وصول ہوئی جس کا ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اور اعمال کے مالی محاصل کی جو رقم بیت المال میں جمع ہوتی تھی اس کو ارتفاع سلطنت یا خراج سلطنت کے محاصل کہا کرتے تھے۔ گویا وہ خالص آمدنی جس میں سے خاص بغداد کے صدر دفتروں کے ملازموں اور عہدیداران ملکی و مالی، اور خلیفہ اور اس کے کنبہ والوں کے وظائف کے سوا جن کی تفصیل اپنے موقع پر بیان ہوگی اور کسی قسم کا خرچ نہیں کیا جاتا تھا۔ علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں مامون کے عہد کی ایسی آمدنی کی مقدار ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "ما یحمل الی بیت المال ببغداد فی ایام المامون من جمیع النواحی نقلته عن جراب الدولة" (۲) یعنی وہ رقم جو مامون کے عہد میں اطراف ممالک سے بیت المال بغداد کے لئے آتی تھی۔ میں نے اس کو حکومت کے مالی کاغذات کے گوشواروں سے نقل کیا ہے۔ ہمارے اس بیان کو پڑھ کر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ "ارتفاع دولت" کی بابت جو کچھ بیان ہوگا اس سے صرف ملکی محاصل کی بے داغ آمدنی مراد ہوگی۔

دولت عباسیہ کے ملکی محاصل

پہلے دور میں

اس تمہید کے بعد ہم ایام مامون کے ان ملکی محاصل کی تفصیل بیان کرنا چاہتے ہیں جو ہر ایک ولایت کی سالانہ آمدنی کے اعتبار سے تھی۔ اسلامی تاریخ میں اس بات کا

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۷ (۲) ابن خلدون جلد اول صفحہ ۱۵۰

پورا سراغ ملنا ایک نادر بات ہے۔ کیونکہ مسلمان مورخین جنگ فتح اور قتل کے حوادث کے علاوہ کسی اور معاملہ کو بہت کم لکھتے تھے۔ اور ابن خلدون۔ قدامۃ اور ابن خرداذبہ کے قائمے جو ہم کو مل گئے یہ بھی ایک اتفاقی امر تھا۔ وہ قائمے حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ قائمہ ابن خلدون یہ سب سے قدیم قائمہ ہے۔ جس کو ابن خلدون نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ حکومت کے تمام آثار اس کی اصلی قوت کے مناسب حال ہوا کرتے ہیں، درج کیا ہے اور اس کا حکومت کے مالی کاغذات سے نقل کیا جانا ظاہر کیا ہے۔ اس قائمہ میں اس خراج کی مقدار عیاں کی گئی ہے جو مامون کے عہد میں بغداد کے بیت المال میں جمع ہونے کے واسطے اطراف مملکت سے آیا کرتا تھا۔ مگر اس زمانے کی تحقیق کرنے سے پہلے ہم ناظرین کی توجہ اس غلطی کی جانب مائل کرنا چاہتے ہیں جو ایک مدت دراز گزر جانے کے وجہ سے اس فہرست میں داخل ہو گئی ہے۔ ہم نے مقدمہ ابن خلدون کے کئی نسخے جو ممالک مصر اور شام کے چھپے ہوئے تھے۔ غور کے ساتھ دیکھے تو ہمیں اس فہرست کے بعض ملکوں کے ناموں میں غلطی نظر آئی۔ ہمارا گمان ہے کہ یہ غلطی کاتبوں سے نقل کرنے کی حالت میں واقع ہوئی ہے اور اس کا سبب لفظی مشابہت ہو سکتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ہم اس غلطی پر آگاہی دیدیں۔ ورنہ یہی خطائے لفظی معنوی غلطی کا باعث ہو جائے گی۔ اور ان شہروں یا اقلیموں کا صحیح نام نہ معلوم ہو سکے گا۔ جہاں سے خراج کی رقم آئی ہوگی۔ اور ان غلطیوں کی تصحیح حسب ذیل ہے۔

نمبر ۱۔ کنکر (۱) یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے اس مقام پر کوئی معنی نہیں ہوتے۔ صحیح لفظ "کسکر" ہے جو ملک سواد کی ایک اقلیم ہے۔

نمبر ۲۔ طبرستان روبان اور نہاوند (۲) روبان "ب" کے ساتھ غلط ہے۔ صحیح لفظ "رویان (ی) کے ساتھ ہوگا۔ جو ملک دیلم کی ایک اقلیم ہے اور ہم اپنی موقع پر اس کا ذکر بھی کر چکے ہیں۔ اور نہاوند ماہ البصرہ کا صدر مقام ہے۔ جو کور الجبال کے علاقے

---

(۱) مطبع بولاق کی چھپی ہوئی کتاب کا صفحہ ۱۵۰ سطر ۸ (۲) مطبع بولاق کی چھپی ہوئی کتاب کا صفحہ ۱۵۰ سطر ۱۲۔

کا ایک کورہ تھا۔ اس کا ذکر بھی اپنی جگہ آچکا ہے۔ مگر طبرستان اور رویان سے اس کا فاصلہ دیکھتے ہوئے گمان غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی دوسرا شہر ہے۔ جو طبرستان اور رویان کے آس پاس واقع تھا۔ ہمارے خیال میں صحیح لفظ "دماوند" ہے جو طبرستان کا ایک کورہ تھا[1]۔

نمبر (۳) مابین الکوفہ والبصرہ (۱) ہم نے ان فہرستوں کے علاوہ کسی دوسری فہرست میں بھی اس نام کا کوئی ضلع نہیں دیکھا۔ بیرن وان کریمر جرمن کے مشہور مورخ نے بھی اس بات کا لحاظ کیا تھا۔ مگر اس نے اس کو سواد کے اُن ضلعوں میں سے ایک ضلع خیال کیا جو نہر فرات کے اس جانب کوفہ اور بصرہ کے مابین ہیں۔ اور دوسری فہرستوں میں کسی اور نام سے داخل ہوا ہے۔ (۲) لیکن ہمارے خیال میں یہ کاتبوں کی غلطی ہے۔ جس کو انہوں نے "مابین" پڑھا وہ لفظ دراصل "ماہا" یا "ماہین" لفظ "ماہ" کا تثنیہ رہا ہوگا۔ اس صورت میں دونوں ماہ کوفہ اور بصرہ کے مراد ہوں گے جو کور الجبال کے دو کور ہیں۔ پہلے کا صدر مقام نہاوند اور دوسرے کا صدر مقام دینور ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید اس بات سے اور بھی ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا دونوں کور (ضلعے) ابن خلدون کی فہرست میں کہیں نہیں ملتے ہیں۔

نمبر (۴) ماسبذان اور دینار (۳) ماسبذان کور الجبال کا ایک کورہ ہے جس کا بیان اوپر آچکا ہے۔ لیکن دینار کا کہیں پتہ نہیں چلتا اور اس نام کا بلاد اسلام میں کوئی شہر ہی نہیں۔ البتہ یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ دینور کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جو "ماہ الکوفہ" کا صدر مقام تھا۔ مگر اس کو اس حالت میں تسلیم کیا جا سکتا تھا جبکہ اسی فہرست کے اندر ہم کو ایک ہی مقام پر "ماہین" کا نام نہ مل جاتا۔ پس غالب گمان اس بات کا ہوتا ہے کہ یہ لفظ ریان کے نام سے بدل گیا ہے۔ جو ملک عراق میں "کسکر" کے نزدیک ایک ضلع ہے۔

کتابت کی غلطیاں | اس فہرست کے اندر بعض اقلیموں کی مقدار خراج کے تعین میں

---

[1] کورہ۔ حلقہ یا ڈویژن یا ضلع کے ہم معنے ہو سکتا ہے۔ مترجم عفی عنہ (۱) صفحہ ۱۵۰ سطر ۲۶۔ نسخہ مطبوعہ بولاق مصر۔

(۲) Cult. gesh. Des, Orient. 356

(۳) نسخہ مطبوعہ بولاق ص ۱۵۰ سطر ۲۷

بھی کتابت کی غلطی ہوگئی ہے اور ہمارے اس قول کی صحت صاف طور سے عیاں ہے۔ مثلاً ابن خلدون کور دجلہ کے خراج کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ بیس لاکھ اور آٹھ درہم تھا" اور دفتر کے سیاق کا یہ قاعدہ تھا کہ درہموں کی اکائیاں حساب میں درج نہیں کی جاتی تھیں (۱) اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ صحیح عبارت "آٹھ لاکھ درہم" ہوگی۔ اسی طرح جبائتہ اہواز کے بارے میں لکھا ہے۔ "انہا خمستہ وعشرون الف درہم" اور صحیح "خمستہ وعشرون الف الف درہم" (پچیس لاکھ درہم) ہے۔ کیونکہ دوسری دونوں فہرستوں میں اس کی تعداد اسی کے قریب لکھی گئی ہے۔ مطبع بولاق کے چھپے ہوئے نسخہ میں قومس کے خراج کی نسبت لکھا ہے۔ "الف الف مرتین وخمسماتہ الف من نقر الفضتہ" اور ہمارا گمان ہے کہ صحیح عبارت یوں ہوگی" ومن نقر الفضتہ الف" اس طرح پر قومس کا خراج پندرہ لاکھ درہم اور ہزار ٹکڑے چاندی کے" ہوگا۔

موصل سے آنے والے شہد کی بابت لکھا ہے کہ وہ ......۲ رطل ہوتا تھا۔ مگر اس کو عقل قبول نہیں کرتی۔ اس لئے تقریباً صرف بیس ہزار رطل کہنا ٹھیک ہوگا اور مصر کے خراج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہاں اس کی مقدار ایک لاکھ کئی ہزار دینار درج ہے۔ اور ہماری رائے میں اس کی اصلی تعداد دو لاکھ کئی ہزار دینار ہونی چاہئے۔ جو اس زمانہ میں ملک مصر کی مالی آمدنی پر قیاس کر کے ٹھیک کہا جا سکتا ہے۔ یہ سب غلطیاں کاتبوں سے ہوئی ہیں۔ اور اس کی وجہ لفظوں کی صورت کا تحریر میں یکساں ہونا قرار دیا جا سکتا ہے۔

زمانہ کا تعین اس فہرست کی ترتیب کا زمانہ ابن خلدون نے تو صاف طور پر عہد مامون کو متعین کیا ہے مگر اس نے کسی سنہ کی تعیین نہیں کی۔ مامون کی حکومت سنہ ۱۹۶ھ سے سنہ ۲۱۸ھ تک بائیس سال رہی اور بغداد کے بیت المال کا حساب امین اور مامون کی خانہ جنگی میں جل چکا تھا۔ دوبارہ پھر اس کی تدوین سنہ ۲۰۴ھ میں ہوئی (۲) اس لئے

---

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۴۶۸ (۲) قدامہ بن جعفر ص ۲۳۶

ضروری ہوا کہ یہ فہرست سنہ ۲۰۴ھ اور سنہ ۲۱۰ھ کے بین کسی سنہ میں لکھی گئی ہو۔ مگر اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ اس کے اندر ابن طاہر پر مشروط کئے ہوئے خراج سے ملک خراسان کا خراج مختلف ہے یہ خیال زیادہ راجح ہوتا ہے کہ "اس فہرست کی تحریر سنہ ۲۰۴ھ اور سنہ ۲۱۰ھ کے اثنار میں واقع ہوئی۔

وان کریمر کی تنقید ہم نے ابن خلدون کی فہرست پر بیرن وان کریمر کی ایک مورخانہ نکتہ چینی دیکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مامون کے عہد سے کئی سال قبل لکھی گئی ہے۔ یعنی مہدی یا ہادی کے ایام سنہ ۱۵۸ھ اور سنہ ۱۷۰ھ میں۔ مورخ موصوف اپنے دعوے کی دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ "اس فہرست میں سندھ اور افریقیہ کے خراج کا بھی ذکر ہے۔ جو مامون کے عہد میں بغداد کی سلطنت سے جدا ہو کر مستقل حکومتیں بن گئی تھیں۔ اور قدامہ اور ابن خرداذبہ نے ان دونوں ولایتوں کا ذکر بھی نہیں کیا ہے" اگرچہ بیرن وان کریمر کی رائے اسلامی تاریخ کے بارے میں حقارت کی نگاہوں سے دیکھے جانے کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ بہ نسبت اکثر جرمن مورخوں کے اس باب میں زیادہ تحقیقات اور کرید کرنے والا شخص ہے۔ مگر اس فہرست پر حکم لگانے کے بارے میں ہمارا خیال اس کے وہم میں پڑ جانے کا یقین دلاتا ہے۔ جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:-

تنقید کا جواب (اول) اقلیموں کا قلمرو بغداد سے جدا ہو کر مستقل حکومتیں بن جانا کچھ اس کا مستلزم نہیں ہے کہ وہ خلافت عباسیہ سے خودسر ہو گئی ہوں اور اس کے نذرانہ کی رقم ارسال کرنی روک دی ہو۔ ہم مانتے ہیں کہ اغالبہ نے افریقیہ میں سنہ ۱۸۴ھ سے سنہ ۲۹۶ھ تک وراثت کے انداز سے مستقل حکومت قائم رکھی مگر ان کی اس خودسری کے یہ معنے لگانے کہ وہ خلیفہ کا مقررہ نذرانہ بھی نہیں دیتے تھے۔ سخت غلطی ہے۔ کیونکہ مصر اور خراسان وغیرہ کے حکمرانوں کا زیادہ حصہ اس نذرانہ کو ادا کرتا رہتا تھا۔ اور خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑھتا تھا وہ لوگ اس بات کو ہمیشہ مانتے رہے کہ وہ دینی اعتبار سے خلیفہ وقت کے خادم ہیں۔ خراسان کی طاہریہ حکومت اور مصر کی طولونیہ سلطنت برابر اسی

خیال کی پابندی ہی (۱) اور وہ رقم امرائے ممالک کی جانب سے مختلف ناموں کے ساتھ پیش ہوا کرتی تھی۔ کسی کی طرف سے ہدیہ کے نام سے اور کسی کی جانب سے خراج یا ضمان وغیرہ کے ناموں سے بارگاہ خلافت میں آتی رہتی۔ مزید بریں اس بات کو بھی تصدیق کر لینا لازم ہے کہ افریقیہ سے ۱۸۰ھ تک خراج کی کوئی رقم نہیں آیا کرتی تھی۔ مگر جبکہ ۱۸۱ھ میں ابراہیم بن اغلب وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا جس نے چالیس ہزار دینار بیت المال میں ارسال کرنے کی ذمہ داری لی تھی تو اس وقت سے وہاں کا خراج بھی وصول ہو کر داخل بیت المال ہو گیا اور یہ بات کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ کہ اغالبہ اس رقم کو مامون کے عہد تک بھی برابر ادا کرتے رہے ہوں۔ اس لئے کہ عباسی خلفاء اغالبہ کے تمامی ایام حکومت میں افریقیہ کو اپنی قلمرو کے اندر شمار کرتے رہے۔ اور وہاں کے والی بغداد سے مقرر ہو کر جاتے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اغالبہ ان والیوں کے ماتحت رہتے تھے۔ (۲) سندھ کے بارے میں بھی اس حالت کے قریب قریب بیان کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس کے بارے میں ہم کو ابن خلدون کی روایت کے صحیح ماننے کا ایک عمدہ شاہد یہ ہاتھ آتا ہے کہ خود مامون نے ۲۱۶ھ میں ملک سندھ پر عمران بن موسےٰ العتکی نامی ایک گورنر بھی مقرر کیا تھا۔ (۳) اور اس کے ذمے اس بات کا بار ڈالا تھا کہ اس ملک کے تمام مصارف پورے کرنے کے بعد وہ ملین درہم وہاں کے خراج سے بیت المال کو بھی روانہ کرتا رہے۔ (۴) اس سے صاف ظاہر ہے کہ مامون کی حکومت کا اثر ملک سندھ پر مسلم تھا۔ اگرچہ جس مال کا ذکر ہوا ہے وہ ابن خلدون کی بتائی ہوئی تعداد سے بہت کم ہے۔ لیکن اس کی بابت خیال کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ملک سندھ کی حدود کا کم و بیش ہونا ممکن ہے۔ رہی یہ بات کہ ان دونوں ملکوں کا نام قدامہ اور ابن خرداذبہ کے گوشواروں میں نہیں ہے۔ اس کی کوئی اور وجہ ہو گی خواہ ابن خلدون کی فہرست کے بعد ان دونوں ملکوں کا خراج آنا بند ہو گیا ہو

---

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۳۰۲

(۲) ابن اثیر جلد ۷ ص ۵۹۔ (۳) ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۷۱۔ (۴) ابن خرداذبہ ۵۷۔

یا کوئی اور سبب اس قسم کا پیش آگیا ہو جیسے کہ ایک ملک کا دوسرے ملک کے تحت میں آجانا وغیرہ جس کا حال دونوں بعد والی فہرستوں کا باہم مقابلہ کرنے سے کھلے گا۔

بہرحال ان اسباب کا فرض کر لینا اس سے ہر طرح بہتر ہو گا کہ ابن خلدون کے ایسے ثقہ اور محقق شخص کو غلطی کا اتہام دیا جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ اس بات کو صاف طور سے لکھ چکا ہو کہ یہ جبائیۃ مامون کے عہد میں بیت المال کے اندر داخل ہوا کرتی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابن خلدون کو ایام مامون کے چند سرکاری حسابات آمد و خرچ کے مل گئے تھے، جن پر وہ ان معاملات کی بابت کوئی رائے لکھنے میں اپنی تحقیق کا مدار رکھتا تھا۔ (۱)

تیسرے یہ کہ امین کے زمانے میں دفتر کے کاغذات بالکل جل گئے تھے۔ اور ہم پہلے اس بات کو بیان کر آئے ہیں کہ دوبارہ حساب کی ترتیب ۱۹۲ھ میں ہوئی۔ اس سے قبل کے تمام کاغذات ضائع ہو چکے تھے۔

ان امور کی بنا پر ہمارے نزدیک یہی بات راجح ہے کہ ابن خلدون کا بیان صحیح ہے اور بیرن دان کریمر اس پر جو اعتراض کرتا ہے یہ ایک اس کا وہم ہے واللہ اعلم

۲۔ فہرست قدامۃ جس کو بغداد کے کاتب قدامۃ بن جعفر نے اپنی تصنیف "کتاب الخراج" کے اندر درج کیا ہے۔ ہم کو اس کتاب کا صرف وہ ناتمام حصہ مل سکا، جو ہالینڈ کے مشہور مشرقی عالم "ڈی کوئی" کی کوشش سے "لیڈن" میں چھپا ہے۔ قدامۃ بن جعفر نے ۳۳۷ھ میں وفات پائی تھی۔ اس کا باپ عیسائی تھا۔ مگر قدامۃ نے خلیفہ مکتفی کے عہد (مابین ۲۸۹ھ و ۲۹۵ھ) میں مشرف باسلام ہو کر عباسی حکومت کا ایک بڑا منصب حاصل کیا اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ کتاب "کتاب الخراج" بھی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدامۃ نے اس فہرست کو تقریباً ۳۱۶ھ میں چند سرکاری کاغذات سے اخذ کیا ہے۔ جو اس کو مل سکتے تھے۔ کتاب کو غور سے دیکھنے سے ہمارے اس قول پر یہ استدلال قائم ہو گا کہ اس کے اندر جس قدر آمدنی

(۱) ابن خلدون۔ ج ۱ ص ۳۲۹۔

کا ذکر ہوا ہے اس سے تقریباً ۲۲۵ھ کی آمدنی مراد ہے۔

۳۔ قائمہ ابن خرداذبہ | مصنف کا اصلی نام عبداللہ بن خرداذبہ ہے۔ اس نے اپنے حالات میں بیان کیا ہے کہ وہ الجبال کے ملک میں محکمۂ برید (ڈاک) کا نگراں (سپرنٹنڈنٹ) تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس منصب پر مقرر ہونے کی حالت میں کتاب "المسالک والممالک" تصنیف کی جس کے اندر یہ فہرست بھی ہے۔ اس کتاب کا شائع کرنے والا "ڈی کوئی" خیال کرتا ہے کہ ابن خرداذبہ نے اصل کتاب ۲۳۲ھ میں لکھی تھی۔ اور اس کے بعد ۲۷۵ھ کے قریب اس میں کچھ اور اضافہ بھی کیا۔ انھیں تینوں گوشواروں میں عباسی حکومت کے عروج کمال کی مقدار "جبائیۃ" درج ہے اور ہم ان کو قدامۃ کی ترتیب سے یہاں درج کریں گے یعنی قائمۂ ابن خلدون سب سے مقدم ہے اس کے بعد قدامۃ اور اس کے بعد ابن خرداذبہ کے قائمے درج ہوں گے۔

اولاً حکومت عباسیہ کے ملکی محاصل

(مامون کے عہد میں جو ابن خلدون کے بیان سے لی گئی ہے)

اقلیموں کے نام	درہم	غلے اور دوسرے سامان
سواد	۲۷۸۰۰۰۰۰	نجران کے ۲۰۰ حلے اور ۲۴۰ رطل گل مختوم (ایک قسم کی مٹی)
کسکر	۱۱۶۰۰۰۰۰	
کور دجلہ	۲۰۸۰۰۰۰۰	
حلوان	۴۸۰۰۰۰۰	
اہواز	۲۵۰۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ رطل شکر
فارس	۲۷۰۰۰۰۰۰	۳۰۰۰۰ قرابے عرق گلاب کے اور بیس ہزار رطل روغن سیاہ
میزان تعدیات	۱۱۷۰۰۰۰۰۰ درہم	

اقلیموں کے نام	درہم	غلے اور دوسرے سامان
کرمان	۴۲۰۰۰۰۰	اور پانچسو کپڑے ملک یمن کے بنے ہوئے اور بیس ہزار رطل کھجور
مکران	۴۰۰۰۰۰	
سندھ اور اسکے ملحقات	۱۱۵۰۰۰۰۰	اور عود ہندی ایک سو پچاس رطل
سجستان	۴۰۰۰۰۰۰	معینہ کپڑوں کے ۳۰۰ تھان اور ۲۰ رطل "فانیذ"
خراسان	۲۸۰۰۰۰۰۰	اور دو ہزار چاندی کے ٹکڑے۔ چار ہزار تاتاری گھوڑے ایکہزار غلام باندیاں اور بیس ہزار کپڑوں کے تھان اور تیس ہزار رطل ہلیلہ
جرجان	۱۲۰۰۰۰۰۰	اور ایک ہزار طاقہ ابریشم کے
قومس	۱۵۰۰۰۰۰	اور ایک ہزار چاندی کے ٹکڑے
طبرستان رویان اور دماوند	۶۳۰۰۰۰۰	چھ سو قطعہ طبری فرش۔ دو سو لباس۔ پانچسو تھان۔ تین سو مندلیں اور تین سو جام
رے	۱۲۰۰۰۰۰۰	اور بیس ہزار رطل شہد کے
ہمدان	۱۱۳۰۰۰۰۰	ایکہزار رطل رُبّ الرّمّانین اور بارہ ہزار رطل شہد
ماہ البصرہ وماہ الکوفہ	۱۰۷۰۰۰۰۰	
ماسبذان وریان	۴۰۰۰۰۰۰	
میزان	۳۷۶۹۰۰۰۰۰ درہم	
(میزان ماسبق)	۲۷۶۹۰۰۰۰۰ درہم	
شہرزور	۶۷۰۰۰۰۰	
موصل اور اسکے متعلقات	۲۴۰۰۰۰۰۰	اور بیس ہزار رطل شہد
آذربائجان	۴۰۰۰۰۰۰	
الجزیرہ اور اسکے متعلقہ فرات کے اضلاع	۳۴۰۰۰۰۰۰	اور ایکہزار اراس غلام اور ۱۲ ہزار کپّے شہد اور دس بکریاں اور بیس چادریں

اقلیموں کے نام	درہم	
ارمینیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰	بیس ٹکڑے عود غرقی کے بنے ہوئے جن میں ... کیا ہے ۔ جس میں ۵۳۰ رطل غبازی ۔ دس ہزار رطل سورہا ... کے مسالح ۔ دس ہزار رطل موبنج ۔ دو سو خچر اور تیس ناکندہ چھیریاں
افریقیہ	۱۳۰۰۰۰۰۰	اور ایکسو بیس گز فرش وہاں کے بنے ہوئے
برقہ	۱۰۰۰۰۰۰	
میزان	۳۱۸۶۰۰۰۰۰ درہم	
	دینار	
قنسرین	۴۰۰۰۰۰ دینار	اور ایک ہزار پیپے تیل کے
دمشق	۴۲۰۰۰۰ "	
میزان	۸۲۰۰۰۰ "	
میزان سابق	۸۲۰۰۰۰ "	
اردن	۹۷۰۰۰	
فلسطین	۳۱۰۰۰۰	اور تین لاکھ رطل زیت
مصر	۲۹۲۰۰۰۰	
یمن	۳۷۰۰۰۰	علاوہ متاع کے جن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے
حجاز	۳۰۰۰۰۰	
میزان	۴۸۱۷۰۰۰ دینار	جو برابر ہیں ۷۲۲۵۵۰۰۰ درہم کے ۔ جبکہ اس زمانے کے انداز کے مطابق پندرہ درہموں کا ایک دینار مانا جائے ۔

میزان دیناروں کی درہموں کی صورت میں ۷۲۲۵۵۰۰۰ { اضافہ میزان دراہم اوپر ذکر کی ہوئی اقلیموں کی جبایۃ کے } ۳۱۸۶۰۰۰۰۰

میزان کل ۳۹۰۸۵۵۰۰۰ درہم

درہم و دینار

اس قائمہ کو دیکھ کر معلوم ہوگا کہ مشرقی اقلیموں کا خراج درہموں کی صورت میں اندازہ کیا جاتا تھا۔ اور مغربی اقلیموں کا خراج دینار کے ساتھ شمار ہوتا تھا۔ (مگر برقہ اور افریقیہ ان میں سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان دونوں اقلیموں کا خراج بھی درہموں کے ساتھ شمار ہوتا ہے۔) اور یہی حالت دونوں دوسرے قائموں کے اندر بھی مشاہدہ ہوگی۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی اقلیموں میں چاندی کی کانیں مغربی ملکوں سے زائد نکلتی تھیں اور سونے کی کانیں مغربی اقلیموں میں زائد تھیں۔ اور مشرقی ممالک میں کم۔

مشرقی اور مغربی اقلیموں کے محاصل

اس طرح پر مشرقی اقلیموں کی جبایۃ کی میزان معہ برقہ اور افریقیہ کے محاصل سے اکتیس کروڑ چھیاسی لاکھ درہم ہوتی ہے۔ جس پر مغربی اقالیم کے خراج کی میزان "اڑتالیس لاکھ سترہ ہزار دینار" کو ہم نے موجودہ زمانے کے نرخ بتاون کے لحاظ سے جو فی دینار پندرہ درہم ہے۔ درہموں کی صورت میں تحویل کرنے کے بعد مبلغ سات کروڑ بائیس لاکھ پچپن ہزار درہم اضافہ کر دیا۔ اب کل میزان انتیس کروڑ آٹھ لاکھ پچپن ہزار درہم ہوگئی۔

ہم نے قائمہ ابن خلدون کی اس نقل میں جو "وان کریمر" نے تحریر کی ہے دو ملک "کرج" اور "جیلان" اپنے پاس والے نسخوں سے زائد لکھے دیکھے ہیں۔ ہمارا گمان ہے کہ "وان کریمر" نے یہ دونوں نام "مان ہمر" کے نسخے سے لئے ہیں۔ جن میں سے پہلے ملک کا خراج تین لاکھ درہم اور دوسرے کا خراج پچاس لاکھ درہم ہے۔ مگر چونکہ یہ موقع اس کی تحقیق کا نہیں ہے کہ آیا وہ روایت صحیح ہے یا غلط لہذا ہم اس سے قطع نظر کرنا مناسب تصور کرتے ہیں۔

مزید آمدنی

مذکورہ بالا بیانوں کے اعتبار پر خلیفہ مامون کے عہد میں دولت عباسیہ کو فیر اموال اور غلات کے علاوہ صرف نقد چار سو ملین درہم سے کم نہ تھی۔ مال اور غلہ وغیرہ کی اصلی قیمت تو ہم کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ غور سے دیکھا جائے تو ان کی ایک کثیر مقدار پائی جائے گی۔ اور اس کو شمار و اعداد کے احاطہ میں لانے کے متعلق دستور یہ دیکھا گیا ہے کہ غلات کی قیمت کا تخمینہ کر کے اس کو نقد رقم میں شامل کر دیتے تھے۔ جیسا کہ

"جواب الدولۃ" کے مولف نے "سواد" کے غلات کی تخمینی قیمت لگانے میں کیا ہے۔ جس میں زیادہ مقدار گیہوں کی آئی تھی۔ اور قدامۃ اور ابن خرداذبہ کے قائموں میں طساسیج سواد کے خراج کی تفصیل دیکھنے سے اس کی تصدیق بھی ہو سکتی ہے۔

آمد و اخراجات ہم پہلے اس بات کو بیان کر آئے ہیں کہ خراج کی جو رقمیں ان ملکوں سے بغداد کے بیت المال میں آتی تھیں وہ ملک کے تمام مصارف تنخواہ فوج۔ اخراجات عملہ تحصیل وصول اور اصلاح امور رفاہ خلائق اور اس کے سوا دوسرے ضروری خرچوں کو وضع لینے کے بعد باقی کی مصفےٰ رقمیں ہوتی تھیں۔ اس صورت میں اس آمدنی کا صرف محض دارالسلطنت کے مصارف رہ جاتے تھے۔ مثلاً دارالخلافہ کے صدر دفتروں کے مصارف اور وہاں کے عہدیدار اور اہل مناصب کے وظائف اور خلیفہ اور اس کے خاندان والوں کے جیب خرچ کی رقمیں وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے ہماری کتاب کے پڑھنے والے ابن خلدون کی روایت کو باور کرنے میں تامل کریں گے۔ کیونکہ موجودہ زمانے کی حکومتوں کے بجٹ اور آمد و خرچ کے گوشوارے جن کے دیکھنے کے ہم عادی ہیں اس کو بعید از قیاس بتائیں گے ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل بڑی بڑی سلطنتوں کے خزانوں میں بھی اس مال کا صرف ہزارواں حصہ بھی نہیں رہ جاتا ہے اور اسی واسطے ہم دو اور روایتیں بیان کئے دیتے ہیں تاکہ ان میں اور ابن خلدون کی روایت میں باہمی مقابلہ کیا جا سکے۔

(ثانیاً) عباسی حکومت کا خراج

خلیفہ معتصم کے عہد میں۔ بروایت قدامۃ بن جعفر

ملک سواد کے خراج میں زیادہ مقدار گیہوں اور جو کی وصول ہوتی تھی۔ قدامۃ نے ان دونوں جنسوں کی مقدار نہایت تفصیل کے ساتھ باعتبار طساسیج سواد (یعنی اس کے مشرقی اور مغربی اطراف کے) بیان کی ہے۔ طساسیج[1] السواد فی الجانب الغربی

---

[1] طسوج۔ ناحیہ یعنی ضلع یا پرگنہ۔ (مترجم عفی عنہ)

نام پرگنہ	مقدار گندم کے انبار	مقدار جو کے انبار	درہم	کیفیت از مترجم
انبار اور نہر عیسیٰ	۱۱۸۰۰	۶۴۰۰	۴۰۰۰۰۰	کُر - اہل عراق کا ایک پیمانہ ہے - ایک گدھے کا بوجھ جو تقریباً دو من ہو سکے گا (مترجم)
پرگنہ مسکن	۳۰۰۰	۱۰۰۰	۱۵۰۰۰۰	
″ قطربل	۲۰۰۰	۱۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	
″ بادوریا	۳۵۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰۰	
بہرسیر	۱۷۰۰	۱۷۰۰	۱۵۰۰۰۰	
رودمستان	۳۳۰۰۰	۳۳۰۰	۴۵۰۰۰۰	
کوثی	۳۰۰۰	۲۰۰۰	۳۵۰۰۰۰	
نہر درقیط	۲۰۰۰	۲۰۰۰	۲۰۰۰۰۰	
نہر جوبر	۱۵۰۰	۹۰۰۰	۱۵۰۰۰۰	
باروسما اور نہر الملک	۳۵۰۰	۴۰۰۰	۱۲۲۰۰۰	
زوابی ثلاثہ	۱۴۰۰	۷۲۰۰	۲۵۰۰۰۰	
بابل اور خطرنیہ	۳۰۰۰	۵۰۰۰	۳۵۰۰۰۰	
فلوجہ بالائی	۵۰۰	۵۰۰	۷۰۰۰۰	
فلوجہ زیریں	۲۰۰	۳۰۰۰	۲۸۰۰۰۰	
پرگنہ نہرین	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰	
″ عین التمر	۳۰۰	۴۰۰	۴۵۰۰۰	
(میزان)	۴۲۸۰۰	۴۴۹۰۰	۴۱۱۲۰۰۰	
(میزان سابق)	۴۲۸۰۰	۴۴۹۰۰	۴۱۱۲۰۰۰	
پرگنہ الحیہ اور البداة	۱۵۰۰	۱۶۰۰	۱۵۰۰۰۰	
سورا اور برنسیا	۱۵۰۰	۴۵۰۰	۲۵۰۰۰۰	
البرس بالائی وزیریں	۵۰۰	۵۵۰۰	۱۵۰۰۰۰	
فرات بادقلی	۲۰۰۰	۲۵۰۰	۶۲۰۰۰	

نام پرگنہ	مقدار گندم کے اعتبار سے	مقدار جو کے اعتبار سے	درہم	کیفیت از مترجم
پرگنہ سیلحین	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۱۴۰۰۰۰	
روستان اور ہرمزگرد	۵۰۰	۵۰۰	۲۰۰۰۰	
تستر	۱۲۰۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰۰۰	
اینار بقیلین	۱۷۰۰	۲۰۰۰	۲۰۴۸۰۰	
کسکر	۳۰۰۰۰	۲۰۰۰۰	۲۶۰۰۰۰	
ملک سواد کے مشرقی پرگنے				
پرگنہ بزرگ سابور	۲۵۰۰	۲۲۰۰	[illegible]۰۰۰۰۰	
〃 راذانین	۴۸۰۰	۴۸۰۰	۱۲۰۰۰۰	
〃 نہر بوق	۲۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
کلواذی اور نہر بین	۱۹۰۰	۱۵۰۰	۳۳۰۰۰۰	
جاذر اور شہر کہنہ	۱۰۰۰	۱۵۰۰	۲۴۰۰۰۰	
روستقباد	۱۰۰۰	۱۴۰۰	۲۴۶۰۰۰	
سلسل اور مہرود	۲۰۰۰	۱۵۰۰	۱۵۰۰۰۰	
جلولا اور جلتا	۱۰۰۰	۱۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	
ذیبین	۱۹۰۰	۱۳۰۰	۴۰۰۰۰	
دسکرہ	۱۸۰۰	۱۴۰۰	۶۰۰۰۰	
بندنیجین	۴۰۰	۵۰۰	۳۵۰۰۰	
میزان	۱۰۱۶۰۰	۱۰۳۱۰۰	۷۳۷۹۸۰۰	
(میزان سابق)	۱۰۱۶۰۰	۱۰۳۱۰۰	۷۳۷۹۸۰۰	
پرگنہ براز الروذ	۳۰۰۰	۵۱۰۰	۱۲۰۰۰۰	
نہروان بالائی	۱۷۰۰	۱۸۰۰	۳۵۰۰۰۰	
نہروان وسطی	۱۰۰۰	۵۰۰	۱۰۰۰۰۰۰	

بادرایا اور باکسایا	۴۷۰۰	۵۰۰	۳۴۰۰۰۰
کوردجلہ	۹۰۰	۴۰۰۰	۴۳۰۰۰۰
نہرالصلہ	۱۰۰۰	۳۱۲۱	۵۹۰۰۰
نہروان زیرین	۱۷۰۰	۱۳۰۰	۵۳۰۰۰
میزان خراج سواد	۱۱۵۶۰۰	۱۲۳۹۲۱	۸۸۲۱۸۰۰

مجموعی مقدار

گویاکہ مجموعی مقدار ملک سواد کے مالی محاصل کی جو اس کے تمام پرگنوں سے ہوتی تھی ۱۱۵۶۰۰ کر گیہوں ۱۲۳۹۲۱ کر جو۔ اور ۸۸۲۱۸۰۰ درہم تھی۔ مگر اس تفصیلی آمدنی کا ذکر کر چکنے کے بعد رقوم جبایۃ کی مجموعی تعداد بیان کرتے ہوئے قدامۃ بن جعفر نے یہ لکھا ہے کہ ملک سواد کا ارتفاع ۱۷۷۲۰۰ کر گیہوں ۹۹۷۲۱ کر جو اور ۸۰۹۵۸۰۰ درہم نقد بصرہ کے صدقات کی آمدنی کے علاوہ تھا (۱) اس لئے ہماری دی ہوئی میزان اور مصنف کی میزان میں بہت فرق ہوتا ہے جس کا سبب شاید یہ ہو کہ ہم سے بعض اعداد کے پڑھنے میں غلطی ہو گئی ہو۔ تاہم یہ فرق باوجود اپنی زیادتی کے ہماری غرض کو کوئی نقصان نہیں پہونچاتا اب صرف اتنی بات باقی رہی کہ ہم گیہوں اور جو کی قیمتیں درہموں کے اعتبار سے لگالیں۔ جیساکہ خود جعفر نے بھی کیا ہے۔ اس نے گیہوں اور جو کے ملے ہوئے دونہ کر کی قیمت ساٹھ دینار لگائی ہے اور دینار کا تبادلہ فی پندرہ درہم سے کیا جاتا ہے۔ لہذا مجموعی قیمت دونوں جنسوں کی ۱۰۰۳۶۱۸۵۰ درہم تک پہونچتی ہے اور قدامۃ بن جعفر کہتا ہے کہ بصرہ کے صدقات کا سالانہ ارتفاع ۶۰۰۰۰۰ درہم تھا پس ان سب رقموں کو جمع کرنے مجموعی مقدار ۱۱۴۴۵۷۶۵۰ درہم ہو جاتی ہے جس کی صورت حسب ذیل ہے:۔

(۱) نقد درہموں کی میزان ۸۰۹۵۸۰۰

(۲) اجناس گیہوں اور جو کی قیمت درہموں سے ۱۰۰۳۶۱۸۵۰

(۳) بصرہ کے صدقات ۶۰۰۰۰۰ — میزان کل ۱۱۴۴۵۷۶۵۰ درہم

---

(۱) کتاب الخراج مطبوعہ لیڈن صفحہ ۲۳۹

یہ تو صرف ایک ملک سواد کا ارتفاع تھا۔ اب ہم تمام مشرقی اور مغربی اقلیموں کی مالی آمدنی کی مقداریں لکھتے ہیں۔ اور سواد کو بھی ان میں شامل کئے لیتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہے

اقالیم المشرق

	درھم
سواد	۱۱۴۴۵۷۶۵۰
اہواز	۲۳۰۰۰۰۰۰
فارس	۲۴۰۰۰۰۰۰
کرمان	۶۰۰۰۰۰۰
مکران	۱۰۰۰۰۰۰۰
اصفہان	۱۰۰۰۰۰۰۰
سجستان	۱۰۰۰۰۰۰
خراسان	۳۷۰۰۰۰۰۰
حلوان	۹۰۰۰۰۰
ماہ الکوفہ	۵۰۰۰۰۰۰
ماہ البصرہ	۴۸۰۰۰۰۰
ہمدان	۱۷۰۰۰۰۰
ماسبذان	۱۲۰۰۰۰۰
مہرجان قذق	۱۱۰۰۰۰۰
الایغارین	۳۱۰۰۰۰۰
قم اور کاشان	۳۰۰۰۰۰۰
آذربائجان	۴۵۰۰۰۰۰
رے اور دماوند	۲۰۰۸۰۰۰۰
قزوین۔ زنجان اور ابہر	۱۸۳۸۰۰۰
قومس	۱۱۵۰۰۰۰

جرجان	۴۰۰۰۰۰۰
طبرستان	۴۲۸۰۸۰۰
میزان	۲۷۳۵۹۶۳۵۰ درہم
میزان سابقہ	۲۷۳۵۹۶۳۵۰ درہم
تکریت اور طیرہان	۹۰۰۰۰۰
شہرزور اور صامغان	۲۷۵۰۰۰۰
موصل اور اس کے متعلقات	۶۳۰۰۰۰۰
قردی اور بذیدی	۳۲۰۰۰۰۰
دیار ربیعہ	۹۶۳۵۰۰۰
ارزن اور سیافارقین	۴۲۰۰۰۰۰۰
طرون	۱۰۰۰۰۰
آمد	۲۰۰۰۰۰۰
دیار مضر	۶۰۰۰۰۰۰
اعمال طریق فرات	۳۹۰۰۰۰۰
امیزان ا	۳۱۱۵۸۱۳۵۰ درہم

مغرب کی اقلیمیں

	دینار
قنسرین اور عواصم	۳۶۰۰۰۰ دینار
جُند (چھاؤنی) حمص	۲۱۸۰۰۰
دمشق	۱۱۰۰۰۰
اردن	۱۰۹۰۰۰
فلسطین	۱۹۵۰۰۰
مصر اور اسکندریہ	۲۵۰۰۰۰۰

حرمین (مکہ اور مدینہ)	۱۰۰۰۰۰ دینار
یمن	[illegible]۰۰۰۰۰
یمامہ اور بحرین	۵۱۰۰۰۰
عمان	[illegible]۰۰۰۰۰
میزان۔	۵۱۰۲۰۰۰

جس کی تحویل (باعتبار پندرہ فی دینار) درہموں میں کرنے سے ۷۶۵۱۰۰۰۰ درہم ہوتے ہیں۔ اور مشرقی اقلیموں اور الجزیرہ کی اوپر بیان کی ہوئی جبایتہ کی میزان پر اسکو بڑھانے سے میزان کل اڑتیس کروڑ بیاسی لاکھ اکیانوے ہزار تین سو پچاس درہم ہو جاتی ہے۔ جو حسب بیان قدامتہ بن جعفر خراج کا واقعی ارتفاع تھا۔ (۱)

ثالثاً عباسی حکومت کی جبایتہ

تیسری صدی ہجری کے وسط میں بروایت ابن خرداذبہ

ابن خرداذبہ نے بھی ملک سواد کے مالی محاصل اسی تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں جیسے کہ قدامتہ بن جعفر نے لکھے ہیں۔ بلکہ ابن خرداذبہ نے شون اور بیادر کی تعداد اس پر اور اضافہ کی ہے۔ جس کا بیان کرنا ہمارے نزدیک طوالت میں داخل ہوگا۔ اسی لئے ہم صرف نقری سکوں اور اجناس گندم و جو کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے یہ مراد ہے کہ ۲۳۴۰۰ کر گیہوں، ۹۱۸۵۰ کر جو اور ۸۴۵۶۸۴۰ درہم نقد ملک سواد کے ارتفاع میں شمار کرنے چاہئیں۔ اور گیہوں اور جو کے ملے ہوئے دو کر ساٹھ دینار قیمت کے مان کر فی دینار پندرہ درہم کے حساب سے ان کو درہم کی صورت میں تحویل کر لینا

---

(۱) قدامہ کی فہرست میں تفصیل اور اجمال کے مابین ہم نے ایک قسم کا اختلاف پایا جو شاید کتاب کے نقل کرنے والوں یا کاتبوں کی غلطی سے پیدا ہوا ہے۔ گو ہم نے بقدر امکان اسکو سنبھالا اور درست بھی کر دیا۔ مولف

چاہیئے اسطرح پران دونوں غلوں کی قیمت ۶۹۸۶۲۵۰۰ درہم قرار پائے گی اور نقد درہم کی میزان اس میں ملا کر مجموعی رقم ۷۸۳۱۹۳۴۰ درہم ہوگی۔

طاہریہ سلطنت کے محاصل

اس کے بعد ابن خرذاذبہ نے ملک خراسان اور اس کے ملحقہ اقلیموں کی وہ جمابندی بہ تفصیل بیان کی ہے۔ جو دولت طاہریہ کے عہد میں تھی۔ اور ۲۱۲ھ میں اس رقم کا دربار خلافت میں ارسال کرتے رہنا ان پر لازم قرار دیا گیا تھا۔ اس رقم کی مقدار حسب ذیل ہے۔ ۴۴۸۴۶۰۰۰ درہم نقد ۱۳ سواری کے جانور ۲۰۰۰ بکریاں ۲۰۰۰ راس جہاد کے قیدی جن کی قیمت ۶ لاکھ درہم ہو۔ کرباس جی کی بنی ہوئی کرباس۔ (ایک موٹے قسم کا کپڑا) کے ۱۱۸۷ عثان اور "مردد" اور لوہے کی چادروں کے ۱۳۰۰ قطعے دونوں نصف نصف۔ جس زمانے میں یہ خراج متعین ہوا تھا ان دنوں خراسان کا ملک قریب قریب پچاس ضلعوں پر شامل تھا۔ منجملہ رے۔ توس۔ جرجان۔ کرمان۔ سجستان۔ نیشاپور۔ طخارستان۔ طالقان اور ماوراءالنہر کے اعمال اور بخارا اور سغد وغیرہ تھے۔ طاہری خاندان کے لوگ وہاں کے مستقل حکمراں تھے اور اس ملک کے محاصل میں سے صرف مذکورہ بالا وظائف ادا کیا کرتے تھے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے اس مقام پر بالکل مجمل حالات لکھے ہیں۔ اگر کسی شخص کو اعمال سواد اور اعمال خراسان کا تفصیلی جمابندی دیکھنے کا شوق ہو تو وہ ابن خرذاذبہ کی "کتاب المسالک والممالک" میں دیکھ لے۔ اب ہم اس اجمالی بیان کے تالمہ کے دوسرے اعمال کی آمدنیاں بھی دکھا کر اسے مکمل کرتے ہیں۔ جو حسب ذیل ہے۔

مشرقی اقلیمیں	دراہم
سواد	۷۸۳۱۹۳۴۰
خراسان اور اس کے توابع	۴۴۸۴۶۰۰۰
شہرزور اور صامغان	۲۷۵۰۰۰۰
ماسبذان اور مہرجان قذق	۳۵۰۰۰۰۰

قم	۲۰۰۰۰۰۰
اہواز	۳۰۰۰۰۰۰
فارس	۳۳۰۰۰۰۰۰
قزوین	۱۲۰۰۰۰۰
ماہ الکوفہ	۳۸۰۰۰۰۰
اصفہان	۷۰۰۰۰۰۰
دیار مصر	۵۶۰۰۰۰۰
موصل	۴۰۰۰۰۰۰
دیار ربیعہ	۷۷۰۰۰۰
ارمینیہ	۴۰۰۰۰۰۰
میزان	۲۲۷۷۱۵۳۴۰ درہم

مغربی اقلیمیں — دینار

تنسرین اور عواصم	۴۰۰۰۰۰
جھاؤنی حمص	۳۴۰۰۰۰
〃 اردن	۳۵۰۰۰۰
〃 فلسطین	۵۰۰۰۰۰
مصر	۲۱۸۰۰۰۰
یمن	۶۰۰۰۰۰
میزان	۴۷۷۰۰۰۰ دینار

ان دیناروں کو درہم سے تحویل کرنے کے بعد ۷۱۵۵۰۰۰۰ درہم حاصل ہوتے ہیں جن کو مشرقی اقلیموں کی آمدنی مذکورۂ بالا۔ مجموعی میزان پر اس شکل سے اضافہ کریں۔

مشرقی اقلیموں کی جبایتہ :- ۲۲۷۷۱۵۳۴۰ درہم

مغربی اقلیموں کی جبایتہ		۱۵۵۰۰۰۰ درہم

جملہ		۲۹۹۲۶۵۳۴۰

توجملہ انتیس کروڑ بانوے لاکھ پینسٹھ ہزار تین سو چالیس درہم ہوں گے۔

عباسی حکومت کی ملکی آمدنی کا اجمالی گوشوارہ

اگلی تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عباسی حکومت کے ارتفاع کی کثرت مامون کے عہد میں سب سے بڑھی ہوئی تھی اور اس کے بعد سے کم ہونے لگی۔ مگر اس کمی کا اظہار تیسری صدی ہجری کے وسط سے ادھر ہوا ہے جس کے اسباب آئندہ بیان ہوں گے۔ ورنہ اس زمانہ سے پہلے تو عباسی حکومت کا ارتفاع بہت بڑھا ہوا تھا جو ہمارے بیان کئے ہوئے تینوں قائموں سے واضح ہوتا ہے۔ اور ان کا مختصر گوشوارہ حسب ذیل ہے:۔

عباسی حکومت کی جبایتہ مامون کے ایام میں۔ مابین ۲۰۴ھ و ۲۱۰ھ کے ۲۹۹۲۱۵۵۰۰۰ درہم۔

معتصم یا اس کے بعد بھی ۲۲۵ھ تک۔		۳۸۸۲۹۱۳۵۰ "

تیسری صدی ہجری کے وسط میں		۲۹,۹۲,۶۵,۳۴۰ "

ان رقموں کا باہم مقابلہ کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے پہلے پچاس سال ہی کے اندر جبایتہ کی مقدار میں نمایاں فرق ہوگیا اور خاصکر یہ صورت اس حالت میں ہوگی جبکہ ابن خلدون کی فہرست میں لکھے ہوئے غلوں اور مال و متاع کو بالکل نکال دیا گیا۔ جو کہ دراصل خراج میں داخل تھے۔ پس بیت المال میں سالانہ داخل ہونے والی رقم کا اوسط تقریباً ۳۰۰ ملین قرار پاتا ہے جو کہ ممالک اسلامی کی جبایتہ سے بعد منہائی اخراجات مقامی کے باقی بچ کر سلطنت کے خزانے میں داخل ہوتی تھی اور جس کی مثال قدیم و جدید سلطنتوں میں سے کسی میں، دیکھنا کیسا، سنا تک نہیں۔ مگر ہاں جبکہ ہم روم اور فارس کی حکومتوں کی نسبتہ بعض مورخین کے ان بیانات کا لحاظ کریں جو بسبیل تذکرہ انہوں نے کئے ہیں تو یہ اور بات ہے

کیونکہ "گبن" رومن ایمپائر کے مورخ نے بیان کیا ہے کہ اس سلطنت کی مالی آمدنی اس کے انتہائی عروج اور وسعت مملکت کے ایام میں چالیس کروڑ درہم کے مساوی تھی۔ جس میں سے تیرہ کروڑ پچاس لاکھ درہم محض ایشیائے کوچک سے حاصل ہوتے تھے۔ (۱) اور ابن خرداذبہ نے ذکر کیا ہے۔ کہ کسریٰ پرویز کے ایام میں مملکت فارس کا ارتفاع بیالیس کروڑ مثقال یا تقریباً سات سو بیس ملین درہم تھا۔ مگر ہم ان رقموں کو صحیح بھی مان لیں تو یہ مشکل درپیش رہ جاتی ہے کہ ہم کو ان حکومتوں کے اخراجات کے طریقے معلوم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس آمدنی کا زیادہ حصہ خرچ کر ڈالتے ہوں۔ بخلاف عباسی حکومت کے اس کے مصارف کا اندازہ آیندہ بیان کیا جائے گا۔ مذکورہ بالا دونوں سلطنتوں کو چھوڑ دیجئے دوسری حکومتوں کی حالت سے مقابلہ کرنے میں بھی زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مثلاً :- دولت عثمانیہ (ٹرکی) کی ترقی وسعت سب سے زیادہ سلطان سلیمان قانونی کے ایام میں تھی جو دسویں صدی ہجری کا وسطی زمانہ ہے۔ مگر اس کے محاصل کا ارتفاع اسی لاکھ دوکات سے زیادہ نہیں ہوا۔ (۲) جو تقریباً چھ کروڑ پچاس لاکھ فرانک کے مساوی ہوتا ہے۔ اور عباسی حکومت کے ارتفاع سے اس کو کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ جو اس کے دگنے مقدار سے بھی زائد تھا اسی پر موجودہ زمانہ کی حکومتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیئے کہ ان کے خزانوں میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اور اس کا بیان بھی آگے چل کر ہم کریں گے۔

اب ہم ان مدوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن میں یہ آمدنی خرچ کی جاتی تھی۔

عباسی حکومت کے مصارف

قدیم عربی مورخوں کے بیان سے ہم کو اس بارے میں کوئی معلومات نہیں بہم پہونچ

---

(۱) Gibbon's Roman Empire 1, 110 (ایک سکہ (مترجم
(۲) Parlers Const History of Turky

ج m op.

سکے - ہم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ عمداً اس معاملہ کے متعلق کچھ لکھنے سے باز رہے یا انقلاب زمانہ سے ان کی تحریریں ضائع ہوگئیں۔ علاوہ بریں مسلمان مورخوں نے تمدن اسلامی کے وقائع بہت کم لکھے ہیں۔ یا جن امور سے اس کا پتہ چلتا کہ اسلامی حکومتوں کی آمدنیاں ان کے اخراجات، ملک کی مالی حالت، علمی ترقی اور اس زمانہ کا طرز معاشرت کیا تھا۔ ان کے متعلق اگر کوئی بات ان کے قلم سے نکلی بھی ہے تو رزم بزم کے واقعات لکھتے ہوئے اثنائے کلام میں کہیں لکھ گئے ہیں۔ البتہ ابن خلدون نے اتنا کام کیا ہے کہ اسلامی حکومت کے عہد عروج میں اس کے نمائشی ٹھاٹھوں کا ذکر کرتے ہوئے سلطنت کے ملکی محاصل کی تفصیل بھی آمدسخن میں دیدی — اور قدامہ ابن خرداذبہ نے انتظامات صیغۂ ڈاک کے ذکر میں خراج کی مقدار بھی لکھدی ہے۔ گو خراج کی مقدار کو بعض جغرافیہ نویسوں نے بھی بیان کیا ہے۔ مگر ان سب صاحبوں میں سے کسی نے اس بات کو نہیں بیان کیا کہ جس زمانے کے حالات ہم تحریر کرتے ہیں ان دنوں خراج کی جمع ہونے والی رقمیں کن مدوں میں خرچ ہوتی تھیں۔

ہاں اس تمدن کے حالات کا جو علم ہمکو ہوا ہے اس کے اعتبار سے ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ اس تمام آمدنی میں سے فوجوں، منشیوں قاضیوں اور بغداد کے صدر دفتروں کے تمام اہل مناصب کی تنخواہوں اور عمال محکمۂ ڈاک (۱) وغیرہ کے وظائف دینے کے بعد باقی رقم بیت المال میں جمع ہوتی تھی جس کو صرف کرنے کا مطلق اختیار خاص خلیفۂ وقت کو حاصل ہوتا تھا۔ (۲)

فوج کے مصارف اور دفتر وغیرہ کے اخراجات قطعی طور پر تخمینہ نہیں کیے جا سکتے کیونکہ زمانوں کے تغیر و تبدل اور خلفا کی حالتوں کے ساتھ ان کی مقدار بھی گھٹتی بڑھتی رہی اور ہم کو عباسیوں کے پہلے دور یا ان کے دوسرے دور میں اس معاملہ کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہوئی جس پر کچھ رائے قایم کر سکیں۔

---

۱۵۳ - (۲) ماوردی ۱۷۹

معتضد کے عہد کی فہرست

البتہ بیرن وان کریمر کی کوششوں سے ہمیں ایک فہرست ایسی مل گئی ہے جس میں اس رقم کی تفصیل ہے جس کو احمد بن محمد طائی نے اپنے ضمان کی طرف سے بیت المال میں داخل کرنے کی ذمہ داری کی تھی۔ اس فہرست میں بیت المال بغداد کے ان مصارف کی تشریح کی گئی ہے جو کہ خلیفہ معتضد عباسی کی اوائل حکومت یعنی ۲۷۹ھ میں کئے جاتے تھے۔ (۱) اس میں ان وظیفہ خواروں کے تمام فرقوں کے روزانہ عطیات کی رقم معین کی گئی ہے۔ جن کے رواتب بیت المال بغداد سے دیئے جاتے تھے۔ ان رقوم کی سالانہ مجموعی مقدار ۲۸..... دینار تھی۔ اور روزانہ سات ہزار دینار اس صورت سے اہل فوج، دفتروں کے ملازم اور شاگرد پیشہ لوگوں کو تقسیم ہوا کرتے تھے۔

عباسی سلطنت کے اخراجات

جو معتضد باللہ عباسی کے عہد ۲۷۹ھ میں روزانہ کئے جاتے تھے

دینار ہر روز	باری وار لوگ اور ان کی مثل دوسرے لوگ مثلاً دربان جن میں
۱۰۰۰	جنابیہ اور بصرہ کے خوب صورت آدمی شامل تھے اور دربار عام کے جلودار سپاہی وغیرہ اور حبشی غلاموں کی جماعتیں اور خلیفہ ناصر کے اکثر غلام۔
۱۰۰۰	جن غلاموں کو خلیفہ ناصر نے آزاد کر دیا تھا اور وہ خاصہ کے غلام کہلاتے تھے ان کے روزینے۔
۱۵۰۰	آزاد اور صاحب امتیاز گھوڑ چڑھوں کے روزینے۔
۶۰۰	مختارین کے روزینے جو کہ تمام فوجوں کے چیدہ بہادر اور کارآزمودہ سپاہی تھے۔
۵۰۰	ان سواروں کے وظیفے جو خلیفہ ناصر کے عہد میں بھرتی ہوئے تھے۔

(۱) Kremer, Budjet des Abbasiden Reiches ج

دینار ہر روز ۱۱۰	اُن سترہ قسم کے لوگوں کے روزینے جن کو حسب ذیل خدمتیں تفویض تھیں ؛۔ خواجہ سرا۔ خاص درباری قاصد۔ عرضیوں کے پڑھنے والے، پرچہ نویس۔ مؤذن۔ منجین۔ نجامین۔ علم بردار۔ بوق نواز۔ مسخرے اور نقارہ نواز اور ان کے علاوہ دوسرے اہل خدمت
۵۰	خاص دارالسلام بغداد اور دیگر مقامات کے ملازمین پولیس کے روزینے
۳۰۰	غلاموں اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے تحفوں اور ہدیوں کی قیمتیں۔
۵۰۶۰	میزان
۵۰۶۰	دینار میزان سابق
۳۳۳ ½	عام اور خاص باورچی خانوں کے مصارف۔ روٹی پکنے کے جگہوں کے خرچ۔ حرم اور حشم کی خوراک۔ حبشی غلاموں کی خوراک کے مصارف۔
۱۰۰	خاص اور عام آبدار خانوں کے خرچ اس کے برتنوں وغیرہ کی قیمت توشہ خانوں اور خلعتوں اور خوشبویات۔ حوائج وضو۔ سلاح خانوں اور فرش فروش وغیرہ کے مصارف۔
۴	شاہی محل۔ خزانوں۔ لنگر خانوں۔ گھروں۔ حجروں اور شاگرد پیشہ کے مکانات کے قریب کام کرنے والے سقوں کی تنخواہیں۔
۱۶۷	آزاد اور معزز لوگوں کے علاوہ خلیفہ کے خاصہ کے لوگوں اور ان کے قائم مقاموں یعنی چھوکروں اور غلاموں کے روزینے۔
۱۰۰	آبدار خانہ عام میں کام کرنے والے اور توشہ خانوں کے ملازمین زرگروں، درزیوں، علاقہ بندوں، وزن کرنے والوں، لوہاروں، رفوگروں، پوستین سازوں، کشیدہ کاروں، نجاروں، کاغذیوں، خوشبو سازوں، ڈھنڈورچیوں، مددگاروں اور خراطیوں وغیرہ وغیرہ لوگوں کے روزینے

۱۰۰	حرم کے مصارف۔
۴۰۰	پانچواں اصطبلوں کے دانہ چارہ کا خرچ۔
۶۶ ۲/۳	اونٹوں گھوڑوں اور دوسری سواری کے جانوروں کے دانوں کی قیمت میں صرف ہونے والی رقم۔
۳۰	باورچیوں کی تنخواہیں۔
۳۰	فرش بچھانے والوں، دودھ دوھنے والوں اور دار و غہ فراشخانہ اور مزدوروں کے روزینے۔
۔	شاہی سواری کے باڈی گارڈ اور حاشیہ بردار اور ڈاک کے گھوڑوں کے سائیس وغیرہ

۶۳۹۶ دینار میزان

۶۳۹۶ ″	میزان سابق
۴۴	مصاحبین اور ارباب نشاطیان کے قائم مقام لوگوں کی تنخواہیں۔
۲۳ ۱/۳	طبیبوں کی ایک جماعت مع اپنے شاگردوں کے۔ ″ ″
۷۰	شکاری عملہ باز اور شکرہ والے کتوں کے ڈوریئے اور چیتے باز وغیرہ ″
۱۶ ۲/۳	بڑی کشتیوں بجروں اور ہلکی ڈونگیوں وغیرہ کے ملاحوں کی ″
۴	نفط اور مشاقہ کی قیمت جو نفط کے شیشوں اور مشعلوں کے لئے آتے تھے اور ان کے کام کرنے والوں کی تنخواہیں۔
۱۵	صدقہ جو کہ ہر صبح کی نماز کے وقت سیاہ کپڑے میں لپیٹ کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا جاتا
۳۳ ۱/۳	روزینہ یا جیب خرچ متوکل کی اولاد کا
۱۶ ۲/۳	″ ″ ″ واثق ″ ″
۱۶ ۲/۳	″ ″ ″ ناصر ″ ″
۲۰	بنی ہاشم کے مشائخ اصحاب مراتب اور مسجد کے خطیبوں کے روزینے

تمام دوسرے بنی ہاشم عباسی اور طالبی خاندان والوں کے روزینے ۳۲ ۱/۲

معمول عبید اللہ بن سلیمان (وزیر) کا مع پانچسو دینار (ماہوار) اس کے بیٹے قاسم کے لئے عارضی طور پر۔ ۳۲ ۱/۳

اعلیٰ درجہ کے منشیوں، دفتروں کے محرروں، خزانچیوں، دربانوں مہتموں اور سپاہیوں اور تمام محکموں کے لوگوں کی تنخواہیں اور رجسٹروں مسلوں اور کاغذ کی قیمت سوا محکمہ اعطاء (انعام) کے عملہ کے اور ان کے قائم مقاموں کے جو کمیٹیوں میں مقرر تھے اور ان کے چپراسی اور سپاہی اندر بیت المال کے خزانچی۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے روزینے گرے پڑے مالوں اور جانوروں کو بلا حفاظت چھوڑنے والوں کے اوپر کئے ہوئے جرمانوں کی رقوم سے لیتے تھے۔ ۱۵۶ ۲/۳

میزان ۶۸۷۹ دینار

(میزان سابق) ۶۸۷۹ ؍؍

معمول[1] اسحاق بن ابراہیم قاضی اور اس کے خلیفہ یوسف بن یعقوب والد ابی عمر اور ان دونوں کی اولادوں اور دس نفر دوسرے فقیہوں کا۔ ۱۶ ۲/۳

مسجدوں کے مؤذنوں، تکبیر کہنے والوں، اقامت کہنے والوں کے روزینے اور روشنی کے لیے تیل۔ چٹائیاں، بوریئے، پانی جاڑوں کے موسم میں پردوں کی قیمت۔ چادروں کی قیمت۔ مٹی کے ظروف۔ اور ماہ رمضان کی صفائی اور مرمت کے اخراجات۔ ۳ ۱/۲

جیلخانوں کے مصارف اور قیدیوں کی خوراک کا خرچ۔ ۵۰

دونوں پلوں کے خرچ جو بغداد میں دریائے دجلہ پر بنائے جاتے تھے۔ اور اس کے واسطے تبدیل کی جانے والی کشتیوں کی قیمت اور پل بنانے والوں کی تنخواہیں۔ ۱۰

---

[1] معمول کے معنی ہیں روزینہ۔

۱۵ {طبیبوں اور کحالوں اور پاگل خانوں کے محافظوں دربانوں اور روٹی پکانے والوں کی تنخواہیں اور غذا دوا اور شربتوں کی قیمتیں۔}

۶۹۷۴ (میزان کل دینار)

اخراجات سے زائد آمدنی

کل تعداد قریب سات ہزار دینار کے ہوتی ہے جو ۲۷۹ھ میں (خلیفہ معتضد کے عہد میں) عباسی حکومت کا صرف ایک دن کا خرچ تھا۔ اور اس کی سالانہ مجموعی تعداد تقریباً ڈھائی ملین دینار ہوتی ہے۔ اس لئے اگر ہم مامون اور معتصم کے زمانوں کا خرچ بھی اس کے برابر فرض کریں۔ اگرچہ ہمارے خیال میں وہ اس سے بہت کم رہا ہوگا۔ کیونکہ دولت عباسی کے عہد شباب میں غلاموں اور ملکوں کی اتنی زیادتی نہیں تھی جتنی تیسری صدی ہجری کے اختتام میں ہوگئی تھی۔ پس جبکہ ہم مامون اور معتضد کے زمانوں کے مصارف یکساں مان کر ان کو باعتبار کثرت فی درہم بیس دینار کی شرح سے درہموں میں تبدیل کریں تو پانچ کروڑ درہم ہوں گے۔ اور اس رقم کو ملکی محاصل کی اوسط سے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں منہا کریں تو ۳۶۰۰۰۰۰۰ درہم × ۵۰۰۰۰۰۰ درہم سے باقی ۳۱۰۰۰۰۰۰ درہم یا تین سو ملین درہم بچیں گے۔ لہذا جس حکومت کے خزانے میں سالانہ اتنی بھاری رقم کی توفیر ہوا کرے اس کی دولت مندی نہایت عظیم الشان شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ کیونکہ ہم نے کسی حکومت کی نسبت یہ بھی نہیں سنا ہے کہ اس کے خزانے میں اس کا نصف تہائی چوتھائی بلکہ دسواں حصہ بھی باقی رہ جاتا ہو۔ الا روم اور فارس کی حکومتیں جن کا ہم اوپر بیان کر آئے ہیں وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

مزید برآں یہ مصارف ارتفاع سلطنت کے صرف ایک چھوٹے سے چھوٹے حصے کے برابر ہے۔ کیونکہ اس سے صرف وہی خراج مراد ہے۔ جس کی ضمانت "طائی" نے چند ملکوں کی آمدنی سے کی تھی۔ یعنی دجلہ اور فرات سے شاداب کئے جانے والے مقامات اور جوخی۔ واسط۔ کسکر۔ طساسیج۔ نہر توق۔ ذیبین۔ کلواذی۔ نہر بین۔ رذانین۔ اور طریق خراسان کہ یہ سب ملک عراق کے اضلاع اور اس کا ایک حصہ تھے۔ جیسا کہ قدامہ کی فہرست کے ملاحظہ سے واضح ہوتا ہے۔ اس لئے اس بات کا کہنا کچھ بے جا نہ ہوگا کہ عباسی

حکومت کے تمام مصارف صرف اس کی ولایت کے ایک حصہ کی آمدنی سے نکل آتے تھے۔

موجودہ سکوں سے اس دولتمندی کا اندازہ

جدید تمدن کے لحاظ سے اس دولت مندی کی توضیح کرنے کے لئے یہ ضرورت ہے کہ ہم اس آمدنی کی رقم کو موجودہ زمانے کے سکوں میں تحویل کر دیں۔ پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ تیسری صدی کے نصف اول میں دینار کا مبادلہ پندرہ درہموں سے ہوتا تھا اس لئے اس زمانے کی ثروت دو کروڑ دینار کی مقدار میں تھی۔ اور آجکل ایک دینار کا موازنہ نصف گنی سے کیا جاتا ہے۔ جس کے حساب سے بیت المال میں باقی رہنے والی سالانہ رقم کی تعداد دس ملین گنی پونڈ آتی ہے۔

ہاں اس بات کا بھی لحاظ کرنا چاہیے کہ نقرہ کی قیمت پیداوار کی افراط اور مزدوری کی ارزانی پر دو چند کے قریب بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً جس ملک میں ایک اردب گیہوں پچاس قرش کو ملتے ہیں وہاں کسی کے پاس ایک ہزار گنی ہوں تو وہ اس ملک کے دو ہزار گنیاں رکھنے والے کے برابر تصور کیا جائے گا۔ جہاں ایک اردب گیہوں سو قرش کو آتے ہیں، اور زمانے کے تغیر و تبدل کی وجہ سے ایک ہی شہر میں بھی یہ مثال قائم کرنی ممکن ہے۔ جیسے کہ ہمارے یہاں گذشتہ صدی کے آغاز میں چند ہزار قرشوں کا مالک بڑا دولتمند تصور کیا جاتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں زندگی کی ضرورتیں بہت ارزاں تھیں۔ پھر بتدریج آدمیوں کی کثرت اور طرز معاشرت میں نئی نئی تراشس وخراش پیدا ہو چلنے کے سبب سے اور نیز چند دوسرے وجوہ سے یہ نوبت پہونچ گئی ہے کہ اب اوسط درجہ کے لوگ صرف ایک مہینے میں کئی ہزار قرش خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اس لئے موجودہ زمانے کے نقود سے عباسی ثروت کا موازنہ کرنے میں پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم ان دنوں کی اور اپنے زمانے کے پیداوار کے نرخ اور ان ایام کی اور اپنے عہد کی شرح مزدوری کے تفاوت سے آگاہی حاصل کریں۔ اس سے قبل معلوم ہو چکا ہے کہ قدامہ بن جعفر کے عہد میں ایک کُرّ گیہوں اور جَو

تیس دینار قیمت پاتا تھا۔(۱) اور عراق کا ایک کر مصر کے چالیس اردب کے برابر ہوتا ہے (۲) اس اعتبار سے ان دنوں ایک اردب مصری گیہوں اور جو ایک گنی کو ملتے ہیں تو چالیس اردب کی قیمت چالیس گنی یا اسّی دینار ہوئی۔ یعنی اس زمانہ میں غلہ کا نرخ ان دنوں سے نسبتاً تگنا ارزاں تھا۔

سکوں کی قدر و قیمت میں اضافہ

خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں مستری (راج) کی اجرت ایک قیراط چاندی اور بیلدار یا مزدور کی اجرت دو حبہ تھی۔ ملک عراق کا ایک قیراط ۱/۲۴ دینار (۳) اور حبہ ۱/۷۲ دینار کے برابر ہوتا تھا۔ پس گویا کہ ان دنوں کے نقود سے معمار (راج) کی اجرت ۳/۴ درہم یعنی تقریباً تین قروش اور مزدور کی اجرت ایک قرش تھی۔ جو ان دنوں کی شرح سے تہائی یا چوتھائی کا فرق رکھتی ہے۔ اس لئے عباسی عہد حکومت میں نقود کی قیمت کم سے کم آجکل کے نقود سے تین حصے زائد تھی۔ اور اسی اعتبار سے عباسی بیت المال کی سالانہ باقی رہنے والی رقم تیس ملین دینار کے برابر تصور کرنی چاہیئے۔ جو بیت المال میں جمع رہتی تھی۔ اور اس کے صرف کرنے کا اختیار مطلق طور پر خلیفہ کو حاصل تھا جس طرح وہ چاہتا اس رقم کو خرچ کرتا۔ کیا اس بات سے آگاہ ہو جانے کے بعد بھی اگر یہ بیان کیا جائے کہ فلاں خلیفہ نے ایک شاعر کو ایک لاکھ درہم یا دس ہزار دینار صلہ میں دے دیئے: تو ہمیں حیرت ہوگی۔ حالانکہ ہم زمانے کے اہل دولت کو دیکھتے ہیں کہ وہ صرف ایک قدیم زمانہ کی تصویر ایک لاکھ گنی کو اور آثار قدیمہ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نصف ملین یا پورے ایک ملین گنی کو خرید لیتے ہیں۔ یہ سب بے انتہا دولت مندی کے نتائج ہیں اور آجکل کی حکومتوں میں سے کوئی حکومت ایسی نظر نہیں آتی جس کے خزانہ میں بجز نادرات کے ایک ملین پونڈ سے زائد بچ رہتا ہو۔ حالانکہ عہد عباسی کی بنسبت اس زمانہ کی گورنمنٹوں کے ذرائع آمدنی بھی بہت زیادہ ہیں۔ صرف دولت انگلشیہ کی حالت مثال کے طور پر لے لیجئے جو کہ سب سے بڑی گورنمنٹ اور بہ نسبت اوروں کے ہم سے اس وقت قریب تر ہے۔

---

(۱) قدامہ ۲۳۹ (۲) محیط المحیط۔ (۳) ابن اثیر جلد ۵ ص ۲۰۲

سال ۱۹۰۰ء میں اس کی آمدنی بتفصیل ذیل تھی:-

مسکرات تمباکو اور چائے کے محصولوں سے	۲۲۰۰۰۰۰ پونڈ
مسکرات اور سمیات وغیرہ کی فروخت لائسنسوں کی آمدنی سے	۳۲۰۰۰۰۰ ″
درآمد مال کے محصولات سے	۱۸۵۰۰۰۰۰ ″
اسٹامپ ڈاک سے	۱۲۰۰۰۰۰۰ ″
محصول تار برقی کی آمدنی سے	۳۰۰۰۰۰۰ ″
کاغذات اسٹامپ کے محاصل سے	۸۵۰۰۰۰۰ ″
میزان	۹۷۰۰۰۰۰۰ پونڈ

اس نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ⅘ حصہ اس گورمنٹ کی آمدنی کا ایسے مدوں سے تعلق رکھتا ہے جن کا عباسی حکومت کے دور میں نام ونشان بھی نہ تھا۔

موجودہ زمانہ کے گورمنٹوں کی زیادہ تر یہ حالت ہے کہ ان کی آمدنی مصارف کے ہم پلہ ہوتی ہے۔ یا ایک بے حد قلیل رقم الفیج باقی بچتی ہے جو شاذونادر حالتوں میں ایک ملین پونڈ سے زائد ہوتی ہوگی۔ ورنہ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ لڑائیوں وغیرہ کے مصارف کا بار سر پر آپڑنے سے خرچ کی مقدار آمدنی سے بڑھ جاتی ہے جیساکہ انگلشیہ گورمنٹ کو جنوبی افریقیہ میں جنگ چھڑ جانے سے پچھلے سالوں میں پیش آیا۔ اور وہ قرض لینے پر مجبور ہوئی۔ جو ایک مشہور بات ہے۔ پس ہم کو معلوم کرنا چاہیے کہ عباسی حکومت کے گوشوارہ اور اس زمانہ کی گورمنٹوں کے بجٹ میں ایسا بڑا فرق کن اسباب سے واقع ہوتا ہے اور یہ بات اس وقت تک واضح نہیں ہوسکتی جب تک کہ ہم عباسیوں کی دولتمندی کے اسباب نہ بیان کریں جو حسب ذیل تھے:-

عباسی مالیات کے اسباب

یہ ایک بدیہی قضیہ ہے کہ ایسی دولت مندی اس وقت تک نہیں حاصل ہوسکتی

جب تک کہ آمدنی زیادہ اور خرچ کم نہ ہو۔ اور جس ثروت کی جانب ہم اشارہ کرتے ہیں اس سے وہ باقی رقم مراد ہے جو آمدنی سے خرچ کو منہا دینے کے بعد بچی تھی۔ اس لئے ہم کو آمدنی کے ابواب سے بحث کرنی ضروری ہے جو ملکی محصولوں کے مصادر تھے اور خروج کی مدوں کی تحقیقات کرنی ہے جو مصارف کے راستے تھے۔ پھر ہم ان دونوں کے مابین جو فرق ہوگا اسے دیکھتے ہوئے پہلی مد کی زیادتی اور دوسری مد کی کمی کے اسباب بیان کریں گے۔

ملکی محاصل کے ذرائع

اوائل ہجرت میں جبایت کا انحصار صرف زکوٰۃ کی آمدنی پر رہا۔ واقعہ بدر کبریٰ کے بعد مال غنیمت کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے بعد جزیرہ عرب کے جن عیسائیوں اور یہودیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کی ان پر جزیہ مقرر کیا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تک جبایت کے صرف یہی تین مصادر تھے۔ زکوٰۃ غنائم اور جزیہ۔ مگر جس وقت ممالک شام عراق اور مصر میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسیع ہو چلا تو مسلمانوں نے اراضی پر عشر اور خراج اور تجارت پر مکس (ایک قسم کا ٹیکس تھا) بھی قائم کیا اور بنی امیہ کے عہد تک ملکی محاصل کی یہی اضافہ شدہ مدیں موجود تھیں۔ جن پر انہوں نے بہت سے غیر قانونی ٹیکس اور بھی بڑھائے تھے۔ اور بہت سختی کے ساتھ ان کو رعایا سے وصول کرتے تھے۔ بنو امیہ نے اپنے ایام حکومت میں جو نئے ٹیکس جاری کئے تھے ان میں سے ایک مچھلیوں کا ٹیکس تھا۔ اس کو محمد بن مروان نے ۷۲ھ میں قائم کیا۔ جب کہ وہ ارمینیہ کا والی دگورنر تھا۔ (۱) اور ہمارا خیال ہے کہ جہازوں اور کشتیوں سے وہ ایک وصول کرنے کی ابتدا بھی بنو امیہ نے کی۔ جو دریاؤں میں آمد و رفت کرنے والوں، جہازوں سے وصول کیا جاتا تھا اور معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ لینا بھی اموی گورنمنٹ کے اختراعات میں شمار کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد سے آمدنی کی مدیں بڑھتی اور شاخ در شاخ ہوتی ہیں

(۱) ابن اثیر۔ جلد ۴ ص ۱۹۶۔

حتیٰ کہ عباسی عہد حکومت میں ان کی متعدد قسمیں قرار پائیں جو در اصل گیارہ سے زائد نہیں ہوئیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) صدقہ یا زکوٰۃ (۲) جزیہ (۳) خراج (۴) کموس (تجارت کا ٹیکس) (۵) ملاحات اور اسماک (۶) اعشار السفن (جہازوں کا عشر) (۷) معدنی پیداوار کے خمس (۸) چونگی (محصول درآمد) (۹) ٹکسال کی آمدنی (۱۰) غلہ کی بٹائی (۱۱) دستکاریوں کے ٹیکس۔

اور ان کے سوا اور بھی چند قسمیں جو انھیں کی شاخیں تھیں مگر ثروت کی زیادتی میں معتدبہ رقم خراج کی ہوتی تھی۔ اسی لئے بنو عباس کے دور میں تمام آمدنیوں کی مجموعی رقم کا صرف ایک نام "خراج" رکھ دیا گیا تھا جسکو یہ سمجھنا چاہیے کہ جزو کا اطلاق کل پر کیا گیا پس جب وقت وہ بیان کرتے تھے کہ ملک فارس کا اتنا اتنا خراج آتا تھا، تو اس سے ملکی محاصل کی مجموعی رقم مراد ہوتی تھی۔ جو کئی مدوں سے ہوا کرتی تھی۔ اسی بنا پر ہم پہلے خراج ہی کے بارے میں بحث کریں گے۔ اور عباسیوں کے پہلے دور میں اس کی کثرت کے اسباب بیان کریں گے۔ اور دوسری مدوں کی جانب صرف مختصر طور پر اشارہ کر دیں گے۔

کثرت خراج کے اسباب

خراج اس آمدنی کو کہتے ہیں جو زمین پر یا اس کی پیداواروں پر مقرر کی جائے اور عباسی حکومت کے عہد میں اس کی کثرت کے بہت سے سبب تھے۔ جن میں سے چار اہم اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عباسی قلمرو کی وسعت :۔ چونکہ ملکی آمدنی کا اعتبار خراج کی رقم سے کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا بڑھنا ملک کے زمینی رقبہ کی وسعت اور سرزمین کی سیر حاصل ہونے پر منحصر ہوگا۔ عباسی حکومت کے ابتدائی دور میں مملکت اسلامی کی وسعت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ قدیم تمدن کے ممالک میں سے (خصوصاً جبکہ ہم ملک اسپین کو بھی اس میں داخل شمار کریں) بجز اسکندر اعظم کی مملکت کے کہ یہ اس کے ہم پلہ گذری ہے اور کوئی

مملکت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی۔

عباسی قلمرو کی پیمائش کا اندازہ یوں لگایا جاسکتا ہے کہ ہم ان ملکوں کی مساحت معلوم کریں جو موجودہ زمانہ میں اس کی جگہ پر قایم ہوئے ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔

مملکتِ عباسیہ کی پیمائش

(تیسری صدی ہجری میں)

ملکوں کے نام	اس وقت کس گورنمنٹ کے ماتحت ہیں	انکی پیمائش میلوں کے حساب سے
تمام ملک ایران	شاہ فارس	۶۲۸۰۰۰
افغانستان	خود مختار	۲۱۵۰۰۰
بلوچستان	انگلستان	۱۳۰۰۰
سندھ	"	۴۸۰۰۰
روسی ترکستان (صرف)	روس	۲۵۷۰۰۰
کارکیشیا (تفلس)	"	۱۵۳۰۰
آرمینیہ اور کردستان	ٹرکی	۷۲۵۰۰
عراق۔ الجزیرہ	"	۱۰۰۲۰۵
سوریا (شام) فلسطین	"	۱۰۹۵۰۹
جزیرہ عرب (کچھ حصہ)	"	۲۰۰۰۰۰
ملک مصر	"	۴۰۰۰۰۰
نوبیہ اور کچھ حصہ سوڈان کا	سوڈان	۳۰۰۰۰۰
طرابلس الغرب	ٹرکی	۳۹۸۰۰۰
جزائر الغرب	فرانس	۱۸۴۵۰۰
تونس	"	[illegible]۱۰۰۰

مراکش	خود مختار	۲۱۹۰۰۰

میزان کل ۳۳۲۸۰۱۴ میل مربع

اس لئے یہ کہنا درست ہوگا کہ عباسی مملکت کی مساحت تینتیس لاکھ اٹھائیس ہزار چودہ مربع میل تھی۔ جو تقریباً تمام یورپ کی مساحت کے برابر ہے۔ پس اگر تمام یورپ کے ملکوں کا خراج مسلمان لوگ ہی تحصیل کریں تو وہ ان کی مملکت کے خراج سے کسی طرح زائد نہیں ہو سکتا۔ پس اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ جس ملک میں آجکل دنیا کی عظیم الشان طاقتیں موجود ہیں وہ کس قدر وسیع ہے اور کتنے ملک اس میں شامل ہیں۔ پھر اگر ان سلطنتوں کا اعتماد ملکی آمدنی میں سے صرف خراج ہی پر ہوتا تو کبھی اُن کا کام نہیں چل سکتا تھا۔ لہذا ان کے مصارف کا مدار مسکرات کے ٹیکسوں اور درآمد مال کے محصولوں پر رہتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

علاوہ بریں اسلامی قلمرو کی ثروت کا سبب صرف اس کی وسعت کو قرار دینا بھی کافی سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سلطان سلیمان قانونی کے زمانہ میں حکومت عثمانیہ کی مملکت قریب قریب عباسی مملکت کے برابر وسیع ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے ملکی محاصل ایک کروڑ پچاس لاکھ فرانک سے نہیں بڑھے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ عباسی ثروت کے اسباب کچھ اور تھے جو لوگوں کا زراعت کے کاروبار میں مشغول ہونا، لگان کی زیادتی۔ بھاری محصولوں کا تقرر اور اراضی کا سیر حاصل ہونا یا اس کے علاوہ اور امور ہو سکتے ہیں۔

۲۔ لوگوں کا زراعت میں مشغول ہونا۔ ہم امویوں کے عہد میں بیت المال پر بحث کرتے ہوئے اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ ان کے عمال خراج گزار لوگوں اور مالکانِ اراضی پر کس قدر ظلم و ستم روا رکھتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رعایا نے کاشتکاری کا پیشہ ترک کرنا شروع کر دیا۔ اور آباد زمینیں پرتی بن گئیں۔ پھر ممالک عراق و فارس اور مملکت اسلامی کے دیگر اطراف میں فتنہ و فساد برپا ہو جانا اور خانہ جنگیوں کا پھوٹ پڑنا اس پر اور بھی طرہ ہوا۔ جس کے سبب سے لوگوں نے عمداً حکومت کی مالی آمدنی

گھٹا دینے کے لئے زراعت کو ترک کر دیا تاکہ وہ اس طرح پر اس سے ان مظالم کا بدلہ لے سکیں جو اس کے یا اس کے عمال کے ہاتھوں سے ان پر ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کو اس کام میں بہت کم ذاتی فائدہ ہوتا تھا۔ اس لئے ملک کا بیشتر حصہ غیر آباد ہو گیا۔ (۱) جن میں میووں کے باغات اور غلوں کے مزرعے سب کچھ شامل تھے۔ عباسیوں نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھوں میں لے کر عدل و داد کو اپنا شعار بنایا۔ ذمیوں اور موالی کے ساتھ بہت سی رعایتیں کیں۔ ان کو ان کے مالوں جانوں اور حقوق کی جانب سے مطمئن بنایا پھر ان لوگوں نے کاشتکاری کو ترقی دی اور اپنے کاروبار کو بخوبی کرنا شروع کیا۔

امن و امان کا قیام

بنی عباس کے ابتدائی خلفا کو ملک میں امن و امان قائم رکھنے اس کو آباد بنانے اور اس کے اصلی باشندوں ذمیوں اور موالی کے ساتھ رعایتیں کرنے کا بہت کچھ خیال رہتا تھا۔ خلیفہ منصور اپنے ظالم و جابر عاملوں کے حالات کی سخت تحقیقات کیا کرتا۔ ان کی تمام دولت ضبط کر کے انھیں معزول کر دیتا اور ان کی جگہ دوسرے متدین اور نیک چلن لوگوں کو عامل مقرر کرتا۔ خلیفہ منصور ان ظالم عاملوں کی جائداد یا دولت ضبط کر لیا کرتا وہ ایک جداگانہ خزانہ میں جمع رہتی تھی۔ جس کا نام اس نے بیت المال المظالم رکھ چھوڑا تھا۔ (۱) اس نے سلطنت کے اطراف میں مخبر اور پرچہ نویس متعین کر رکھے تھے۔ جو اس کو تمام خبریں اور غلہ کے نرخ تحریر کرتے رہتے تھے۔ اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی پر زبردستی نہ کرنے پائے۔ چنانچہ اس کو قاضیوں کے فیصلوں، والیوں کے برتاؤں اور بیت المال میں جمع ہونے والے ملکی محاصل کی رقموں وغیرہ ہر ایک واقعہ کی برابر خبر ملتی رہتی تھی۔ اگر اجناس کے نرخ کا تغیر معلوم ہوتا تو اس کا سبب دریافت کرنے کی کوشش کرتا۔ کسی قاضی کے فیصلے میں شک و شبہ پیدا ہوتا تو اس سے جواب طلب اور غلطی پر ملامت کیا کرتا تھا۔ (۲)

رعایا کیساتھ حسن سلوک

وہی موالی جو بنی امیہ کے دور میں زرخرید غلاموں سے بھی ابتر حالت میں رہ چکے تھے عباسی عہد میں دولت مند اور خلافت کے سچے جاں نثار بن گئے

(۱) ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۱۳ (۲) طبری جلد ۳ ص ۴۳۵

ایک خلیفہ دوسرے خلیفہ کو ان کے ساتھ مراعات کرنے کی وصیت کر جاتا۔ اور خاص کر خراسان والوں کے ساتھ رعایت کرنے کی تاکید کرتا تھا۔ خلیفہ منصور نے اپنے بیٹے خلیفہ مہدی کو یہ وصیت کی تھی کہ اپنے موالی کی حالت پر عنایت کی نظر رکھنا۔ ان کے ساتھ ہمیشہ احسان کرتے رہنا انھیں اپنا مقرب بنانا اور جس قدر ممکن ہو ان کی تعداد میں اضافہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمہارا مادہ ہیں۔ اگر تم پر کوئی مصیبت نازل ہوگی تو وہی کام آئیں گے۔ اور قوت پہنچائیں گے۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ خراسان والوں سے عمدہ سلوک کرنا وہ لوگ تمہارے معین و مددگار ہیں۔ انہوں نے تمہاری حکومت قائم کرنے میں اپنا مال اور اپنی جانیں نثار کی ہیں۔ (۱) خلیفہ مامون وغیرہ نے بھی ایسی ہی وصیتیں کی تھیں۔ خلیفہ منصور تمام دن خراج کی آمدنیوں۔ حکومت کے مصارف اور رعایا کے معاش کی ضرورتوں کی نگرانی اور ان کے باامن و امان رکھنے کے لئے عنایت آمیز برتاؤوں میں مصروف رہا کرتا۔ اس نے اپنے بیٹے کو ایک وصیت یہ بھی کی تھی کہ جان پدر! حکومت بغیر خدا ترسی کے ٹھیک نہیں ہوتی۔ اور رعیت بلا اطاعت کے درست نہیں رہتی۔ یاد رکھو! کہ کسی بات سے ملک اتنا آباد نہیں ہوتا جتنا کہ انصاف سے۔" اگلے عباسی خلفا کے عدل و داد اور خدا ترسی اور مہربانی کی بہت سی دلیلیں پائی جاتی ہیں۔ خلیفہ مہدی دربار عام کر کے ان لوگوں کی نالشیں سنتا تھا جو اس کے عاملوں قاضیوں اور خاص اس کے کنبہ والوں کی شکایت کیا کرتے۔ اور سب کا پورا پورا انصاف کرتا تھا۔ خلیفہ رشید کے عدل کے حالات شمار میں لانے ناممکن ہیں۔ اس کے سامنے ظلم کا نام بھی لیا جاتا تو وہ خوف خدا سے تھرا کر رہ جایا کرتا۔ اس کی چند مثالیں ہم اس مقام پر ذکر کرتے ہیں۔

ابوالعتاہیہ کے واقعات

خلیفہ رشید نے ابوالعتاہیہ شاعر کو قید کر دیا تھا۔ اور اس پر گوئندے مقرر کر دیئے تھے۔ کہ جو بات وہ کہے فوراً اس کی خبر دیں۔ ان لوگوں نے ایک دن ابوالعتاہیہ کو اپنے جیل خانہ کی دیوار پر یہ دو شعر تحریر کرتے دیکھا۔

اما واللہ ان الظلم لؤم	ہوشیار ہو جاؤ خدا کی قسم بے شک ظلم ایک بری بات ہے۔
وما زال المسئ ھو الظلوم	اور ظالم ہی ہمیشہ بدکار ہوا کرتا ہے۔

---

(۱) ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۰

الی دیان یوم الدین نمضی	ہم روز جزا کے مالک کے پاس جائیں گے اور خدا کے
وعند اللہ تجتمع الخصوم	سامنے باہم خصومت کرنیوالے لوگ جمع ہو گئے جو کہ انکا انصاف کریگا

رشید کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ رونے لگا اور ابو العتاہیہ کو اپنے پاس بلاکر اسے معافی دیدی اور ایک ہزار دینار انعام بھی دیا۔ اس سے بھی بڑھ کر اس کا ایک عجیب قصہ ابو العتاہیہ کے ساتھ مشہور ہے۔ اور وہ یہ ہے :-

رشید نے ایک بار عام شاہی دعوت کی۔ جب دسترخوان چنا گیا تو اس نے ابو العتاہیہ سے فرمائش کی کہ اسوقت جس آرام و آسائش سے ہم بہرہ ور کئے گئے ہیں اس کی توصیف (نظم) کرو۔ ابو العتاہیہ نے کہا،

عش ما بدا لک سالماً فی ظل شاهقة القصور یسعی علیک بما اشتهیت لدی الرواح وفی البکور فاذا النفوس تقعقعت فی ظل حشرجة الصدور فهناک تعلم موقنا ما کنت الا فی غرور	جب تک تیرا دل چاہے آرام کے ساتھ شاندار محلوں کے سایہ میں عیش کی زندگی اس طرح سے بسر کرے کہ ہر شام و پگاہ تیری خواہشیں پوری کرنے کی کوشش جاری رہتی ہے مگر جس وقت سینہ کی پسلیوں کے پنجرے میں طائر روح پھڑ پھڑانے لگے گا اس وقت بالیقین تجھپر یہ امر کھل جائے گا کہ تو اب تک صرف دھوکے میں پڑا تھا۔ (یا انجام سے غافل تھا)

رشید ان عبرتناک اشعار کو سنکر رو پڑا اور فضل بن یحیٰے نے یہ دیکھ کر ابو العتاہیہ سے ملامت کے طریقے پر کہا۔ امیر المومنین نے تم کو اس واسطے بلوایا تھا کہ انہیں خوش کرو۔ لیکن برخلاف اس کے تم نے انہیں غمگین بنا دیا۔" رشید نے فضل کی بات کاٹ کر کہا: اسکو کچھ نہ کہو۔ اس نے ہمیں نابینائی کی طرف مائل دیکھ کر چونکا دیا ہے۔ کیونکہ اسکو ہمارا اس سے زیادہ خطرناک حالت میں پھنسنا ناگوار گزرا (۱)

عدل و انصاف

رشید اور مامون کے عہد میں اس کی اتنی افراط سے مثالیں ہیں۔ جن کے بیان کرنے کے لئے ایک کتاب بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ پھر ایسے

(۱) ابن اثیر ج ۶ صفحہ ۷۱

حکمرانوں کے عہد میں کیونکر عدل و داد کا رواج نہ ہوتا۔ اور کیوں ان کے زیر حمایت زراعت میں پیداوار کی کثرت اور تجارت میں وسعت نہ ہوتی۔ اور کیا وجہ تھی کہ لوگ ان کے زیر سایہ آباد ہونے اور ان کی خدمتوں میں جاں نثاری کرنے کے لئے اطراف عالم سے کھنچ نہ آتے۔ انصاف کے سایہ میں ملک کا آباد نہ ہونا ہی تعجب کا مقام ہے کیونکہ وہ خداوند پاک کا ایسا سایۂ رحمت ہے جس کے بغیر ملک آباد نہیں ہو سکتا۔ اور انسان کو زندگی کا مزہ نہیں ملتا۔ کسی بادشاہ کو اصلی اور حقیقی عزت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ انصاف کو اپنے کاموں کا مدار نہیں بناتا۔ اس لئے کہ ملک کی عزت مدبر اور دانشمند تجربہ کار لوگوں سے ہوتی ہے۔ اور ان کے بہم ہونے کا وسیلہ ہے مال۔ مال ملک کی آبادی اور سرسبزی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی سبیل ہے عدل۔ پس یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ عدل ہی حکومت کی بنیاد ہے۔

مملکت عباسیہ کے آباد ہونے میں بڑی مدد اس بات سے ملی کہ اس کے خلفا نے امویوں کے ویران و تباہ کئے ہوئے مزرعوں اور باغوں کو ایسے لوگوں کے سپرد کرتے رہنے کی کوشش کی جو اسے عمدہ طور پر آباد اور سرسبز بنائیں، اور اس کے علاوہ انہوں نے نہریں کھدوانے اور سیلاب آنے والی جگہوں پر بند بندھوانے میں بھی بہت کچھ توجہ صرف کی۔

عراق ان کی اس توجہ اور کوشش کا نتیجہ ملک کی عام سرسبزی اور کثرت پیداوار برآمد ہوا۔ خصوصاً ملک سواد (یا عراق) کی حالت بہت اچھی ہو گئی یہ ملک دنیا کے ممالک میں اول درجہ کا سیر حاصل اور شاداب ہے۔ چنانچہ اگر ہماری بیان کی ہوئی جمایت کی تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ محض اس ایک ملک کی آمدنی ۱۲ کروڑ درہم تھی جو تمام قلمرو کی مالی آمدنی سے تقریباً ایک ثلث کی نسبت رکھتی ہے۔ شاہان فارس کے ایام میں بھی اس ملک کی مالی آمدنی بہت افراط سے ہوتی تھی۔ چنانچہ کیاد بن فیروز کے وقت میں ۱۵ کروڑ درہم (۱) اور کسریٰ بن قباد کے ایام میں اٹھائیس کروڑ ستر لاکھ درہم (۲) اور دیگر بادشاہان فارس کے ایام میں ۱۲ کروڑ درہم رہ چکے تھے۔ اور یہ بھی اس رقم کے علاوہ تھی۔ جو شاہان فارس کے دسترخوان کے مصارف کے لئے رعایا سے وصول کی جاتی اور جس کی مقدار تیس لاکھ درہم سالانہ تھی......

(۱) ابن خلدون جلد ۱۔ ص ۲۴۰ (۲) فخری ۱۵۷

خراج بلا کسی ظلم وجبر کے تحصیل کیا جاتا تھا۔ ہاں وہ لوگ آبپاشی کے ذریعے بہم پہنچانے کی طرف بہت توجہ رکھتے تھے۔ نہریں کھدواتے بند بندھواتے اور پل تعمیر کراتے رہتے تھے۔ وادیٔ فرات زمین کی سیر حاصل ہونے اور پانی کی افراط کیوجہ سے وادیٔ نیل کی ہم صورت ہے اور جس طرح دریائے نیل میں طغیانی آیا کرتی ہے اسی انداز سے فرات اور دجلہ کے دریا بھی بڑھا کرتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ یہ دونوں شمال سے جنوب کی طرف بہتے ہیں اور جاڑوں کے موسم میں چڑھتے ہیں۔ اور نیل کا بہاؤ جنوب سے شمال رخ کی طرف اور اس کے بڑھنے کا موسم گرمی کا زمانہ ہے۔ نیز سواد کا ملک ہر سال دریا کا چڑھاؤ کم ہونے پر ٹوٹے پھوٹے پلوں اور بندوں کی درستی کا محتاج ہوتا ہے۔

اگلے زمانے میں دریائے دجلہ کا دھارا موجودہ زمانے کے دھارے سے الگ تھا۔ ان ایام میں وہ بغداد سے جنوب میں مدائن۔ دیر۔ عاقول۔ جرجرایا اور جابول ہوتا ہوا ماذرایا تک سیدھا جاتا تھا۔ اور وہاں سے پچھم رخ گھوم کر عمودی چال سے نم الصلح اور واسط سے گذرتا ہوا ترائی میں گر کر فرات کے ساتھ مل جاتا تھا۔ پھر وہ دونوں مل کر کالے دجلہ" سے بصرہ کے قریب ملتے تھے۔ اور وہاں سے بہ کر خلیج فارس میں عبادان کے قریب گرتے تھے۔ اس کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا کہ وہ مقام ماذرایا سے مشرقی رخ کو پھر گیا۔ اور بعد ازاں جنوب مشرقی گوشہ کی سمت بہنے لگا۔ جس حالت پر آجکل قائم ہے۔ فرات کی دو شاخیں تھیں۔ ایک کوفہ کے پہلو میں ہو کر نکلی تھی اور دوسری اس کی مشرقی سمت میں اور یہ دونوں شاخیں ترائی میں جاکر گرتی تھیں۔

بطائح بطائح ترائی کی ان سرزمینوں کو کہتے ہیں جن میں پانی کے چکر جابجا اور کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہوں یا بارش اور دریا کی طغیانی کے دنوں میں وہ پانی کے اندر ڈوبی رہتی ہوں۔ یہ اراضی ملک عراق کے اس نشیبی حصہ میں واقع تھی جو کوفہ اور بصرہ کے مابین ہے۔ اس ترائی کے پیدا ہونے کا سبب یہ تھا کہ "قباد فیروز" شاہ فارس کے ایام میں مقام کسکر کے قریب دریائے دجلہ میں بڑے زور کا سیلاب آیا تھا۔ اس کی روک تھام کی کوئی فکر نہیں کی گئی اور اس کے پانی نے پھیلکر اپنے دونوں کناروں کی بہت سی

آباد زمین کو ڈبو دیا۔ مشہور بادشاہ نوشیروان عادل کا زمانہ آیا تو اس نے بند بنوائے اور پانی کا پھیلاؤ روک کر دریا بُرد زمین کو آبادی اور زراعت کے قابل بنایا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا پرویز مالک تخت و تاج ہوا تو اس کے ایام میں بھی فرات اور دجلہ دونوں دریاؤں میں پھر سخت سیلاب آیا۔ (یہ ۲۹ھ کا زمانہ تھا) کہ اس سے پہلے ایسے بڑے سیلاب کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ پانی کے بہاؤ کا وہ زور تھا کہ دور دور تک زمین کو کاٹتا اور تباہ کرتا گیا۔ پرویز نے اس سیلاب عظیم کا زور توڑنے کی بے حد فکریں کیں اور صرف ایک دن میں چالیس بند بندھوائے مگر پانی کسی طرح نہیں رکا۔ مجبوراً اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ ابھی یہ صورت قائم ہی تھی کہ مسلمانوں نے عراق پر فاتحانہ حملہ شروع کر دیا اور اہل فارس ان کے مقابلہ میں پھنس گئے۔ سیلاب کی یہ کیفیت تھی کہ وہ جدھر رخ کرتا زمین کو درہم برہم کرتا چلا جاتا۔ اور کسی کو اس کے روکنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ کسان لوگ اس کے روکنے سے عاجز تھے۔ اس لئے پانی بڑھتا گیا اور دریا بردالاراضی وسیع ہو گئی (۱) مگر باوجود ان امور کے اس ترائی کی زمین کا خراج بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت میں عبداللہ بن دراج نے اس اراضی سے پچاس لاکھ درہم کی توفیر حاصل کی۔ (۲) مگر اموی حکمرانوں نے اس سرزمین کی اصلاح کرنے اور دریا برد اراضی سے نفع اٹھانے کی بہت کم توجہ کی۔ حجاج بن یوسف ملک عراق کا گورنر مقرر ہو کر جنگ و جدل میں پھنس گیا اور وسائل آب پاشی کی طرف متوجہ ہو کر ان کی اصلاح نہیں کر سکا۔

نہروں کا جال

اس کے ایام میں ایک اور سیلاب بھی آیا جس نے ترائی کا خطہ پہلے سے نسبتاً اور بڑھا دیا۔ حجاج نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔ اور اس کے روکنے کے واسطے بند بنوانے کا تخمینہ پیش کیا جس کے مصارف تیس لاکھ درہم تخمینہ کئے تھے۔ ولید نے اس تخمینہ کو بہت زیادہ تصور کیا تو اس کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے کہا۔ اچھا اگر آپ اس شرط کو منظور کریں کہ جن نشیبی زمینوں کے اندر اب پانی رہ جایا کرتا ہے ان کے خراج کی آمدنی مجھ کو عطا فرمایئے گا۔ میں اپنے ذاتی روپے سے اس کے بند بنواتا ہوں۔ اور آپ کے معتمد لوگوں کے ہاتھیں تمام مصارف کئے جائیں گے۔" ولید اس بات

(۱) قدامہ صفحہ ۲۴۲ (۲) ماوردی صفحہ ۱۶۱

بر راضی ہو گیا۔ اور مسلمہ کو بہت سی سرزمینیں اور کئی ایک پرگنے اس طرح پر مل گئے۔ مسلمہ نے دو نہریں کھدوائیں جن کا نام "سیبین" رکھا۔ اجارہ داروں اور کاشتکاروں کو مجتمع کیا اور وہ سب اراضیات آباد ہو گئیں۔ چنانچہ ولید کو بھی اور اس کے بعد ہشام اس کے بیٹے کو اس سرزمین سے بہت بڑی مالی آمدنی ہوئی۔ اور بنی امیہ کے اخیر وقت تک لوگ اسی دستور کے پابند رہے۔ (۱)

جس وقت خلافت کی باگ عباسیوں کے ہاتھوں میں آئی اور انہوں نے ملک سواد کو اپنی قلمرو کا مرکز اور دارالخلافت قرار دیا تو انہوں نے اپنی تمام توجہ وہاں کی زمین کو آباد بنانے اور نہریں کھدوانے اور پلوں کی تعمیر کرانے میں صرف کی یہاں تک کہ سرزمین سواد میں نہروں کا جال بچھ گیا۔ اور دجلہ و فرات کے بیچ کی سرزمین ایک غیر معمولی گنجان سواد بن گئی جس میں دریائے فرات سے کاٹ کر نہریں لائی گئی تھیں۔ (۲) اسی انداز پر ملک عراق کے تمام قسموں کا حال قیاس کرنا چاہیے۔ ملک عراق کی یہ سرسبزی اور ارزانی صرف عباسیوں کے عہد میں ہوئی اور لوگوں کو باطمینان کاروبار میں مصروف ہونا اور خلفا کا زمین کے قابل زراعت ہونے کے ساتھ ہی اس کی آبادی میں کوشش کرنا اس بات کا موجب تھا۔

(خراسان) جن ملکوں میں خراج کی آمدنی بہت افراط کے ساتھ ہوتی تھی منجملہ ان کے ایک ملک خراسان بھی تھا۔ وہاں کی زمین علاوہ سیر حاصل ہونے کے بہت وسیع بھی تھی اور خراسانی لوگ عباسی حکومت کے بہت بڑے مددگار اور جاں نثار تھے۔ صرف خراسان کا خراج تقریباً ۴ کروڑ درہم تھا۔ اور ملک عراق کا خراج اس پر اضافہ کیا جائے تو دونوں کی میزان مل کر تقریباً تمام قلمرو کی نصف آمدنی کے برابر ہوگی۔ اسی وجہ سے بنو عباس کی توجہ اپنے عروج کے ایام میں انہیں دونوں ملکوں اور تیسرے ملک حجاز کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ عراق پر مالی آمدنی کے خیال سے توجہ تھی۔ اور خراسان پر مالی آمدنی اور جاں نثار سپاہیوں اور ارکان سلطنت کے وہاں سے دستیاب ہونے کے لحاظ سے۔ باقی رہا حجاز اس کی جانب نظر عنایت ہونے کی وجہ یہ تھی

---

(۱) قدامہ ۲۴۱ (۲) اصطخری ۸۳

کہ خلافت کے استحکام کا مصدر اور بیعت کو قایم رکھنے والا در اصل وہی ملک تھا۔ اس زمانہ میں ملک خراسان کے خوب آباد ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔ مقدسی نے عراق کے شہروں کا ذکر کرتے ہوئے اثنائے کلام میں کہا ہے اور وہ اس آبادی کا حال ذرا مبالغہ کے ساتھ لکھتا ہے "یہ ملک بغداد کے شہر ہیں مگر خراسان میں بہت سے گاؤں ایسے واقع ہیں جو ان شہروں سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں (۱)" اکثر اوقات عباسی خلفا تمام قلمرو کو خراسان ہی شمار کرتے تھے (۲)۔

سبز بخارا خراسان کی ولایت میں بلاد ماوراء النہر بھی داخل تھا۔ جو سب سے زیادہ سیر حاصل اور شاداب مقام تھا۔ ابن حوقل اس کے بارے میں لکھتا ہے "میں نے تمام اسلامی قلمرو میں کسی شہر کی ظاہری صورت اتنی اچھی نہیں دیکھی اور نہیں سنی جتنی شہر بخارا کی ظاہری صورت حسین معلوم ہوتی ہے۔ اگر وہاں کے پرانے قلعوں پر چڑھ کر اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی جائے تو دور تک ہر طرف ہرے بھرے باغوں کے درختوں پر نظر پڑے گی۔ جن کی سبزی آسمان کی نیلی رنگت کے کنارے سے ملی ہوئی معلوم ہو گی اور نظر آئے گا کہ گویا آسمان ایک نیلگوں شامیانہ ہے جو سبز مخملی فرش پر تنا ہوا ہے۔ اور ان کے بیچ بیچ میں شفاف مکانات اور عمارتیں اس طرح چمک رہی ہیں جیسے ملطیہ کی ڈھالیں یا علوی ستاروں کے نورانی اجرام۔ جو ستوی اور سطح باغوں کے آئینہ کی طرح ہموار زمین پر جڑے ہوئے ہیں"۔ اور وہ کہتا ہے۔ جن مقاموں کو روے زمین کے خوشنا منظر کہا جاتا ہے وہ سمرقند کا شہر سغد اور نہر ابلہ اور غوطہ دمشق ہیں" (۳) اور اس کے سوا اس پر رونق عہد میں تمام اسلامی شہروں کی آبادی بھی ایسی ہی دل فریب تھی۔ (دیکھو مملکت اسلامیہ کا نقشہ جو اس کتاب میں درج کیا گیا ہے۔)

مصر عباسی حکومت کے زیر سایہ ملک کی آبادی میں ترقی ہونے کا کچھ حیرت خیز امر نہیں ہے۔ اس میں کلام کہ عدالت امن و امان کی باعث ہے۔ اور جب لوگ اپنی جانیں اور حقوق کو محفوظ پاتے ہیں تو وہ بے فکر ہو کر کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں ملک

---

(۱) مقدسی۔۱۲۲ (۲) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۵۵ (۳) ابن حوقل ۳۴۵

آباد اور اہل ملک خوش حال ہوں تو خراج کا زیادہ ہونا بھی یقینی امر ہے اس کے متعلق صرف ملک مصر کی حالت اور اس کے ملکی محاصل کی تاریخ کا اعتبار کر لینا کافی ہوگا۔ مورخین عرب کے متفقہ بیان کی سند پر اسلامی فتح کے وقت مصر کے باشندوں کی تعداد دو کروڑ تھی جس کو ان دنوں کے لوگ دور از قیاس تصور کرتے ہیں۔ اور ناممکن بتاتے ہیں۔ اس مردم شماری کو زیادہ تعجب سے دیکھنے والے پچھلی صدی کے لوگ تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر "کلوت بک" نے وادی نیل کی مردم شماری کا اندازہ اہل عرب کے خیال سے بیس ملین بیان کر کے اس پر اپنی رائے یوں ظاہر کی ہے کہ "یہ" بات بعید الاحتمال ہے۔ کیونکہ اس سرزمین کی قدرتی کیفیت ہرگز اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ وہاں کی مردم شماری مذکورہ تعداد کی ایک تہائی سے بھی بڑھ سکے۔ (۱) اور ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وادی نیل کی مردم شماری اس کے نصف یعنی دس ملین سے بھی زائد ہو چکی ہے اور برابر بڑھتی جاتی ہے۔

ڈاکٹر کلوت بک نے مذکورہ بالا مردم شماری کو اس وجہ سے زائد تصور کیا کہ ان کے عہد میں جبکہ انہوں نے اپنی کتاب تصنیف کی ہے یعنی سنہ ۱۸۴۰ء میں مصر کی مردم شماری صرف تیس لاکھ تھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے وادی نیل کی اس مردم شماری پر بھی حیرت ظاہر کی ہے جو خدیو محمد علی بادشاہ کے عہد میں تھی۔ اور وہ ممالک کے عہد سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ جس کی وجہ محمد علی پاشا کی شہد عدالت اور ملک کو آباد رکھنے کی خواہش کہی جا سکتی ہے۔

مصر کا مالیہ | اُن سے قبل امرائے ممالیک کے ایام میں مصر کے باشندوں کی تعداد بیس لاکھ سے زائد نہ تھی۔ اور ہمارا گمان ہے کہ ان دنوں زمین کا زیر کاشت رقبہ بھی ایک ملین فدان سے کچھ ہی زیادہ رہا ہوگا۔ ہمارے اس خیال کی وجہ امرائے ممالیک کا ظلم و ستم ہے جو یقیناً ملک کی تباہی اور قلت آمدنی اور کمی آبادی کا موجب ہوتا ہے۔ مگر

---

(۱) Aperçu sur l'Egypte 1.165

محمد علی پاشا اور ان کے جانشینوں کے سایۂ معدلت میں وہاں کی مردم شماری اور زیر کاشت اراضی کا رقبہ پھر بڑھنے لگا۔ چنانچہ اس وقت پچپن لاکھ فدان زمین پر کھیتی ہوتی ہے اور دس ملین کے قریب مردم شماری کا نمبر ہے۔ جو یوماً فیوماً ترقی کر رہا ہے۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ ملک کی آبادی کے ساتھ ہی ساتھ ملکی محاصل کی مقدار بھی بڑھتی ہے۔ اور یہ دونوں امر بجز اصلی انصاف کے زیر سایہ رہنے کے اور کسی حالت میں حاصل نہیں ہوتے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق یوں ہو سکتی ہے کہ ملک مصر کی مختلف حالتوں پر ایک غائر نظر ڈالی جائے۔ اور دیکھا جائے کہ ہر حکومت اور ہر زمانے میں اس کی کیا حالت رہی تو صاف نظر آئے گا کہ ہمارا قاعدہ کس قدر ٹھیک اترتا ہے۔ مصر کی جبایت راشدین کے زمانے میں اسلامی دور کے سب سے بڑھی ہوئی حد کو پہنچ چکی تھی۔ عمرو بن العاص رضؓ نے عمر بن الخطابؓ کے وقت میں وہاں کا مالیہ ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تحصیل کیا۔ مگر اس نے اس قدر خراج سختی اور جبریہ برتاؤ سے بڑھایا تھا۔(۱) بنی امیہ کا زمانہ آیا اور عاملوں کے ظلم و ستم کا زور ہوا تو خراج پھر کم ہو گیا۔ ان کے ایام میں بجز ابن حبحاب کے اور کسی عامل نے تیس لاکھ دینار سے زائد نہیں وصول کئے۔ ابن حبحاب خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے عہد میں مصر کا عامل ہوا تھا۔ اس نے وہاں کی مالی آمدنی چالیس لاکھ دینار تک پہنچا دی کیونکہ اس نے مالیہ کے وصول کرنے میں اور اس کی مقدار بڑھانے میں نہایت کوشش سے کام لیا تھا۔ عباسیوں کا دور آغاز ہونے پر ملک مصر کی دار الخلافت سے دور دراز واقع ہونے کی وجہ سے وہاں خراج میں کچھ نمایاں زیادتی نہیں ہو سکی اور وہی حالت قائم رہی جو بنی امیہ کے زمانے میں رہتی آئی تھی۔ پھر جس وقت عباسی حکومت کا تنزل ہونے لگا تو مصر کی مالی آمدنی اور بھی کم ہو چلی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی ہجری کے چند ابتدائی برسوں میں وہاں کی آمدنی صرف آٹھ لاکھ دینار رہ گئی تھی۔ پھر جبکہ ۲۵۴ھ میں ابن طولون والی مصر مقرر ہوا تو اس نے وہاں کی حالت درست کرنے پر توجہ کی اور ملک کی آبادی اور سرسبزی کی تحقیقات کرائی۔ جس کے سبب سے اس کے ایام میں مصر

---

(۱) ابن حوقل ۸۸

کی جبایت باوجود نرخ کی ارزانی کے چالیس لاکھ دینار تک پہونچ گئی۔ ارزانی کی یہ حالت تھی کہ دس اردب جَو ایک دینار کو آتی تھی۔ بنی طولون اور اخشیدی حکمرانوں کا زمانہ ختم ہونے کے بعد مصر میں فاطمیوں کا راج ہوا۔ تو ۳۶۳ھ میں سپہ سالار جوہر نے ستر لاکھ دینار مالیہ میں وصول کئے۔ اور یہ صورت اراضی کا لگان بڑھانے سے ممکن ہوئی تھی۔ اس کے بعد خراج کی مقدار حکومتوں کے تغیر و تبدل کے ساتھ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہی جس کی تفصیل موجب طوالت سمجھ کر ہم بیان نہیں کرتے۔

آخر زمانے کا آمد و خرچ

مصر کے جبایت کی کمی جو سب سے آخر میں ہم کو معلوم ہو سکی وہ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخری دور میں امراے ممالیک کے عہد حکومت کے اندر ہوئی جس کا بیان اوپر آچکا ہے۔ کیونکہ ان کے ایام میں باوجود ٹیکسوں کی زیادتی ہونے اور تحصیل وصول میں سختی برتنے کے ملکی محاصل بہت ہی کم تھے۔ اور ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۸ء میں گورنمنٹ مصر کی حسب ذیل مالی رپورٹ تیار ہوئی تھی

وارد (آمد)

میدہ یالنصف		
۸۰۴۶۰۰۶۸	مال المیری	دیہات اور اوقاف پر
۱۰۸۷۰۷۷۳	"	ایزاد پر
۲۲۸۱۱۸۰۵	"	دستکاریوں اور کھانیکی چیزوں پر
۲۵۰۹۰۸۱	"	راسوں پر (آدمیوں پر فی کس)
۱۱۶۶۵۱۷۲۷		

خارج (خرچ)

میدہ یالنصف	
۲۹۳۹۲۴۷	بڑے عہدے داروں کے اخراجات
۲۹۸۷۲۶۵۷	فوج کے اخراجات
۲۶۵۳۵۸۵	متفرق اور مختلف اخراجات
۸۴۳۸۹۹۴	عالموں، تعلیم اور اوقاف کے اخراجات
۱۳۸۹۲۱۳۹	دینی لوگوں اور جامع مسجد وغیرہ کے اخراجات

۴۲۰۷۱۶۵۴ . . . . حج کے مصارف

۹۹۸۶۸۲۷۶ مصارف کی میزان جبکہ اوپر والی آمدنی کی میزان سے منہا کیا جائے گا

۱۶۷۸۳۴۵۱ - باقی

جس باقی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اس کو "خزنہ" کہتے تھے۔ اور ہر سال لے آستانہ کو دے جاتے مگر جبکہ مصر کے حاکموں نے سرکشی اختیار کی تو ان میں سے کسی نے اسے بالکل اڑا دینے کا اور کسی نے صرف کمی کرنے کا قصد کیا۔ پھر آخر میں یہ صورت ہوئی کہ بانوے لاکھ تراسی ہزار چار سو اکیاون نصف اس طرح پر غیر معمولی مصارف کے نام سے اور بھی اڑا دیئے جاتے تھے۔

میدہ یا نصف	
۳۰۰۰۰۰۰	قاہرہ کے قلعوں کی ترمیم کے لئے
۱۵۰۰۰۰	تمام ملک کے
۲۰۰۰۰۰	سکراور اس کے برعکس چیزوں کی قیمتیں
۲۷۸۳۴۵۱	دوسرے مصارف جو شیخ البلد کے حکم سے کئے جاتے ہیں
۹۲۸۳۴۵۱	میزان

اس لئے جبکہ اس رقم کو اوپر بیان کئے ہوئے "خزنہ" کی رقم سے منہا کیا جائے تو صرف . . . . ۷۵ میدہ باقی رہ جاتے ہیں۔ (۱)

ممالیک مصر کی آمدنی

بہر حال اس مقام پر ہمارے مقصود کا خلاصہ یہ ہے کہ ممالیک کے ایام میں آمدنی کی میزان کل گیارہ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ اکیاون ہزار سات سو ستائیس نصف یا میدہ تھی۔ ایک میدہ ان ایام میں تقریباً چار سنتیم کے مساوی تھا (۲) یا ۲۸ نصف ایک فرانک کے برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے اسوقت کے مصری ملکی محاصل کی قیمت فرانکوں کے اعتبار سے تقریباً اکتالیس لاکھ پچاس ہزار فرانک تھی۔ اس کے ماسوا ان دنوں کے نقود کی قیمت جسے ہم نے بیان کیا ہے آجکل کے نقود کی قیمت سے مختلف تھی اور

---

(۱) Descript. d. Egypt. t. XII (۲) خلطط التوفیقیہ جلد ۲ ص ۱۵۵-

اس اختلاف کا قیاس نرخ کی ارزانی اور گرانی سے قائم کیا جاتا ہے۔ ان دنوں بھیڑ کا ایک رطل گوشت سات نصفوں میں ملتا تھا۔ اور ایک اردب جبنی ۴۰۲ نصف میں آتی تھی۔ (لہٰذا اگر ہم ان چیزوں (۱) کو ان کی آجکل کی قیمت کی نسبت سے قیاس کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک میدہ یا نصف مصری قرش کے ۱/۴ حصہ کے برابر تھا۔ اور اس اعتبار سے ممالیک کے وقت کی مصری جبایت تقریباً ......۵ قرش مصری یا ۵۰..... گنی قرار پائے گی۔ پھر جبکہ خدیوی کنبہ یہاں کا حکمراں ہوا اور اس نے ملک کی آبادی پر توجہ مبذول کی تو اس کی جبایت بھی بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ گذشتہ سال مصر کے ملکی محاصل .....۱۱۸۵ گنی یعنی ممالیک کے وقت کی جبایت سے تقریباً ۲۰ گنی زائد تھی۔ حالانکہ وہی سرزمین ہے اور وہی نیل کا دریا اور ویسی ہی فصل اور اسی قسم کے موسم ہیں جو ممالیک کے عہد میں تھے۔ پس ثابت ہو گیا کہ عدالت ہی ایک ایسا سبب ہے کہ اس کے سایہ میں آدمیوں کی کثرت اور ملک کی پیداوار اور دولتمندی میں ترقی ہوا کرتی ہے۔ یہ ایک زبردست قانون قدرت ہے جس کے اندر کبھی تغیر آنا ممکن نہیں۔

بھاری لگان

عباسی حکومت میں زمین کے مقررہ لگان کی شرح بھی ملکوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف تھی۔ کسی ملک میں وہاں کے پیمائشی رقبہ کے اعتبار سے لگان باندھا گیا تھا اور یہ خیال نہیں کیا گیا تھا کہ تمام زمینیں زیر کاشت رہیں گی یا کچھ پرتی اور بنجر اور او سر بھی ہونگی۔ بلکہ زمین کے ایک معینہ پیمائشی رقبہ پر سالانہ ایک رقم واجب الادا ٹھہرا دی گئی تھی۔ خواہ اس میں کاشتکاری ہو یا نہ ہو۔ اور کہیں مقاسمت (بٹائی) کے لحاظ سے لگان کا تقرر ہوا تھا۔ یعنی خراج کی رقم زمین کی پیداوار کا ایک حصہ ہوا کرتی تھی۔ اس لئے جو اراضی زیر کاشت نہیں ہوتی تھی اس پر خراج کا بھی مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا۔ ان پیمائشی اور بٹائی کے خراجوں کے مختلف مراتب اور درجے تھے جن کا مفصل بیان آگے آئے گا۔ اور چونکہ ملک سواد (یا عراق) مملکت

(۱) خطط توفیقیہ جلد ۲۰ ص ۱۱

عباسی کا خراج کے لحاظ سے ایک قابل توجہ ملک تھا اس لئے ہم سب سے پہلے اس کا حال بیان کریں گے۔

عراق

جس وقت مسلمانوں نے اس ملک کو فتح کیا ہے تو اس وقت اس کا لگان پیمائشی رقبہ پر فی جریب کے اعتبار سے وصول کیا جاتا تھا۔ ایک جریب زمین ساٹھ گز مربع کو اتنی ہی گزوں میں ضرب دینے سے پیمائش کی جاتی تھی یعنی ۳۶۰۰ گز مربع زمین کا رقبہ ایک جریب ہوتا تھا۔ فارس ہر جریب پر ایک قفیز غلہ اور ایک درہم نقد وصول کیا کرتے تھے۔ (۱) قفیز جریب کا دسواں حصہ ہوتا تھا اور وہ وزن کے اعتبار سے آٹھ رطل* ہوتا۔ جس کی قیمت کا اندازہ تین درہم کیا جاتا تھا۔ (۲) قفیز کے ذریعے سے لگان کا وصول کرنا زمانہ جاہلیت میں بھی عام طور پر معروف تھا۔ اسی کے متعلق زہیر ابن ابی سلمیٰ شاعر کا یہ قول ہے

تغل لکم مالا تغل لاھلھا قریٰ بالعراق من قفیز و درھم	(میں تم کو وہ محاصل فائدے دیتا ہوں جو اہل عراق کے دیہات اپنے باشندوں کو قفیز اور دراہم کے ذریعے سے حاصل نہیں دیتے)

پس اگر ہم ایک قفیز تین درہموں کا اعتبار کریں تو ایک جریب اراضی کی پیداوار تیس درہم قرار پائینگے جس پر چار درہم سرکاری لگان بندھتا تھا۔ یعنی فی صدی صرف ۱۳ $\frac{1}{3}$ اور یہ بہت ہلکی شرح لگان کی ہے۔ بشرطیکہ صدہا بلکہ ہزارہا جریب زمین غیر مزروعہ رہ جاتی ہوتی۔ جس کا خراج بھی مالکان اراضی کو اسی شرح سے دینا پڑتا تھا۔

جس وقت حضرت عمرؓ کے عہد میں ملک سواد مفتوح ہوا اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ اہل فارس اس کی جبایت اس طرح وصول کرتے تھے تو انہوں نے اس کے پیمائش کئے جانے کا حکم دیا۔ اراضی کی پیمائش کی گئی اور اقسام زراعت کے اعتبار سے اس کی تعدیل بھی ہوئی۔

ابتدائی دور میں عراق کا لگان

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے گیہوں کی پیداوار پر اہل فارس کے ایام کا خراج بدستور قائم رکھا۔ یعنی وہی فی جریب ایک قفیز اور ایک درہم نقد یا چار درہم چھواروں پر۔ پانچ درہم اور جو پر صرف دو درہم رکھی اور آدمیوں پر فی کس حسب حیثیت ۱۲، ۲۴، اور ۴۸

* رطل نصف سیر۔ ۸ رطل = ۴ سیر۔ (۱) ماوردی ۱۶۵ (۲) ماوردی ۱۶۴

درہم مقرر کئے۔ جس سے عورتوں اور بچوں کو خارج کر دیا تھا۔ (۱) ان کے زمانے میں ملک عراق کے عامل وہاں کے پیمائشی رقبہ ۳۰۰۰۰۰۰ جریب ہونے کے اعتبار سے ۱۲۰۰۰۰۰۰ درہم مالیہ وصول کیا کرتے تھے۔ راشدین کے ایام میں ملک سواد برابر آباد رہا اور وہاں کی اراضی کا زیادہ تر حصہ زیر کاشت رہتا آیا مگر جبکہ عثمانؓ کی شہادت کے بعد فتنہ وفساد برپا ہوا تو مسلمان لوگ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اور بنو امیہ کے زمانے تک انہیں اس سے نجات نہیں ملی۔ پھر امیر معاویہؓ اور حجاج وغیرہ کے ایام میں وہاں کا مالیہ بھی بڑھا دیا گیا۔ تو سواد کے باشندوں نے کھیتی باڑی کا شغل ترک کر دیا جس کا بیان اوپر آچکا ہے۔ پھر بھی باوجود اس کے حجاج نے وہاں کا مالیہ تقریباً عمرؓ کے زمانے کے برابر وصول کیا تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس نے اس کے لئے ظلم وستم کا برتاؤ کیا ہوگا۔ کیونکہ اراضی کے مالک سے اس زمین کا بھی خراج مانگا جاتا تھا۔ جس کا تردد اس نے نہ کیا ہو۔ اور جب کوئی اپنے ذمے کا پورا لگان ادا نہیں کرتا تھا تو وہ سال بسال اس کے ذمے قرض کے طور پر چڑھتا جاتا تھا۔ اور آخر میں اس پر ایک بھاری بوجھ ہو جاتا تھا۔ جس کے سبب سے وہ بڑی بھاری آفت میں پھنس جاتا۔ بدیں وجہ ملک ویران ہو گیا۔ اور وہاں کے باشندے گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حجاج کے بعد بھی عراق کے اکثر عاملوں نے یہی وطیرہ اختیار کیا۔ حتیٰ کہ زمینداروں نے مجبور ہو کر "الجاء" کا ڈھنگ نکالا جس کا بیان آگے آویگا۔ اور یہ تمام امور اس عداوت کے علاوہ تھے۔ جو بنی امیہ کے عربی تعصب اور غیر اقوام سے باوجود مسلمان ہونے کے بھی نفرت اور حقارت کا برتاؤ کرنے سے اہل سواد وغیرہ کے دلوں میں ان کی طرف سے جم گئی تھی۔

عباسی خلفا کی صلاحات

اسی وجہ سے جبکہ سنہ ۱۳۲ھ میں خلافت کی باگ عباسیوں کے قبضۂ اقتدار میں آئی تو انہوں نے خصوصیت کے ساتھ ملک سواد کی جانب اپنی توجہ مبذول کی۔ سب سے پہلے جس عباسی خلیفہ نے اس پر توجہ کی وہ منصور تھا۔ اس نے ملک سواد کی حالت پر نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ قریب قریب

(۱) کتاب الخراج۔ قاضی ابی یوسف ۴۰۔

ویران ہو چکا ہے۔ لہذا منصور نے یہ رائے قائم کی کہ ایسی حالت میں اس ملک پر پیمائشی رقبہ کے لحاظ سے خراج کا قائم رکھنا سخت ظلم ہے۔ پس اس نے گیہوں اور جو کا خراج بٹائی کے لحاظ سے مقرر کیا۔ (اور یہی دونوں جنسیں ملک عراق کی بیشتر پیداواریں تھیں۔) یعنی اس نے قرار دیا کہ اگر زمین کا تردد کیا جائے تو اس کی پیداوار سے خراج بھی وصول ہو ورنہ کچھ نہ لیا جائے اور بہت تھوڑی مقدار غلوں اور کھجور کے باغوں اور دوسرے میوہ دار درختوں کی پیمائش کے لحاظ سے بھی باجگذار باقی رکھی الاگو ہم کو اس بات کا علم نہیں ہوا کہ اس نے بٹائی میں بیت المال کا کتنا حصہ مقرر کیا تھا۔ مگر ہم یہ بات جانتے ہیں کہ منصور کے بیٹے مہدی نے (جو ۱۵۸ھ سے ۱۶۹ھ تک حکمراں رہا) اس کی تعیین اور تجدید کی تھی۔ اس نے ان اراضیوں میں جن کی آب پاشی بلا کسی محنت کے ہو سکتی تھی۔ نصف پیداوار اور جو زمینیں چرس سے سیراب کی جاتی تھیں ان میں تہائی اور رہٹ سے سینچی جانے والی اراضیوں میں چوتھائی حصے بٹائی کے قرار دیئے تھے۔ کھجور کے درختوں انگوروں اور دوسرے میوہ دار درختوں کا خراج بدستور پیمائشی رقبہ پر قائم رکھا تھا۔ اور ایسے درختوں کی پیداوار کو بازاروں یا منڈیوں کی دوری یا نزدیکی کے اعتبار سے ایک دوسرے پر افضل و اعلیٰ بنایا تھا۔ مہدی نے اس انتظام کو اپنے وزیر معاویہ بن یسار کے مشورے سے جاری کیا تھا۔ (۲) لہذا ملک عراق کے خراج سے تقریباً اس کی نصف پیداوار مراد تھی۔ کیونکہ اس کی اراضی کا بیشتر حصہ بلا کسی مزید دقت کے سیراب ہوتا تھا۔ اور گو یہ ایک بھاری لگان کی شرح تھی لیکن اس وقت میں لوگوں نے اسی کو خدا کی رحمت سمجھا تھا۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہادی یا رشید نے مذکورہ بالا خراج پر عشر کی مقدار اور بھی اضافہ کر دی تھی۔ پس ملک عراق کا خراج اس کی پیداوار کا نصف اور دسواں حصہ یعنی $\frac{6}{10}$ (چھ بٹے دس حصہ) رعایا سے وصول کیا جاتا تھا۔ ۱۹۲ھ تک یہ دستور قائم رہا۔ اس کے بعد خلیفہ رشید نے عشر معاف کر کے پھر وہی نصف حصہ پیداوار کا رہنے دیا (۳)۔

---

(۱) ماوردی ۱۶۸ فخری ۱۶۴۔ اور بلاذری ۲۹۱ (۲) طبری صفحہ ۶۰۷ جلد ۳۔ اور ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۸

(۳) فخری ۱۹۸ و ابن اثیر ج ۶ ص ۱۴۷ و طبری ج ۳ ص ۱۰۹۳

سنہ ۲۰۴ھ تک ملک سواد کے باشندے برابر نصف پیداوار خراج میں حکومت کو دیتے رہے اور اس کے بعد خلیفہ مامون نے اس کی مقدار گھٹا کر صرف دو خمس کر دی (۱) گویا اس نے بیس فی صدی مقدار خراج کو کم کر دیا۔ اس نے ملک سواد کے علاوہ چند دوسرے ملکوں کا خراج بھی ہلکا کر دیا مثلاً ملک "رے" کہ جب وہ سنہ ۲۰۴ھ میں وہاں گیا اور کچھ دنوں قیام کیا تو اس ملک کے خراج میں تخفیف کیے جانے کا فرمان صادر کر دیا۔ مامون ملک رے سے واپس ہوا اور "قم" کے باشندوں کو یہ خبر ملی کہ "رے" میں خلیفہ نے خراج کم کر دیا ہے تو انہوں نے بھی دربار خلافت میں نظیر پیش کر کے اپنے ذمے کے خراج کو کم کرانے کی درخواست دی۔ اور خلیفہ مامون نے اسے نامنظور کیا۔ جس پر وہ لوگ باغی ہو گئے اور خراج دینا بند کر دیا۔ جس کی مقدار ۲۰۰۰۰۰۰ درہم تھی۔ مامون نے ان پر فوج کشی کر کے انھیں مغلوب کیا اور سزا دینے کے طور پر اس سال ان سے ۷۰۰۰۰۰۰ درہم وصول کئے (۲)

بھاری لگان یہاں تک جس قدر بیان ہوا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوا ہو گا کہ ملک عراق کا لگان بہ نسبت راشدین کے زمانے کے جو بلحاظ پیمائش کے تھا، عباسیوں کے دور میں بہت بھاری ہو گیا۔ کیونکہ راشدین ایک جریب اراضی پر چار درہم وصول کیا کرتے تھے۔ اور مصری ایک فدان کے ساتھ ایک جریب کی نسبت ایسی ہے جیسی ۱۲۶۰ :- ۳۰۰۰ہم۔ یا - ۱۰۰ : ۳۳۳ ½ کی۔ اس لیے اگر ایک جریب پر چار درہم لگان تھا تو ایک فدان پر ½ ۱۳ درہم ہو گا۔ اور یہ مزروعہ زمین کا لحاظ کرتے ہوئے، بہت خفیف لگان ہے۔ لیکن اگر اس خیال سے دیکھا جائے کہ پرتی اور غیر مزروعہ اراضی پر بھی اسی حساب سے خراج لیا جاتا تھا تو یہ مقدار بہت زیادہ متصور ہو گی اور ممکن ہے کہ دونوں حالتوں میں اوسط ایک ہی برآمد ہو۔ اس پر یوں استدلال ہو سکتا ہے کہ جو فرق عہد راشدین کے پیمائشی خراج اور اس کی کثرت کے زمانے میں بٹائی کے خراجوں کی توفیر میں پایا جاتا ہے۔ گو وہ کچھ قابل لحاظ نہیں ہے۔ تاہم ان دونوں کے دیکھتے ہوئے ملک سواد

---

(۱) فخری ۱۹۸ و ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۴۷ و طبری جلد ۳ ص ۱۰۹۳ (۲) طبری جلد ۳ ص ۱۰۹۳

کے وہ محصول ہمیشہ بہت گراں نظر آئیں گے۔ یہاں تک کہ مامون کے عہد میں بھی ان کا ثقیل ہونا تسلیم کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس وقت ملک عراق میں کوئی قطعہ اراضی کا ایسا نہیں ہے جس کا لگان اس کی پیداوار کے پانچویں حصے سے بڑھ کر ہو اور بہت بڑا حصہ وہاں کی اراضی کا ایسا ہے جسپر صرف دسواں حصہ لیا جاتا ہے۔ لبنان کے ملک میں گو بظاہر پیمائشی رقبہ پر لگان تجویز ہوا ہے۔ لیکن اس کی بنیاد بٹائی کے اصول پر ہے۔ کیونکہ مسلمان حکمرانوں نے وہاں کی زمین کو پیمائش کرنے کے بعد مختلف جنسوں اور درختوں کی کاشت اور لگانے کے اعتبار سے لئے چار قسموں پر منقسم کر دیا تھا۔ جس اراضی میں ایک "کیل" (پیمانہ) زیتون یا ایک بوجھ "شہتوت کی پتیاں۔ یا ایک" بذار "مُد (پیمانہ) جنس یا اس قدر کوئی جنس پیدا ہوتی تھی۔ جس کی قیمت ۲۰۰ قرش کے مساوی ہو۔ اس کا نام "سہم" رکھا تھا۔ اور ہر سہم پر پونے اکیس قرش لگان مقرر کیا تھا۔ اور اس طرح پیداوار پر صرف فیصدی چھ خراج کی مقدار قرار پاتی ہے۔

مصر کا لگان

ملک مصر کی حالت سیر حاصل ہونے میں ملک عراق کے قریب قریب ہے۔ اس کا لگان بھی پیمائشی رقبہ کے اعتبار سے بحساب فدان مقرر کیا گیا تھا۔ ان کے وقت میں ایک فدان اراضی کی پیمائش ۴۰۰ قصبہ تھی۔ ایک قصبہ نجار کے گز سے ۵ گز۔ اور کپڑا ناپنے کے گز سے ۶ ⅔ گز ہوتا تھا۔ (۱) اور آجکل گورنمنٹ مصر کے عرف (اصطلاح) میں ایک فدان ۳۳۳ ⅓ قصبہ کے برابر ہے اور ایک قصبہ ۳۵۵ میٹر مربع کا جس کو مربع میٹروں میں تحویل کرنے سے ایک فدان ۴۲۰۰ مربع میٹر یا اس سے کسی قدر کم و بیش قرار پاتا ہے۔ (۲)

عباسی دور کا لگان

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مصری لوگ بنی امیہ کے دور میں بسبب اضافۂ لگان کیسے کیسے ظلم و ستم برداشت کرتے تھے۔ لہٰذا جس وقت یہ ملک عباسی حکومت کے قبضے میں آیا تو اس کا بیشتر حصہ بالکل ویران تھا جس کی اصلی وجہ بنو امیہ کے عاملوں کی سختی اور خراج کے بڑھانے میں ظلم کو روا رکھنا کہا جا سکتا ہے۔ امویوں کے جن عاملوں نے مصر کے خراج میں اضافہ کیا ان میں عبد اللہ حبحاب

(۱) مقریزی جلد ا صفحہ ۱۰۳ (۲) قوانین عقاریہ (حقیقت) صفحہ ۱۶۱

کا نام بہت مشہور ہے یہ ہشام بن عبدالملک کے ایام میں مصر کا عامل تھا۔ اس نے قبطیوں پر فی دینار صرف ایک قیراط کا اضافہ کیا۔ جیساکہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ بہت سخت اور عام بغاوت تھی۔ اس کے علاوہ بھی عاملوں کی سخت گیری سے مصر میں اکثر متواتر بغاوتیں ہوتی رہیں۔ عباسیوں کی حکومت کا دور شروع ہوئے پر انہوں نے بھی ملک مصر میں عامل مقرر کئے۔ مگر چونکہ وادی نیل ان کے مرکز خلافت سے بہت دور واقع تھی، اس لئے وہاں کے عاملوں کے چال چلن کی اتنی نگرانی نہیں کر سکتے تھے جسقدر کہ ملک عراق کے عمال کرتے تھے۔ چنانچہ دولت عباسیہ کے آغاز اور مابعد میں بھی مصری عمال خراج میں اضافہ اور اس کے وصول کرنے میں جبر و تعدی سے کام لیتے رہے۔ چنانچہ منصور کے آخری زمانہ ۱۵۶ھ کے اندر موسیٰ بن علی اور مہدی کے دور حکومت میں موسیٰ بن مصعب نے خراج کی مقدار بڑھاکر بہت سختی کے ساتھ اسے وصول بھی کیا (۱) ممکن ہے کہ یہ حرکت خود خلیفہ کے اشارہ سے کی گئی ہو۔ کیونکہ جیساکہ معلوم ہو چکا ہے خود مہدی نے عراق کے لوگوں پر بھی خراج کا اضافہ کیا تھا۔

موجودہ لگان سے مقابلہ

خلیفہ مامون کے عصر میں جو ثروت اسلامی کے کمال اور عروج کا عہد تھا۔ مصر کا لگان ایک فدان اراضی پر دو دینار تھا۔ (۲) اور یہ رقم زمانہ موجودہ کے خراج پر نظر کرتے ہوئے، اس اعتبار سے زائد ہے کہ اُن دنوں اور آجکل کے نرخ اشیاء میں بہت بڑا تفاوت ہے۔ آجکل مصر کی خراجی (لگانی) زمینوں پر محصول کی مقدار بلحاظ اس کے مدارج سیر حاصل ہونے کے جدا جدا ہے۔ اور گو موجودہ لگان پیمائشی رقبہ کے لحاظ سے لیا جاتا ہے لیکن اس کی بنیاد در اصل بٹائی کے اصول پر ہے ان دنوں ملک مصر کئی ناحیوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ جن کا لگان زمین کی زرخیزی کی مختلف نوعیتوں کی رو سے جداگانہ قرار پایا ہے۔ سب سے زیادہ سیر حاصل نواح میں ایک فدان زمین کا خراج ۱۸۰ قرش سے زائد نہیں (۳) اور ایسی زمینیں بہت ہی کم ہیں۔ اکثر اراضیات

(۱) مقریزی جلد ۱، صفحہ ۳۰۸۔

(۲) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۹ (۳) قوانین مقاریہ صفحہ ۱۲۷۔ اور اس کے بعد کے صفحے۔

تقریباً فی فدان سو قرش لگان کے قابل ہیں۔ اور بعض قطعات تو ایسے ہیں کہ ان کا لگان فی فدان صرف بیس یا دس قرش ہوتا ہے۔ اور اگر ہم خراج کے لحاظ سے پیداوار کی حالت پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ وہ تقریباً پیداوار کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مثلاً جس فدان کا لگان سو قرش ہے وہ پانچ یا چھ گنیوں پر ضمانت میں دیا جاتا ہے۔

اوسط لگان ہم ملک مصر کے تمام فدانوں کے خراج کا اوسط نکالیں تو وہ فی فدان ۸۵ قرش سے نہیں بڑھے گا۔ کیونکہ مصر میں تقریباً ..... ۵۵ فدان زمین زیر کاشت ہے جس کا لگان سال گذشتہ میں چھیالیس لاکھ باون ہزار پانچسو ستر گنی وصول ہوا تھا۔ (۱) اس طرح پر ایک فدان کا لگان بر بنا سے قریب ۸۵ قرش کے پڑتا ہے۔ اور پہلے کسی جگہ اس بات کا ذکر آچکا ہے۔ کہ اس زمانہ کا ایک قرش موجودہ زمانے کے تین قرشوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس لیئے ایک فدان اراضی کا خراج دو دینار جو مامون کے عہد میں تھا اس زمانے کے چھ دیناروں کے ہم پلہ ہوگا۔ یا تین گنیوں کے برابر۔ لہذا مصر کا وہ خراج جو مامون کے ایام میں تھا، آجکل کے محاصل سے تگنا زائد سمجھنا چاہیئے۔

مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک مصر میں خراج کا اضافہ خلیفہ مامون کے عہد سے بعد میں شروع ہوا۔ یہاں تک کہ جس وقت چوتھی صدی ہجری کے وسط میں سپہ سالار "جوہر" نے اسے فاطمی خلفا کے نام سے فتح کیا تو اس نے وہاں کا لگان ایک فدان پر ۳½ دینار پایا تھا جسکو اس نے اور بڑھا کر سات دینار کر دیا۔ (۲) اور اس میں شک نہیں کہ یہ آخری مقدار بہت زیادہ تھی۔

مقدسی کا قول علامہ مقدسی نے اپنی کتاب "احسن التقاسیم" میں تحریر کیا ہے۔ کہ مصر میں خراج کی کوئی معین شرح نہیں ہے۔ بلکہ کاشتکار سلطان سے پٹہ پر زمین لیتا ہے۔ اور زراعت کرتا ہے۔ فصل تیار ہونے پر اُسے کاٹ پیٹ اور پھٹک کر غلہ کی راس لگا کر چھوڑ دیتا ہے۔ جس کے بعد سلطان کے خزانچی اور امین آکر زمین کا محصول طے کر کے

---

(۱) ملک مصر کے آمد و خرچ کا گوشوارہ بابت سنہ ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۱ (۲) ابن حوقل ۱۰۸۔

لے لیتے ہیں۔ اور جو کچھ باقی رہتا ہے وہ کاشتکار کو دے دیا جاتا ہے۔ مگر یہ صورت محض انھیں اراضیوں کے ساتھ مخصوص تھی جن کی قبولیت خود حکومت لیتی تھی۔ ان زمینوں کا کوئی مالک نہیں تھا۔ وہ دراصل ان رومی سپہ سالاروں اور عاملوں کی ملک تھیں جو مسلمانوں سے جنگ کرنے میں قتل ہو چکے تھے۔ یا بھاگ گئے تھے۔ لہٰذا ان کی املاک بیت المال کا حق حلال ہو گئی تھی۔ اور حاکم ہی اُن زمینوں کو بطور خود کاشتکاروں کو لگان پر دیتا اور ان کا معاوضہ غلہ یا نقد کی صورت میں وصول کیا کرتا۔

دیگر ممالک

دوسرے ملکوں میں سے بعض کا لگان پیمائشی رقبہ کے حساب سے لیا جاتا تھا۔ اور چند ملکوں کا لگان بٹائی کی شرح سے بھی وصول ہوتا تھا۔ مثلاً ملک فارس کے مقامات کا خراج تین قسموں کا پایا جاتا ہے۔ کہیں بٹائی سے اور کسی جگہ پیمائشی رقبہ کے لحاظ سے اور کسی مقام پر قانونی حیثیت سے خراج کا تقرر تھا۔ تیسری قسم میں جاگیریں داخل تھیں کہ ان کے مالکوں کو ایک مقررہ رقم ادا کرنی واجب تھی۔ جو بہت کم ہوتی تھی۔ پھر بھی اکثر بلاد کا خراج پیمائشی ہی رقبہ پر تھا۔ اور ہر شہر کی حیثیت پر لحاظ کر کے وہاں کی زمینوں کا مختلف لگان مقرر کیا گیا تھا۔ شیراز کا لگان سب مقاموں سے زیادہ ثقیل تھا۔ (۱) وہاں ایک جریب گیہوں یا جو کی زمین پر ۱۹۰ درہم خرموں اور خربوزوں کی ایک جریب زمین پر ⅔ ۲۳۷ درہم۔ روئی کی اراضی پر فی جریب ۲۵۶ درہم اور چار دانق اور انگوروں کی اراضی پر فی جریب ۱۴۲۵ درہم لگان مقرر تھا۔ اور وہاں کی جریب بڑی تھی۔ یعنی ملک کے گزوں سے ستر گز کی ایک جریب اور نو مٹھیوں کا ایک گز ہوتا تھا۔ (۲) اس لئے وہاں کی ایک جریب عراق کی دو جریبوں کے برابر بھی تسلیم کر لی جائے تو بھی مذکورہ بالا خراج بہت بھاری رہے گا۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ان ممالک کا خراج یہی تھا جس کو ہم نے ذکر کیا اور ہم کو اس بات سے آگاہی نہیں ہوئی کہ مامون کے عہد میں اسکی مقدار کیا تھی۔

---

(۱) اصطخری ۱۵۷۔ (۲) مقدسی ۱۵۴۔

اسی طرح پر اغالبہ کے ایام میں ممالک مغرب کا خراج بھی بہت ثقیل ہوگیا تھا۔ عباس بن ابراہیم بن اغلب کے زمانہ میں ایک فدان کا معاملہ ۱۸ دینار تھا۔ (۱) اور ہمارا گمان ہے کہ اس قسم کا معاملہ مالکان اراضی کو زیادہ عرصہ تک نہیں ادا کرنا پڑتا تھا۔ بلکہ اچھے برے برسوں اور حالتوں کے تغیر کے ساتھ اس کی مقدار بھی بدلتی رہی ہوگی ورنہ ہمیشہ اس کا تحمل ناممکن تھا۔

لگان کی وصولی میں سہولت

خلاصہ اس تمام بیان کا یہ ہے کہ گو عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں خراج بہت بھاری تھا لیکن اسی کے ساتھ اس کے ادا ہو جانے میں کسی قسم کی دقت نہیں پیش آتی تھی اور لوگ اس کے زیادہ ہونے کی شکایت بھی بہت کم کرتے تھے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی عامل نے کئی ملین درہم صرف چند دنوں میں بہت آسانی کے ساتھ وصول اور جمع کر لئے ہیں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ خلیفہ مامون دمشق کی جانب گیا جہاں اس کا بھائی معتصم اس کی طرف سے عامل مقرر تھا۔ اور اس کے پاس روپیہ کا توڑا ہوگیا تھا۔ مامون نے اس بات کی شکایت معتصم سے کی کہ میرے ساتھ خزانہ بہت کم ہے اور مصارف کے لئے روپے کی ضرورت ہوگی۔ معتصم نے جواب دیا: امیر المومنین آپ مطمئن رہیں ایک جمعہ (ہفتہ) کے بعد جتنا روپیہ آپ کو درکار ہو مل جائے گا۔" اور اس نے فوراً خراج کی رقمیں وصول کرنی شروع کر دیں۔ دو تین دن بعد تین کروڑ درہم اپنی ولایت کے خراج میں سے لاکر خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ جن کا بہت سا حصہ خلیفہ نے کھڑے کھڑے وہیں انعام و اکرام میں تقسیم کر ڈالا (۲)

محاصل کے دیگر ذرائع

اپنے موضوع بحث کو تمام کرنے کے لئے اگر ہم حکومت عباسیہ کے پہلے دور کی جبایت کے مصادر بھی اشارۃً بیان کر دیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا جو حسب ذیل ہیں۔

---

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۵

(۲) طبری جلد ۱۰ صفحہ ۲۵۱ - ابن اثیر ایضاً - الفخری نے اس مال کی مقدار تیس ہزار درہم لکھی ہے مگر ہماری رائے میں یہ کاتبوں کی غلطی ہے۔ (مولف)

اول (اعشار السفن) یہ ایک اہم ٹکس (محصول) تھا جس کی آمدنی سے بہت بڑی رقم بیت المال میں داخل ہوتی رہتی تھی۔ اور گو اس کی تفصیل ہمارے ہاتھ نہیں لگی اور نہ ہی اس بات کا ہمیں علم ہوا کہ اس مد میں عباسی حکومت کی آمدنی کس مقدار تک ہوتی تھی۔ لیکن اس زمانے میں عراق اور تمام اطراف عالم (حتی کہ ہند اور چین بھی) کے مابین تجارت کو ہمارے علم میں جس قدر وسعت حاصل تھی اس پر لحاظ کرکے کہا جا سکتا ہے کہ جہازوں کی تعداد بہت زیادہ رہی ہو گی اور ان پر بہت قیمتی سامان تجارت کا بار کیا جاتا تھا۔ چھٹی صدی ہجری کے صرف ایک تاجر حسن بن عباس کی بات بیان کیا گیا ہے کہ اس کے جو جہازات ہند اور چین کے دور دراز ملکوں کو جایا کرتے تھے انھیں کے محصولوں کی سالانہ مقدار ۱۰۰۰۰ دینار تک پہونچ گئی تھی۔ (۱) اسی ایک تاجر کی حالت پر اعتبار کرکے اگر بصرہ یا دوسرے ثغور اسلام کے تاجروں کا بھی قیاس کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ بعض مقامات کی آمدنی کا بیشتر حصہ جہازات کے عشر رہے ہوں گے۔ چنانچہ چوتھی صدی میں اسی مد کا ٹھیکہ دو لاکھ دینار پر ہوا تھا۔ (۲) اور چھٹی صدی میں ایک لاکھ چودہ ہزار دینار کا ٹھیکہ تھا۔(۳) یہ بات مخفی نہیں کہ مابعد کے زمانے سے خاص عباسی حکومت میں نسبتاً جہازوں کے عشر کی آمدنی بہت کم ہوتی تھی۔ کیونکہ ہم نے علی بن عیسےٰ کے جریدہ (رپورٹ) میں جو اس نے ۳۰۶ھ کے اندر خلیفہ مقتدر کے واسطے تیار کیا تھا۔ یہ لکھا دیکھا ہے کہ "بصرہ" میں جہازوں کے محصول کی سالانہ آمدنی بائیس ہزار پانچسو پچھتر دینار تک پہونچ گئی تھی۔ اور پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اس کے دو صدی بعد وہیں کے صرف ایک تاجر سے اس رقم کا کئی گنا زیادہ محصول ملتا تھا۔

دوم۔ معدنی پیداوار کے خمس۔ اہل اسلام کے نزدیک معادن کی دو قسمیں تھیں۔ ایک ظاہری دوسرے باطنی۔ ظاہری معادن وہ تھے جن کے جوہر (پیداوار)

---

(۱) ابن حوقل (حاشیہ) (۲) ابن حوقل ۴۰ (۳) ابن حوقل حاشیہ۔

نمودار کھلے ہوئے رہتے تھے۔ مثلاً سنگ سرمہ۔ نمک۔ تارکول اور نفط کی کانیں۔ ان چیزوں میں حکومت کو حصہ لینا جائز نہ تھا۔ بلکہ یہ سب پانی اور ہوا کی طرح عام و خاص کے نفع اٹھانے پر وقف تھے۔ جتنا جی چاہتا اپنی ضرورت کے موافق لے لیتا تھا۔ مگر باطنی معادن سے وہ کانیں مقصود تھیں جن کے جوہر ان کی تہ میں مخفی رہتے تھے۔ حکومت ان کے نکالنے والوں سے اپنا حق لیتی تھی۔ اور وہ برآمد شدہ جوہر کا پانچواں حصہ ہوتا تھا۔ (۱) عباسی قلمرو کی وسعت کے لحاظ سے اس میں سونے چاندی تانبے پارے فیروزے اور زبرجد وغیرہ دھات اور جواہرات کی بے شمار کانیں موجود تھیں۔ چنانچہ اس مقام پر ان کی چند مثالیں اور ان کے پائے جانے کے مقامات کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ خراسان میں سونا چاندی۔ فیروزہ۔ سنگ سرمہ۔ گل مختوم۔ نوشادر اور پارے کی کانیں تھیں۔ (۲) ماوراءالنہر میں سونا چاندی اور ایسے پارے کی کان تھی جس کی عمدگی اور کثرت کا مقابلہ کوئی معدن نہیں کر سکتا تھا۔ (۳) بلاد فارس پر عام طور پر چاندی۔ لوہا سیسہ گندھک۔ نفط۔ پیتل اور پارے کی کانیں تھیں۔ اور اصفہان کے مغربی خطہ میں سنگ سرمہ کی کان تھی۔ (۴) ولایت کرمان میں ایک شہر "دمندان" نامی تھا۔ اس کی اراضی میں سونے چاندی۔ لوہے تانبے۔ نوشادر اور پیتل کی کانیں بکثرت تھیں (۵) اسی قسم کے معدنی پیداوار والے مقامات میں شمالی افریقیہ کے سواحل پر دریا کے اندر مونگے کی کانیں تھیں۔ اور ان سے جو مال برآمد ہوتا تھا وہ اتنا زائد ہوتا کہ محض ایک ہی ایک جگہ سے پچاس یا اس سے زائد ڈونگیاں بھر لی جاتی تھیں اور ہر ڈونگی میں بیس رطل (۶) مونگا سماتا تھا۔ ملک شام (سریا) میں بیروت کے قریب لوہے کی کانیں۔ حلب میں عمدہ گیرو مٹی کی کانیں کسی اور مقام پر سنگ سرخ کے پہاڑ۔ فلسطین میں سنگ مرمر کی اور اغوار میں گندھک کی کانیں موجود تھیں۔ (۷) ملک مصر کی سرزمین صعید میں پھٹکری کی پیداوار بافراط تھی۔ اہل عرب

---

(۱) ماوردی ۱۸۷ (۲) مقدسی ۳۲۶ (۳) ابن حوقل ۳۳۷ (۴) اصطخری ۱۱۵ و ۲۰۲-۲۰۳۔

(۵) ابن الفقیہ ۲۰۶ (۶) ابن حوقل ۵۱ (۷) مقدسی ۱۸۴۔

اسے کانوں سے نکال کر سواحل "انیمیم" اسیوط اور بھنسا میں لاتے اور ان مقامات سے جہازوں اور کشتیوں میں بار کر کے جن ایام میں دریائے نیل جوش پر آتا تھا اسکندریہ کو لے جاتے اور وہاں فی قنطار چار سے چھ دینار تک کے نرخ سے رومی تاجروں کے ہاتھ فروخت کیا کرتے تھے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ بارہ ہزار قنطار کے قریب اس مال کی نکاسی ہوتی تھی۔ اسی طرح نیل کے مغربی میدانوں میں اور دوسرے مقامات پر بھی نطرون کی پیداوار سے ہر سال دس ہزار قنطار برآمد ہوتے تھے۔ اور بعض حالتوں میں اس کا ٹھیکہ پندرہ ہزار پانچسو دینار تک دیا جاتا تھا (۱) ممالک نوبہ میں اسوان کے محاذی مقامات واقع ہیں۔ وہاں کے سونے کی کانیں مشہور ہیں۔ ابن حوقل کا بیان ہے کہ معدنی پیداواریں سرزمین مصر میں نہیں تھیں بلکہ بجاوہ کی اس اراضی میں پائی جاتی تھیں جو عنداب تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ وہ کشادہ اور مسطح زمین کا خطہ تھا جس میں پہاڑوں کا وجود نہ تھا اور ریت اور سنگریزے وہاں بکثرت تھے۔ یہ مقام مصری علاقے کے تاجروں کے جمع ہونے کی جگہ تھی۔ (۲) ان مغربی ملکوں میں جو سجلماسہ کے متصل ہیں، سونے اور چاندی کی کانیں تھیں۔ اور ایسے ہی اس کے مابعد کی سرزمینوں میں بلاد سوڈان تک معادن کی کثرت تھی۔ (۳) صعید مصر میں جو نیل کے جنوبی سمت کو واقع ہے ایک آبادی سے دور صحرا میں زبرجد کی کانیں بھی تھیں۔ (۴) خلیج فارس میں بحرین کے مقام پر موتی نکالنے کے مقامات تھے۔ اور صنعا میں عقیق کی کانیں، ینبع اور مروہ کے مابین سونے کے معدن تھے۔ اور عدن اور مخا کے ساحلوں پر عنبر دستیاب ہوتا تھا۔ (۵)

عباسی سلطنت کے معادن کی یہ ایک مختصر مثال دی گئی ہے۔ تاکہ اس سے بیت المال کے حق یعنی پانچویں حصے کی مقدار کا اندازہ کیا جا سکے۔ ان معادن پر کبھی پیداوار کا حصہ قائم کر کے ٹھیکہ دیا جاتا تھا اور کسی حالت میں ایک مقررہ رقم پر جو بہت زیادہ ہوتی تھی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے وسط میں نیشاپور کے فیروزہ کی

---

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۱۰۹ (۲) ابن حوقل ۱۰۷ (۳) مقدسی ۲۰۱ (۴) اصطخری ۵۱ (۵) مقدسی ۱۰۱

کالیوں کی ضمانت سے جو رقم حاصل ہوتی تھی اس کی مقدار سات لاکھ اٹھاون ہزار سات سو بیس درہم تک پہونچ گئی تھی۔ (۱)

سوئم۔ جزیہ اور زکوۃ۔ آغاز زمانہ اسلام میں جزیہ کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ مگر بعد میں لوگوں کے مشرف باسلام ہوتے جانے سے وہ کم ہوتی گئی۔ ابتدائے اسلام میں زکوۃ کی شان بہت بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن بعد میں رفتہ رفتہ اس کی اہمیت میں بھی کمی آگئی جس کا بیان اپنے موقع سے کیا جائے گا۔

چہارم۔ مکوس اور مراصد یہ دونوں محصول آجکل کے محاصل جنگی اور تجارت کے ٹکس کے مانند تھے۔ ہر قسم کے مال تجارت پر جو دریا اور خشکی کے راستوں سے آتے تھے چاہے وہ کپڑے ہوں یا زمینیں پیداواریں اور صنعتی اشیا ہوں یا فروخت ہونے والے غلام لونڈیاں یا ان کے علاوہ اور چیزیں سبھوں پر کچھ محصول لیا جاتا تھا۔ اور اس مد سے بہت بڑی رقم وصول ہوا کرتی تھی۔ ہم کو اس بات کا تو علم نہیں ہے کہ کتنا مال اس ذریعہ سے جمع ہوتا تھا۔ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مقاموں اور زمانوں کے اختلاف کے ساتھ اس کی مقدار بھی گھٹتی بڑھتی رہی ہوگی۔ اور بعض اوقات ایک شہر میں بھی زمانہ کے اختلاف سے اور ایک ہی زمانے میں شہروں کے جدا ہونے سے یہ فرق پایا گیا ہوگا۔ ہم اس مقام پر صرف شمس الدین مقدسی کا وہ قول نقل کئے دیتے ہیں جو اس نے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں ملک مصر کے مقامات "تینس" اور "دمیاط" میں لئے جانے والے محصول کی چشم دید حالت کے متعلق لکھا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے "خاص کر تینس و دمیاط اور نیل کے ساحل پر بہت کڑا محصول لیا جاتا ہے۔ کسی قبطی کی یہ مجال نہیں کہ وہ "شطوی" کپڑے کا کوئی تھان بغیر اس پر شاہی مہر چھپ جانے کے بُنے اور نہ یہ کہ ان کو بجز ان خاص بزازوں کے جو معاہدہ کر چکے ہوں کسی اور شخص کے ہاتھوں فروخت کرے۔ پہلے سلطانی افسر تھانوں کی بکری اپنے دفتر میں

---

(۱) مقدسی ۱۸۱۔ ۳۔

درج کرلیتا تو اس کے پاس سے وہ تہ لگانے والوں کے پاس جاتے۔ اور اس کے یہاں سے کلف کرنے والے کے یہاں پھر اس کے بعد گنندی گر اور گھوٹ بنانے والے کے پاس جاتے اور ان میں سے ہر شخص اپنی مقررہ رقم وصول کیا کرتا تھا۔ ان سب کے بعد "فرضہ" کے دروازے پر بھی کچھ رقم لی جاتی تھی اور ہر شخص تھان کی تہ پر اپنی علامت لکھ دیا کرتا تھا اور اس کے بعد جب جہازوں کی روانگی کا وقت آتا تھا تو ان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ تاکہ کوئی مال چوری کا نہ لے جانے پائے۔ تنیس میں زیت کے ایک کپے پر ایک دینار محصول لیا جاتا تھا۔ اور دوسری چیزوں پر بھی ایسا ہی بھاری محصول دینا پڑتا "فسطاط" میں نیل کے کنارے پر بھی بھاری محصول لئے جاتے تھے۔ میں نے تنیس کے ساحل پر ایک محصول وصول کرنے والے کو بیٹھا دیکھا جس کی بابت بیان کیا گیا کہ اس مقام کا قبالہ (ٹھیکہ) ہزار دینار روزانہ پر لیا گیا ہے۔ اور ایسے ہی سعید اور اسکندریہ کے سواحل پر متعدد مقامات تھے۔ اسکندریہ میں مغربی ممالک کے جہازوں پر اور "فرما" میں ممالک شام کے جہازات پر بھی محصول لیا جاتا اور دریائے قلزم میں ہر گٹھڑی پر ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔ (۱)

ابن حوقل کا بیان ہے کہ "آذربائجان" سے "رے" کے نواح اور لوازم کو جو سامان از قسم غلام باندیاں، چوپایوں، اسباب تجارت اور گایوں بکریوں وغیرہ کے جایا کرتا تھا اسی کے محصول کی سالانہ آمدنی ....۱ درہم تھی (۲)

لیکن دولت عباسیہ کے اوائل میں ایسے محصولوں کا کوئی رواج نہ تھا اور اگر اس مد کی آمدنی ہوتی بھی تھی تو وہ اس قابل نہیں کہ اس کا ذکر کیا جائے۔ البتہ اس کے انحطاط کے دور میں اس صیغہ کی آمدنی بہت بیش قرار ہوگئی تھی۔

پنجم۔ مستغلات اور ٹکسال کی توفیر

مستغلات سے وہ آمدنی مراد ہے جو نزول کی زمینوں پر بنائے جانے والے بازاروں مکانوں اور چکیوں سے وصول ہوتی تھی اور ان کے بنانے والے اشخاص سرکار کو زمین کا کچھ رسوم دیا کرتے تھے۔ (۳)

---

(۱) مقدسی ۲۱۳ ۔ (۲) ابن حوقل ۲۵۳ (۳) ابن حوقل ۲۱۷ ۔

ابن خرداذبہ نے مدینۃ السلام بغداد کے ایسے بازاروں مکانوں، چکیوں اور ٹکسال کی توفیر رول کی مجموعی سالانہ رقم ..... ۱۵ درہم بیان کی ہے (۱) اور "سامرا" اور اس کے بازاروں کے غلات اور مستغلات .... ۱ درہم سالانہ تک پہونچ گئے تھے۔ (۲)

گو دولت عباسیہ اپنی ترقی کے ایام میں ان محصولوں سے بھی ایک بڑی رقم وصول کرتی۔ تاہم اس کا اعتماد در اصل صرف خراج کی آمدنی پر تھا۔ جیساکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

۴۔ عاملوں کی صداقت اور دیانت داری

بنی اُمیہ کے عاملوں کی مظالم کی نسبت ہم نے جو حالات بیان کیئے ہیں ان کے دیکھنے سے واضح ہو گیا ہوگا کہ وہ اکثر حالتوں میں اپنے ذاتی ثروت کے لیئے خراج میں اضافہ کرتے اور اس کی رقم خورد برد کر جاتے تھے۔ اور ان کی یہ حرکت یا تو خلفا کے اشارے سے سرزد ہوتی جیساکہ "عمرو بن العاص" نے ملک مصر میں کیا۔ اس لیئے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علی کے مقابلہ میں ان کو اپنا مددگار پاکر مصر کا ملک گویا انھیں دے ہی دیا تھا۔ اور یا جنگی مصارف کے لیئے روپیہ کی ضرورت پیش کرکے اسے کھا جاتے۔ جیساکہ حجاج کے ایام میں ہوا۔ یا کسی سرکش عامل کو تمرد سے باز رکھنے اور اس کے راضی بنانے کے واسطے ایسی کارروائی ہوتے دیکھی جاتی تھی۔ (۳) یا بلا کسی سبب کے بھی عامل نافرمانی کا مرتکب ہوتا اور خراج کی رقم کھا جاتا تھا جس کی مثال مسلمۃ ابن عبدالملک کا واقعہ ہے جو اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کے عہد میں ملک عراق کا عامل تھا۔ (۴) یزید اس سے شرم کی وجہ سے خراج کا مطالبہ نہیں کر سکا۔ اور ممکن ہے کہ وہ اس کی سرکشی کرنے سے ڈر کر خاموش رہ گیا ہو۔ اس کے سوا اکثر عامل خلفا سے "فیئ" اور "غنیمت" کے ان اموال کو بھی مخفی رکھا کرتے تھے جو در اصل بیت المال کے حق ہوتے تھے۔ اور کبھی اس کی اطلاع دینے کے بعد بھی خورد برد کر ڈالتے تھے۔ چنانچہ ۹۸ھ میں یزید بن المہلب نے ملک جرجان کو فتح کرکے وہاں سے بہت کچھ مال غنیمت حاصل

(۱) ابن خرداذبہ ۱۲۵ (۲) یعقوبی۔ کتاب البلدان ۲۸ (۳) ابن اثیر ج ۲ ص ۳ لم (۴) ابن اثیر ج ۵ ص ۴

کیا جس میں سے محض حق بیت المال ...... ۶ درہم تھے اور اس نے خلیفہ کو اس بات کی اطلاع بھی دی۔ مگر رقم اپنے ہی پاس رکھ لی (۱) انہیں اور ایسی ہی دوسری باتوں نے بعض حالتوں میں خلفا کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ زبردستی اپنے عاملوں کا مال چھین لیں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

بیش بہا تنخواہیں

بنو عباس کی حالت اس کے خلاف تھی۔ ابتدائے عہد عباسیہ میں اُن کے عمال کا بڑا حصہ خاص ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اور اس کے بعد انہوں نے اپنے فارسی مددگاروں کو عامل بنایا جو ان کی دولت کو قایم رکھنے میں تمام لوگوں سے بڑھ کر کوشش کرنے والے اور بدل اس کے خواہشمند تھے۔ دوسری طرف سے خود خلفا عمال کی تنخواہوں میں کمی نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مامون کے عہد میں اقالیم مشرق کے عامل فضل بن سہل کا راتب تین ملین درہم تک پہونچ گیا تھا۔ (۲) جس کے برابر راتب بنو امیہ کے کسی عامل کو نصیب بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ ان کے عاملوں میں سب سے بڑی تنخواہ پانے والا شخص ...... ۶ درہم سے زائد نہیں پاسکا۔ جو یزید بن عمرو بن ہبیرہ عامل عراق کو ملی تھی۔ (۳) اور جن باتوں نے اوائل حکومت میں اپنی عملداری کا نظام محفوظ رکھ سکنے اور عاملوں کو اپنا خیرخواہ بنائے رہنے پر مدد دی منجملہ ان کے ایک اہم سبب برمکی وزیروں کی مدبرانہ قوت اور اصابت رائے تھی۔ برامکہ کا خاندان عباسی حکومت کے قیام اور اس کے تمدن کی رونق کا ذریعہ تھا اور عام طور پر تمام اہل فارس کی یہی کیفیت تھی کہ وہ بنو عباس کا غلبہ اور حکومت اپنے واسطے رحمت ایزدی تصور کرتے تھے۔ جس کے وہ مدت سے منتظر تھے۔ کیونکہ وہ بنی امیہ کے حقارت آمیز برتاؤ سے اور مظالم سے سخت تنگ آگئے تھے۔

اس موقع پر یہ بھی بیان کر دینا ضروری ہے کہ مامون کے عہد میں کثرت جبایت

---

(۱) طبری جلد ۹ صفحہ ۱۳۵۰/۱۳۴۴ (۲) طبری جلد ۳ ص ۱۰۴۱ (۳) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۸۱۔

کے چند اور اسباب بھی تھے۔ از انجملہ ایک سبب لڑائیوں اور اندرونی جھگڑوں کی کمی ہے۔ کیونکہ یہ امور مال کو رائیگاں خراج کو ضائع اور کاروبار کو بگاڑنے والے ہیں۔ ان کی وجہ سے ملک کے لوگ زراعت و تجارت سے جو آمدنی کے ذرائع ہیں باز رہتے ہیں اور فوجوں کے مصارف میں جمع شدہ سرمایہ خرچ ہو جاتا ہے وہ مزید براں۔

قلت مصارف کے اسباب

عہد بنو امیہ کی نسبت بنو عباس کے دور حکومت میں کثرت خراج کے جو اسباب تھے ان کو ہم بیان کر چکے۔ اور یہ بابت اسباب ثروت عباسیہ کی پہلی قسم تھی۔ اب ہم اس کی دوسری قسم کو بیان کرتے ہیں جو "مصارف کی کمی" ہے جس کے حسب ذیل تین اہم اسباب ہیں۔

۱۔ ملازموں اور عہدہ داروں کی قلت

حکومت کے کاروبار میں ملازموں اور عہدہ داروں کی تعداد اس کی انتظامی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ اس کی بابت مجمل طور پر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ:۔ مطلق العنان حکومتوں میں ان کی تعداد مقیدہ اور آئینی حکومتوں کی نسبت بہت کم ہوا کرتی ہے۔ جس کی وجہ مطلق حکومت کا ہر چیز پر نظر ثانی کرنے کی غرض سے مرتب اور باقاعدہ رکھنے سے مستغنی ہونا ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لئے صرف عدالتوں کی حالت پر نظر ڈالکر دیکھا جائے کہ ان کے اندر کام کرنے والے وظیفہ خواروں کی تعداد میں عرفی اور قانونی حکومتوں کے دور میں کس قدر بین فرق پایا جاتا ہے اور پھر اسی پر حکومت کے تمام صیغوں کو قیاس کر لیا جائے جن کے اندر ایک ہی صورت کے اسباب پائے جائیں گے اور یہاں پر اس فرق کی تشریح کرنے کے لئے محض مصری حکومت کے سابقہ اور موجودہ نظاموں کے موظفین کی تعداد کا مقابلہ کر لینا کافی ہے۔

مصری حکومت کا نظام

اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں اہل فرانس کے دخیل ہونے سے قبل ملک مصر کا نظام اسی ڈھنگ پر قائم تھا۔ جو سلطان سلیم خاں فاتح اور ان کے بیٹے سلطان سلیمان خاں نے قرار دیا تھا اور اس نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کا افسر اعلیٰ یعنی پاشا جو کہ آستانہ کا بھیجا ہوا بطور گورنر ہوتا تھا اس کے ماتحت چوبیس "بیگ" (طلبہ خانہ[۵]) ہوا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں سے بارہ شخص ملک کے بڑے بڑے صیغوں کے ذمہ دار افسر اعلیٰ حسب تفصیل ذیل ہوتے تھے

۱۔ کھنا پاشا کا نائب اور اس کا پرائیویٹ سکرٹری (میر منشی)

۲۔ دفتر دار خراج کے کاروبار کو دیکھتا تھا اور آجکل کے وزیر مال کی بجائے ہوتا تھا۔

۳۔ امیر الخزینہ۔ ملک مصر کا مخصوص خراج لے کر آستانہ کو جاتا اور شاہی خزانے میں داخل کرتا تھا۔

۴۔ امیر الحج۔ حج کے ایام میں حجاز کو جانے والے قافلہ کا سردار رہتا تھا۔

۵۔ تین قبالین۔ سویس دمیاط اور اسکندریہ کی سرحدوں کی (کمان) سپہ سالاری کے واسطے۔

۶۔ پانچ مدیر (مہتمم) جرجا۔ البحیرہ۔ المنوفیہ۔ اور شرقیہ و غربیہ اقلیموں کے ایسے ہی چار "کشاف" قلیوبیۃ، منصورہ۔ الجیزہ۔ اور فیوم کی اقلیموں کے واسطے بھی ہوتے تھے جن کے کام دوسرے اقلیموں کے مُدیروں (بگ) کے ایسے ہوتے تھے۔

اور دیگر صیغوں میں قاضی امین۔ ضربخانہ (مہتمم ٹکسال) اور محتسب کو شمار کرنا چاہیے اور فوج سے حسب ذیل چھ فرقے مراد تھے۔ جنکو "وجاق" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

(۱) وجاق المتفرقہ۔ سلطانی باڈی گارڈ کے چیدہ لوگوں سے مرتب ہوتا تھا۔

(۲) وجاق چاؤشیہ۔ یہ فرقہ دراصل سلطان سلیم کی فوج کے دو کپتانوں کی صف سے مرتب ہوا تھا۔ مگر بعد میں ان کو خراج وصول کرنے کی خدمت سپرد کی گئی۔

(۳) وجاق ہجانہ (سترسواروں کا رسالہ)

---

[۵] شاگرد پیشہ یا خانہ زاد۔ مترجم۔

۴- وجاق بندوقچیوں کا۔ یہ لوگ بندوقوں سے مسلح رہتے تھے۔

۵- وجاق نیگچری۔ یہ دولت عثمانیہ کے مطیع چیدہ قبائل کے ملے جلے لوگ ہوتے تھے ان کو مستحفظین بھی کہتے تھے۔ جس کی وجہ ملکی حفاظت کا ان کے ساتھ وابستہ ہونا تھی۔

۶- وجاق العرب۔ عربی النسل لوگوں کی فوج۔

ان تمام وجاقات میں سے ہر ایک بہت سے آدمیوں سے مرتب تھا۔ جن کو مجموعی حیثیت سے وجاق اور ایک شخص کو "وجاقلی" کہتے تھے۔ ہر وجاق پر ایک افسر ملقب بہ آغا ہوتا تھا جس کے ساتھ کخیا۔ باش اختیار دفتر دار خزانہ دار اور روزنامچے رہتے تھے۔ (۱) اور تمام وجاقات کے مذکورہ بالا افسروں کے مجموعہ سے پاشا کی مجلس شوریٰ مرتب ہوتی تھی۔ اور پاشا بغیر ان سب لوگوں کی منظوری کے کسی معاملہ میں آخری حکم نہیں صادر کرتا تھا۔

ملازموں کی قلیل تعداد

مصر کی مرکزی حکومت کے نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ جو بیان ہوا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے مؤظفین کی تعداد (فوجی محکمہ کو چھوڑ کر) پچاس سے زائد نہیں۔ اس لئے اگر ہم ان کے لواحقین یعنی کاتبوں اور نائبوں وغیرہ کو بھی اعتبار کریں تو اگرچہ شاید سب کی تعداد ۲۰۰ یا یوں کہو کہ ۳۰۰ بلکہ ۴۰۰ تک بھی پہونچ جائے۔ تاہم وہ اس زمانہ میں گورنمنٹ کے صیغہ جات وزارت مجلس وزرا اسٹاف۔ محکمہ حفظان صحت۔ پولیس۔ جیلخانہ جات اور دوسرے تمام صیغوں کے مؤظفین کی تعداد دو ہزار سے بھی زائد ہے۔ اور اس کا بیان ذیل میں کیا جاتا ہے۔

مصری حکومت کے وظیفہ خوار بحالت موجودہ دو قسم کے ہیں۔ پہلی قسم میں عمال شمار ہوتے ہیں۔ یعنی جو لوگ اس کے انتظامی کاروبار کے ذمہ دار ہیں ان میں وزرا و تمام محکموں کے اعلیٰ افسر اور دفتروں اور حساب و کتاب کے نگراں لوگ شامل ہیں۔ دوسری جماعت خادموں کی ہے۔ جن میں فراش اور دربان وغیرہ شامل ہیں۔ مگر اس مقام پر ہم صرف طبقہ عمال کے مؤظفین کی تعداد درج کرتے ہیں۔ جو وزارتوں اور محکموں اور دفتروں کے لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے۔ (۲)

(۱) تاریخ عصر الحدیث ج ۲ ص ۹۷ (۲) رپورٹ مصری حکومت کی بابت ۱۹۰۲ء

مصری گورنمنٹ کے طبقہ عمال کے موظفین کی تعداد بابت سنہ ۱۹۰۲ء

معیت اور اس کے توابع (اسٹاف)	۱۱۲۱	میزان سابق	۲۰۳۲
مجلس وزراء	۱۸	وزارت داخلہ	۱۸۶
" شوریٰ	۲۶	" انصاف (عدالت)	۲۷۶۰
وزارت خارجہ	۲۴	" اشغال	۶۲۹
" مال	۴۱۹	" جنگ	۳۲۰۶
" تعلیمات	۴۲۴	ملک کے انتظامی امور اور ملکی آمدنی کا صیغہ	۱۷۱۵
میزان	۲۰۳۲	میزان	۱۰۶۲۸

میزان سابق	۱۰۶۲۸	میزان سابق	۲۰۷۷۷
محکمہ پولیس	۶۶۴۴	محکمہ تار برقی	۳۲۷
" حفظان صحت	۵۲۶	بندرگاہ اسکندریہ	۲۹
" جیلخانجات	۱۰۵	محکمہ پوسٹ آفس	۵۵۰
غلاموں کی خرید و فروخت روکنے کا محکمہ	۱۵	فنارات	۱۰۳
		لیمانات	۶
دفتر خانہ	۳۶	منع اشیائے ممنوعہ	۱۵
چنگی	۵۱۰	مدارس ماتحت سررشتہ تعلیم	۳۰۱
فوج محافظ سواحل	۲۱۸	کتب خانہ خدیوی	۱۱
دخولیات	۱۴۰	عجائب خانہ	۱۴
مچھلی کے شکار گاہوں کے منتظم	۴	ملکی مطبع (گورنمنٹ پریس)	۹۴
رسالت	۱۳	املاک میری آزاد (مطلق) اور مشترکہ	۹۰
ریلوے	۱۹۲۸	ملکی کمیشن	۲۲۷
میزان	۲۰۷۷۷	میزان کل	۲۲۴۵۴

گویا کہ مصری حکومت کے تمام وہ وظیفہ خوار جو طبقہ عمال سے ہیں بائیس ہزار چار سو چون ہیں۔ مگر جب ہم ان میں سے ان فاضل آدمیوں کے محکموں کو نکال ڈالیں جن کو حکومت کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں ہے اور جو حسب ذیل ہے :۔

ریلوے جات	۱۹۳۸	فنارات	۱۰۳
ٹیلیگرام	۳۲۷	لیمانات	۶
بندرگاہ اسکندریہ	۲۹	دفتر متفرقہ	۱۵
محکمہ پوسٹ آفس	۵۵۰	میزان	۲۹٦۸

اور ملکی انتظامات کے محکمے جس کے مؤظفین کی تعداد ۱۷۱۵ ہے تو اس کی میزان کل ۴۶۸۳ اصلی عدد سے نکال ڈالنے کے بعد ۱۷۷۷۱ اشخاص ایسے رہ جائیں گے۔ جو فوجی خدمات کے سوا صرف دیگر ملکی محکموں میں ملازم ہیں اور اسی تعداد کا معلوم کرنا اس عظیم الشان فرق کو عیاں کردے گا جو آج کل کے سرکاری ملازموں اور ایام ممالیک کے سرکاری ملازموں کی تعداد میں تھی۔ اور اسی پر عباسی حکومت کے عہد کے سرکاری ملازموں کو قیاس کرلو۔

عہد حاضر میں ملازموں کی کثرت کے اسباب

اس کے علاوہ اوراق گذشتہ میں دولت عباسیہ کے مصارف کی جو فہرست درج ہوئی ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس وقت میں زیادہ تر وظیفہ خوار فوجی لوگ۔ فراش اور شکاری جماعت کے لوگ تھے اور حکومت کے اصلی کارکنوں میں صرف ایک مختصر گروہ تھا جسکا ذکر پچھلے اوراق میں اس طرح کیا گیا ہے "کہ بڑے بڑے اہل قلم دفتروں کے ملازمین۔ خزانچی اور دربان لوگ مع الخ۔ اور عبداللہ بن سلیمان (وزیر) اور اسحٰق بن ابراہیم قاضی اور سوار لوگ اور جیلخانوں اور جانوروں کے دانہ چارہ کے مصارف" اور اسی طرح کے چند دوسرے اخراجات اور ہمارا گمان ہے کہ حکومت کے وہ مصارف جو اس کے حقیقی کاموں میں ہوتے تھے اس مال کے نصف حصہ یعنی ۰۰۰۰۱۲۵ دینار سے ہرگز زائد نہیں تھے۔ باوجود اس کے کہ آج مصری حکومت

کے مصارف محض انتظامی صیغوں مالیہ کی تحصیل اور حفظ نظام کے متعلق ۳۲۵۰۰۰ گنیوں سے بھی زائد ہیں۔ اور مملکت عباسی کی وسعت پر لحاظ کرتے ہوئے مصر کا ملک اس کے ایک بہت چھوٹے سے ٹکڑے کے برابر بھی نہ ہوگا۔ اس زیادتی کی وجہ جدید نظام حکومت میں ہر بات کے منضبط رکھنے اور قید تحریر میں لانے کی کوشش ہے۔ جس کے سبب سے ملازموں کی تعداد خواہ مخواہ زیادہ ہوگئی ہے۔

آمدنی کے دیگر ذرائع

اور عباسی دولت کے مصارف کی قلت کا ایک سبب قلت ملازمین کے علاوہ اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے بعض ملازموں کی تنخواہ ایسے مال سے دی جاتی تھی جس کو وہ لوگ آمدنی کے صیغوں سے جداگانہ اور طریقوں سے جمع کیا کرتے تھے۔ اوراق گذشتہ میں دیکھا جا چکا ہے کہ بڑے بڑے اہل قلم لوگوں، دفتروں کے محرروں اور خزانچیوں کی روزانہ تنخواہوں کی مجموعی رقم ۵۶½ دینار یومیہ تھی۔ حالانکہ کچھ یہی لوگ دفتروں کے کل ملازمین نہ تھے۔ بلکہ یہ صرف بڑے عہدہ دار تھے۔ چنانچہ اس کی وضاحت سے بعد اس قول سے ہوتی ہے کہ دفاتر اعطار کے محرروں اور ان کی مجلس تقسیم پر مقرر ہونے والے نائبوں اور ان کے اصحاب اور اعوان اور بیت المال کے خزانچیوں کے سوا اپنی تنخواہیں گرے پڑے مالوں اور مویشیوں کو بے روک چھوڑ دینے والوں پر ہونے والے جرمانوں کی آمدنی سے لے لیتے تھے۔" اس بیان سے ان دنوں کے حسابات کا ایسا اختصار ظاہر ہوتا ہے جیسا آجکل ایک معمولی دوکاندار بھی اپنے حساب کو منضبط رکھنے میں نہیں برتتا۔ چہ جائیکہ حکومت کے صیغوں میں اس کی پابندی کی جاتی ہو۔ لاوارث مالوں اور چھوٹے ہوئے جانوروں کے جرمانوں کی آمدنی محاصل کی مد میں شامل کر کے اس محکمہ کے ملازمین کی تنخواہیں مصارف کے باب میں ڈالنی واجب تھیں۔ اس کے علاوہ ہم کو بھی یہ بات دور از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان قیود کے لئے عباسی حکومت کے دفتروں میں کوئی جگہ نہ مقرر رہی ہو اور شاید اس کا ذکر اس فہرست میں بخیال اختصار یا دیگر اسباب کے ترک کر دیا گیا ہو۔

۲۔ حکومت مقروض نہیں تھی

جدید تمدن کے نتائج میں ایک یہ امر بھی ہے کہ اس وقت تمام یورپین حکومتیں مقروض اور زیر بار ہیں۔ کوئی حکومت ایسی نہیں جس پر ایک کثیر رقم قرض کی نہ ہو جس کا سود یا کسی قدر اصل بھی اسے ہر سال اپنی آمدنی سے ادا نہ کرنا پڑتا ہو۔ اس لئے باوجود اس کے کہ آمدنی کی مدات کثرت سے بڑھادی ہیں اور ایسے ٹیکس مقرر کردیئے ہیں جن کا عباسی حکومت میں وجود بھی نہ تھا اور رہا ہوگا تو بہت خفیف۔ وہ قرض مالی آمدنی کے کندھوں پر ایک بھاری بوجھ اور اس کے بچت کی کمی کا سبب ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انگلستان کی سالانہ آمدنی بارہ کروڑ پونڈ ہے جس کا ۴/۵ حصہ ایسے محصولوں سے وصول ہوتا ہے جو بالکل نوایجاد ہیں اور یہ تمام آمدنی حکومت کے مصارف میں سوخت ہو جاتی ہے۔ اس کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مذکورہ آمدنی کا تقریباً ۱/۴ حصہ ان قرضوں کے سود میں چلا جاتا ہے جو اس گورنمنٹ پر ہیں۔ ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو گورنمنٹ انگلشیہ کے خزانے میں ہر سال تیس ملین پونڈ کی بچت رہا کرتی۔ جو دولت عباسیہ کی پوری ثروت کے برابر ہے۔ کچھ اکیلا انگلستان ہی قرضوں میں مستغرق نہیں بلکہ کم و بیش فرق کے ساتھ تمام دول یورپ کی یہی حالت ہے۔ چنانچہ ذیل کی فہرست میں ہم دنیا کی موجودہ مشہور گورنمنٹوں کے قرضہ کی تفصیل دیتے ہیں۔ یہ مقدار انیسویں صدی کے خاتمہ پر ملین سے کم کسر کو خارج کرنے کے بعد تھی جس کی ترتیب میں ہم نے بڑی رقم کے مقدم رکھنے کا لحاظ کیا ہے۔

دنیا کی مشہور حکومتوں کے قرضے (۱)

۱۲۵...... پونڈ	فرانس	۲........	روس
۷......	انگلستان	۲........	ولایات متحدہ امریکہ

۱۲۸.......	ٹرکی	.... ۵۴	چین		
۱۲.......	اسٹریا	.... ۴۸	جاپان		
۱۰۳.......	مصر	.... ۲۲	اٹلی		
۱........	جرمنی	.... ۱۲	اسپین		
۹۳.......	ہالینڈ	.... ۳۰۳	(میزان کل)		

یہ قرضے ان حکومتوں پر عرصۂ دراز میں ہوئے ہیں جن میں کبھی جنگی ضرورتوں کے لئے قرض لیا گیا ہے اور کبھی مفید اور عظیم الشان کاموں کو شروع کرنے کی غرض یا اور اسباب سے۔ اگرچہ عباسی حکومت بھی ان امور سے مستغنیٰ نہ تھی۔ لیکن اپنے عروج کے زمانے میں وہ ملکی آمدنوں کی بچتوں سے جمع کی ہوئی رقم کو صرف کرتی رہی اور جس وقت انحطاط کے زمانے میں ملکی حاصل کی کمی اور مصارف کی بیشی ہونے سے اس کے بیت المال میں جنگی مصارف پورے کرنے کے لئے کچھ نہیں باقی رہا تو اس نے اپنے بڑے بڑے عہدیداروں اور ارکان سلطنت سے جو بددیانتی وغیرہ کے ذریعوں سے خوب دولت مند ہو گئے تھے زبردستی روپیہ چھیننا شروع کیا اور اس طریقہ کا نام "مصادرۃ" رکھا۔ جس کا بیان موقع سے آئے گا۔

یہودیوں سے قرض اس کے علاوہ بعض حالتوں میں عباسی حکومت چند تاجروں سے غیر میعادی پرزوں اور ہنڈیوں کے ذریعے قرض بھی لے لیا کرتی۔ ایسی معاملت زیادہ تر یہودیوں سے کی جاتی جو سود خواری میں ضرب المثل ہیں۔ ان پرزوں پر بیس فی صدی تک سود کی نوبت پہونچ جاتی تھی۔ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں خلیفہ مقتدر کے وزیر علی بن علیٰ کو جب روپیہ کی ضرورت پیش آتی تو وہ اطراف ممالک سے آنے والی اُن ہنڈیوں پر (بذریعہ کفالت) تاجروں سے روپیہ لے لیا کرتا جن کی میعاد باقی ہوتی تھی اس پر سود کی مقدار ۱½ دانق فی دینار ماہوار ہوا کرتی۔ گویا اگر دس ہزار دینار قرض لیا جاتا تو ان کے سود میں ہر مہینے ۲۵۰۰ درہم ادا کرنے پڑتے بغداد کے جن یہودی مہاجنوں سے اس قسم کا لین دین ہوا کرتا ان میں مشہور تر یوسف اگر

یوسف بن فنحاس نقاجس کی کوٹھیاں اہواز میں بھی تھیں اور ایک دوسرا صراف ہارون بن عمران تھا یا سولہ سال تک جوان دونوں کا قائم مقام رہا ہو اس سے معاملت ہوتی تھی[1] اگر ہم اس داد ستد کو آجکل کے خانگی قرضے سے مشابہت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ان دنوں پرائیویٹ قرض کی شرح سود بہت کم ہوتی ہے اور اس کے اصول بھی جداگانہ ہیں۔

۳۔ اگلے خلفاء کی کفایت شعاری اور تدبیر ملکداری

انتظامی تاریخ میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ حکومتوں کے بانی اور ان کے بعد آنے والے چند امیروں میں کفایت شعاری اور تدبیر کا مادہ بہت غالب ہوا کرتا ہے ورنہ اگر یہ بات ان میں نہ ہو تو ان سے حکومت کی بنیاد قائم کرنے اور اس کی بنیادوں کو استوار کرنے کی صورت ہی نہ بن آئے اس امر کی تعبیر تاریخی فلاسفر "حکومت کے بچپن" سے کرتے ہیں اور بچپن کا خاصہ ہے کہ وہ قوتوں کے ذخیرے کافی بہم پہونچ سکنے سے عمدہ طور پر نشو ونما پاتا ہے۔ اس لئے جبکہ کوئی حکومت اپنے عہد شباب میں داخل ہوتی ہے اور اس کے نمو کا خاتمہ ہو چکتا ہے تو وہ اسی انداز سے الٹے پیروں پیچھے کو واپس چلتی ہے۔ جس طرح انسان پہلے کہولت (ادھیڑ) کی جانب راجع ہوتا ہے اور اس کے بعد بڑھاپے کے دور میں قدم رکھتا ہے۔ دولت عباسیہ "خلیفہ سفاح" کی گود میں نوزائیدہ بچہ کی طرح سے قایم ہوئی۔ منصور نے اسے بچپن ہی کے ایام میں اپنے سایۂ پرورش میں لیا۔ اور اسے خوب کھلا پلا کر پروان چڑھایا۔ یہاں تک کہ وہ رشید اور مامون کے ایام میں بھری جوانی کے وقت تک پہونچ گئی اور اس کے بعد وہ ادھیڑ ہو کر بڑھاپے کی طرف واپس چلی اور پچھلے خلفا کے عہد میں بالکل بڑھیا پھوس ہو گئی۔

خلیفہ سفاح نے ۴ سال حکمراں رہ کر وفات پائی۔ اس نے اپنے ترکہ میں چند کپڑوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں چھوڑی (۲) حالانکہ اگر وہ لالچی شخص ہوتا تو خراج وغیرہ کی آمدنیوں کے علاوہ صرف بنو امیہ کے حاصل کئے ہوئے مال غنیمت

(1) s.tatesmans year Book

(۲) (عـ۲ صفحہ ۳۰۱ پر دیکھئے)

سے وہ بہت دولت جمع کر سکتا تھا۔

منصور کی بیدار مغزی

سفّاح کا جانشین منصور ہوا۔ منصور نے بائیس سال حکومت کی اور اسی اثنار میں اس نے تقریباً .... ۸۱ درہم خزانۂ خاص میں جمع کر لئے۔ وہ مال جمع کرنے پر اس قدر حریص تھا کہ لوگوں نے اسے بخل کے ساتھ متہم کر دیا۔ حالانکہ وہ بخیل نہیں تھا۔ بلکہ موقع اور محل پر بخشش کیا کرتا تھا۔ اور بے جا خرچ کرنا اس کے اصول کے خلاف تھا۔ جب تک وہ اس بات کو نہیں سمجھ لیتا تھا کہ اس موقع پر مال صرف کیا جائے تو اس کی حکومت کو کچھ نفع پہنچے گا اس وقت تک وہ ایک حبہ خرچ کرنا نہیں جانتا تھا جس بیدار مغزی سخت گیری اور انصاف کی حکمت عملی کے ساتھ عباسی حکومت کو منصور نے قوت پہونچائی ہے وہ بالکل حضرت عمرؓ کے اس طرز عمل سے مشابہ ہے جو انہوں نے اسلام کو قوت دینے میں برتا تھا۔ اس کی کفایت شعاری، تدبیر اور دور بینی پر استدلال کرنے کے لئے صرف اس کی وہ وصیت کافی ہے جو آخری وقت میں اپنے فرزند "مہدی" کو کی تھی۔ اس نے کہا:۔

منصور کی وصیت

میں نے تمہارے واسطے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اگر دس سال تک ملک کا خراج نہ وصول ہو تو بھی فوج کی تنخواہوں ملکی مصارف خاندانی خرچ اور حملوں کی تیاری کے لئے کافی ہے۔ دیکھو خبردار کبھی عورتوں کو حکومت میں شریک نہ کرنا اور رعایا سے مال لے کر متمول بننے اور فضول خرچی کرنے سے محترز رہنا۔ سرحدوں کو بہت مستحکم رکھنا۔ ملک کے اطراف کا عمدہ طور پر نظم ونسق کرنا۔ عام راستوں کو بے خطر رکھنے اور رعایا سے نرم برتاؤ کرنے اور ان کی مصیبت کو دفع کرنے کی کوشش کرنا۔ روپیہ کو بہم کرنے اور ضرورت کے لئے جمع کرنے سے غافل نہ ہونا۔ کیونکہ حادثات کے پیش آنے سے بچاؤ ممکن نہیں ہے اور

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۴۲)

(۲) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۱۹

یہ بھی زمانے کا ایک دستور ہے۔ جہاں تک ممکن ہو قابل آدمیوں عمدہ گھوڑوں اور سر فروش سپاہ کو جمع کرتے رہنا۔ خبردار آج کا کام کل پر نہ چھوڑنا۔ ورنہ ان کی تلافی ناممکن ہو جائے گی اور وہ برباد جائیں گے۔ رات کے وقت اس قسم کے آدمی مقرر کرنا جو دن کے وقت ہونے والی باتوں کی تم کو خبر دیں اور دن کے وقت ایسے لوگوں کو جو رات کے واقعات سے تمہیں آگاہ کریں۔ کاموں کو خود دیکھنا بھالنا۔ پریشانی اور سستی کو پاس نہ آنے دینا۔ اپنے عاملوں اور کاتبوں کی نسبت نیک و بد دونوں طرح کے گمان رکھنا اور بیدار مغزی کو اپنا اصول بنانا۔

فضول کاموں سے نفرت

منصور نے اپنی حکومت کا بائیس سالہ زمانہ پورا کر دیا اس تمام عرصہ میں اس نے اپنے ایوان کے اندر لہو و لعب یا اسی قسم کی کوئی بات کبھی نہیں ہونے دی۔ ہاں ایک بار وہ اپنی مجلس (دربار خاص) میں بیٹھا تھا اور "حماد ترکی" اس کی پشت پر ایستادہ تھا اسی اثنا میں اس نے کسی قدر شور و غل کی آواز سنی اور حماد کو اس کا سبب دریافت کرنے کا حکم دیا۔ حماد نے جا کر دیکھا کہ منصور کا ایک خادم بہت سی لونڈیوں کے ساتھ حلقہ میں بیٹھا ہوا طنبور بجا رہا ہے اور وہ سب ہنستی اور قہقہے لگاتی جاتی ہیں۔ وہ یہ واقعہ دیکھ کر واپس آیا اور خلیفہ سے صورت حال عرض کی۔ خلیفہ نے حیرت سے پوچھا۔ طنبور کیا چیز ہے" حماد نے اس کی لفظی تصویر بیان کی۔ جس کے بعد منصور نے پوچھا۔ "تم کو طنبور کا علم کیونکر ہوا؟" حماد نے کہا" میں نے اس کو خراسان میں دیکھا تھا" بعد ازاں منصور خود اٹھ کر اس مقام پر گیا تو لونڈیاں تو اس کی صورت دیکھتے ہی بھاگ گئیں۔ مگر اس نے خادم کی نسبت یہ حکم دیا کہ طنبور کو اسی کے سر سے ماریں اور جب طنبور ٹوٹ گیا تو خادم کو محل سے نکلوا دیا اور فروخت ہونے کے لئے بازار میں بھیج دیا۔

کفایت شعاری

لباس کی بابت منصور اپنی ذات کے لئے بڑا بخیل تھا، وہ صرف ایک ہروی جبہ اوڑھے رہتا اور کرتے میں پیوند

بھی لگاتا تھا۔ اگر اس سے کوئی شخص کچھ مانگتا تو جب تک بخشش ضروری نہ ہوتی وہ بخل ہی سے کام لیا کرتا۔ بسا اوقات اس سے کوئی ایک درہم کا سوال کرتا مگر وہ ہرگز نہیں دیتا تھا۔ اور دوسرے شخص کو بلا مانگے ہوئے ایک ہزار درہم دے ڈالتا مثلاً ایک مرتبہ اس کا ایک پرانا دوست خلافت کے بعد اس سے ملنے آیا جو بہت تنگ حال تھا۔ منصور نے اس سے دریافت کیا "تمہارے بال بچے کتنے ہیں؟" اس نے کہا۔ "تین لڑکیاں ایک بیوی اور ان کا ایک خادم" منصور نے یہ بات سنکر جواب دیا۔ "تم اہل عرب میں بہت خوش حال ہو۔ تمہارے گھر میں چار چرخے چلتے ہیں" اور اسے کچھ بھی نہیں دیا۔ مگر جبکہ "عیسٰی بن نہیک" نے وفات پائی تو منصور نے اس کے خادم سے دریافت کیا کہ "متوفی نے کس قدر مال ترکہ میں چھوڑا ہے؟" خادم نے جواب دیا کہ "ہزار دینار نکلے تھے وہ سب اس کی بیوی نے اس کے ماتم میں خرچ کر ڈالے"۔ پھر منصور نے پوچھا "اور اس نے لڑکیاں کتنی چھوڑی ہیں؟" خادم نے کہا "چھ" یہ سنکر منصور نے تھوڑی دیر سر جھکا کر غور کیا۔ پھر ہر ایک لڑکی کے واسطے تیس ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور ان کا نکاح کرا دینے کی بھی کوشش کی۔ یا اسی منصور نے صرف ایک دن میں اپنے کنبہ والوں کو ایک کروڑ درہم تقسیم کر دیئے تھے۔ (۱)

ہارون الرشید کی سخاوت

منصور کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مہدی جانشین ہوا جو ہمہ وجوہ اپنے باپ سے مشابہ تھا کہ از انجملہ ایک امر معاملات کی تہ تک پہنچنا بھی ہے۔ اس کے ایام میں دفتروں کی ترتیب صیغہ جات حکومت کی تنظیم اور ملکی قواعد کا تقرر ہوا۔ یہ تمام نظم و نسق اس کے وزیر "معاویہ بن یسار" نے کیا تھا۔ (۲) مہدی بذات خاص لوگوں کے قصے تصفیے فیصل کرنے کے واسطے دربار عام کیا کرتا۔ وہ بڑا خدا ترس اور پاک دامن تھا۔ مگر اسی کے ساتھ وہ اپنے باپ کی طرح سخت کفایت شعار نہیں تھا۔ "مہدی" کے بعد "ہادی" حکمراں ہوا جس کی مدت خلافت بہت کم ہے۔ اور اس کے بعد "رشید" کا نمبر آیا۔ اس زمانہ میں حکومت کا انتظام

(۱) ابن اثیر ج ۶ ص ۱۳ (۲) فخری ص ۱۶۳

برمکی خاندان کے وزیروں کے ہاتھ میں پہونچ گیا تھا۔ اور عہدہ داروں کی تنخواہیں بہت بڑھادی گئی تھیں۔ مال و دولت کی فراوانی تھی، برامکہ بذاتہ بڑے کریم اور سخی تھے انہوں نے خلفا کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور اس بات پر ان کو برانگیختہ کر کے بے حد فیاض بنادیا۔ بچپن کے عہد سے وہ لوگ خلفاء کو اس کی طرف مائل کیا کرتے تھے۔ یحییٰ برمکی "رشید" کا اتالیق تھا۔ ایک دن اسے سیر کرانے لے جارہا تھا راہ میں کسی آدمی نے کھڑے ہوکر کہا: "امیر المومنین میری سواری کا جانور ہلاک ہوگیا ہے"۔ رشید نے کہا: "اسکو پانچسو درہم عطا کیے جائیں"۔ یحییٰ نے اس بات کو سن کر آنکھ کا اشارہ کیا۔ جب وہ آدمی چلا گیا تو رشید نے یحییٰ سے کہا: "باباجان جس وقت میں نے درہموں کے عطا کئے جانے کا حکم دیا ہے تو آپ نے مجھ سے کچھ اشارہ کیا تھا۔ اس کا کیا مطلب تھا؟" یحییٰ نے کہا۔ "آپ کے ایسے لوگوں کی زبان سے اتنی چھوٹی رقم نہیں نکلنی چاہیے۔ بلکہ آپ کو پانچ لاکھ اور دس لاکھ کہنا زیبا ہے"۔ رشید نے پوچھا "پھر اگر مجھ سے اس قسم کا سوال ہو تو میں کیا کہا کروں۔؟" یحییٰ نے کہا یہ فرمادیا کیجئے کہ اس کو ایک جانور خرید دیا جائے جس کو یہ اپنے ہم چشموں کی طرح استعمال کر سکے۔ (۱) رشید جو کہ فطرتاً جود و کرم کی طرف مائل تھا ایسی باتوں نے اسے اور بھی شوق دلادیا۔ یہاں تک کہ وہ برامکہ کے ارادہ کی حد سے بھی بہت دور نکل گیا جس کی وجہ سے وہ خود ہی گھبرا کر اسے ایک حد پر روکنے کے درپئے ہو گئے۔ (۲) اور اس کے بعد خلفا نے فضول خرچی اور دولت کی نمائش میں اتنا توغل کیا کہ یہی باتیں ان کی سلطنت کے مٹ جانے کا سبب بن گئیں جس کا بیان آگے آئے گا۔

خلاصہ ان تمام باتوں کا یہ ہے کہ ثروت عباسیہ کے اسباب۔ آمدنی کی کثرت اور مصارف کی قلت ہیں۔ کثرت آمدنی کے اسباب یہ تھے:۔

(۱) ملک کی وسعت۔

(۲) لوگوں کا دلی اطمینان کے باعث زراعت تجارت اور کاروبار میں مصروف ہونا۔

(۳) زمین کا بھاری لگان۔

---

(۱) سیر الملوک ۸۰۔ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۳۴۲ ۱۳۔

(۴) عاملوں کا دیانت داری کے ساتھ سرکاری آمدنی دارالخلافت بغداد میں بھیجتے رہنا۔ اور قلت مصارف کے اسباب یہ تھے :-

(۱) ملازموں کی کمی۔

(۲) حکومت کا مقروض نہ ہونا۔

(۳) اگلے خلفار کی کفایت شعاری۔

دولت عباسیہ کی ثروت

انحطاط کے زمانے میں

انحطاط کے اسباب کی تمہید

ہر ایک حکومت کے چند دوران ادوار زندگی کے مشابہ ہوتے ہیں۔ جو بچپن سے لیکر بڑھاپے تک آتے رہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے دولت عباسیہ کی بھری جوانی کا زمانہ رشید اور مامون کا زمانہ تھا۔ جو اس کے عروج کا دور ہے۔ ان دونوں خلفا کے بعد وہ کہولت (ادھیڑپن) کی جانب گر چلی اور آخر کار بڑھاپے کے دور میں جا پہونچی۔ جس طرح ملک شام کی اموی حکومت کا عہد شباب عبد الملک بن مروان اور اس کے بیٹے ولید کا زمانہ رہا۔ اور اندلس کی اموی حکومت کی جوانی خلیفہ ناصر اور اس کے بیٹے حکم کی فرماں روائی میں ہوئی۔ اور دولت عثمانیہ کا دور شباب سلطان سلیمان خان اعظم کے عہد میں ہوا تھا۔ اسی پر اور حکومتوں کی حالت بھی قیاس کی جا سکتی ہے۔ ابن خلدون نے حکومت کے زمانے کو پانچ دوروں پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ فتحمندی۔ ۲۔ استبداد۔ ۳۔ اطمینان اور سستی۔ ۴۔ صلح جوئی اور قناعت پسندی۔ ۵۔ اسراف اور فضول خرچی۔ (۱)

---

(۱) ابن خلدون جلد ۱۔ ص ۱۴۷

مگر یہ ایک اجمالی تقسیم ہے جو بسا اوقات بغیر کسی تاویل کے تمام حکومتوں کے حالات پر پوری طور سے منطبق نہیں ہوتی۔ لیکن جو تقسیم عمر کے اعتبار سے کی گئی ہے وہ اتنی صریح اور واضح ہے کہ اس میں کسی قسم کا خلل نہیں پڑ سکتا۔ قبل اس کے ہم عصر انحطاط کی عباسی ثروت سے بحث کریں ہم کو پہلے اس انحطاط کے اسباب بیان کر دینے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ جن کا تعلق اس کتاب کے موضوع سے ہے اور وہ حسب ذیل ہیں :

(اہل عرب اور اہل فارس) اگلے بیانوں سے یہ بات معلوم ہو چکی ہو گی کہ دولت عباسیہ کا قیام عموماً صرف اہل فارس اور خصوصاً خراسانیوں کی امداد اور اعانت سے ہوا۔ اور ان لوگوں نے محض اس غرض سے عباسی حکومت کی مدد کی کہ وہ بنو امیہ سے اس عربی تعصب کا انتقام لیں۔ جو وہ لوگ اپنی مطیع و منقاد غیر قوموں کے ساتھ خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں حقارت آمیز برتاؤ کے ذریعے سے ظاہر کیا کرتے تھے۔ عباسیوں نے بھی اہل فارس کا احسان مانا اور جہاں تک ان سے ہو سکا انھیں اپنا مقرب بنایا۔ حکومت کے بڑے بڑے کام ان کے ہاتھوں میں دیدیئے۔ اپنے وزیر، عامل اور کاتب وغیرہ سب فارسی النسل لوگوں میں سے مقرر کئے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ اہل عرب کا اعزاز کم ہو گیا اور وہ حکومت کو خوف زدہ اور بری نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اور اس کے بداندیش ہو گئے۔ لیکن ان کو اپنے اقتدار اور اثر کو دوبارہ واپس لینے کی کوئی تدبیر نہیں ملتی تھی۔ برامکہ کے ایام میں فارسیوں کا رتبہ عباسیوں کے نزدیک اور بھی بلند ہوا جس کی وجہ سے اہل عرب کا کینہ بھی ان سے اور بڑھ گیا اور وہ باوجود برامکہ کی سخاوت فیاضی اور خوش اخلاقی کے ان کے مخالف بن کر انھیں برباد کرنے کی سرگرم کوششیں عمل میں لاتے رہے اور ممکن ہے کہ برامکہ کے جود و سخا میں مبالغہ کرنے کی اصلی علت صرف اپنی منزلت کا بچاؤ کرتے رہنے کی خواہش رہی ہو تاہم وہ ان اہل عرب کے طرفدار حاسدوں کے اڑنگے میں آ ہی گئے۔ جو ان کے گرانے کے درپے تھے اور بد لوگوں نے خلفا کے پاس رسوخ حاصل کر کے اپنا کام نکال ہی لیا۔ انھوں نے برامکہ کی شکایت کی اور ان پر تہمت لگائی کہ وہ لوگ اپنا رسوخ اس لئے بڑھا رہے ہیں کہ آخر کار

ایک دن ملک پر قبضہ کر بیٹھیں۔ آخر ان شکایتوں کا اثر ہوا اور رشید نے برامکہ کے ساتھ جیسا سلوک کیا وہ مشہور ہے۔ برامکہ کی چغلی کھانے والوں میں "فضل بن الربیع" کا نام بہت مشہور ہے۔ جو اگرچہ عربی النسل نہیں تھا لیکن بوجہ اس کے کہ اس کا نسب حضرت عثمان بن عفانؓ کے ایک آزاد کردہ غلام سے ملتا تھا اہل عرب کی طرف اپنی نسبت ضرور کرتا تھا۔ (۱)

اہل فارس کا اقتدار

برامکہ کی تباہی کے بعد بادی النظر میں اہل عرب نے یہ خیال کیا تھا کہ اب وہ پھر اپنی گذشتہ شوکت و عظمت دوبارہ حاصل کر سکیں گے۔ جب رشید نے وفات پائی اور اس کے دونوں بیٹوں امین اور مامون میں جھگڑا برپا ہوا تو "امین" جس کے ماں اور باپ دونوں عربی الاصل تھے، کیونکہ اس کی ماں "زبیدہ" منصور کی پوتی تھی) اہل بغداد نے (جن میں عرب کی جنگی فوج بھی شریک تھی) اس کی امداد کی اور مامون جس کی ماں ملک فارس کی لڑکی تھی اور وہ خراسان ہی میں اپنے ننھیالی لوگوں اور طرفداروں کی جماعت میں تھا (۲) تو خراسانیوں نے جس طرح اس کے اجداد کی اعانت کی تھی اسے بھی ویسی ہی مدد دی۔ یہ جھگڑا امین کے قتل اور مامون کی کامیابی پر ختم ہوا۔ جس کی وجہ سے فارس والوں کا نفوذ پھر بڑھا اور اب وہ سابق سے زیادہ اہل عرب کی آبروریزی کرنے لگے۔ عربوں پر یہ حالت بے حد شاق تھی اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ "حسن بن سہل" کا ایسا مجوسی الاصل فارسی جو تھوڑے ہی دنوں سے مشرف باسلام ہوا تھا، وزیر اعظم مقرر ہوا۔ اہل عرب اس کے اسلام کے قائل نہیں تھے۔ اور بالاعلان طنزاً کہتے تھے "ہم ہرگز اس مجوسی بچہ کو پسند نہیں کرتے" چنانچہ انہوں نے حکومت سے بغاوت بھی کر دی۔ جس پر وہ زبردستی مغلوب کیے گئے۔ اور مجبور بنا کر مطیع کر لیے گئے (۳) مامون بغداد میں آیا اور اس کو اور اس کے یاروں کو اطمینان کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع ملا تو اس نے علم اور فلسفہ کی طرف توجہ کی جسکے

---

(۱) ابن خلکان جلد ۱ ص ۴۱۲ - (۲) ابن اثیر ج ۶ ص ۹۲ (۳) ابن اثیر ج ۶ ص ۱۲۹۔

سبب سے قرآن کریم کے مخلوق ہونے کا قائل بنا اور اس بات سے اہل عرب اور بھی اس کے مخالف ہو گئے۔ لیکن وہ ناچار تھے اور خلیفہ کو اس بات سے باز نہیں رکھ سکتے تھے

اہل ترک

سنہ ۲۱۸ھ میں مامون نے وفات پائی اور عنانِ خلافت اس کے بھائی معتصم باللہ کے ہاتھوں میں آئی۔ معتصم کی ماں ترکی خاندان کی عورت تھی اور ملک ترکستان کے شہر سوز کی رہنے والی (۱) لہٰذا معتصم ابتداء سے ترکوں سے محبت رکھنے پر مائل رہا۔ اور فارس والوں سے جنہوں نے اس کے بھائی امین کو قتل کیا تھا پر خطر رہا۔ کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ جس میں فارسی لوگوں نے ایک خلیفہ کے قتل کرنے کی جرات کی تھی۔ دوسری جانب اسے عربی فوجوں پر بھی سچا اعتبار نہ تھا۔ کیونکہ عباسیوں نے انھیں ذلیل اور خوار بنا کر بالکل کمزور کر دیا تھا۔ مزید بریں اس کے بھائی مامون نے مرتے وقت اسے اہل عرب سے برسر جنگ رہنے کی وصیت بھی کر دی۔ اس لئے اسے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں تھا کہ عربی اور فارسی عناصر کے سوا وہ کسی اور عنصر کو اپنا مددگار بنائے۔ اس زمانے میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بلاد ماوراء النہر تک جا پہنچا تھا۔ اور وہاں کے عامل خلفا کی خدمت میں جو ہدیہ بھیجا کرتے منجملہ ان کے ترکوں اور فرغانہ والوں کے نوعمر لڑکے بھی ہوتے تھے۔ معتصم کو بوجہ اس بات کے کہ اس کی ماں کا نسب ان قوموں سے ملتا تھا ان لڑکوں کے جمع کرنے میں آسانی ہوئی اور اس نے کئی ہزار ترکی نوجوان فراہم کئے کچھ بطور غلاموں کے اس نے مول لئے اور بہت سے اس کے پاس ہدیئے کے طور پر بھی آئے۔ ان ترکی غلاموں کی اتنی کثرت ہوئی کہ ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہونچ گئی۔ (۲) اور بغداد میں ان کے رہنے کو جگہ نہیں ملی۔ اس کے علاوہ بغداد کے باشندے ان لوگوں کے بداطواریوں سے بھی گھبرا اٹھے۔ اس نے معتصم نے ایک جداگانہ شہر "سامرا" بغداد کی حدود کے باہر بنوایا اور ان غلاموں کو وہاں

---

(۱) ابن اثیر ج ۶ ص: ۲۱۵ - (۲) ترمانی ص ۱۵۷

رکھا(۱) اُن کی تنخواہیں مقرر کیں اور انھیں سے فوجیں مرتب کرائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ترکی غلاموں نے اس کی حکومت کو بہت کچھ قوت دی اور جو لڑائیاں معتصم کو اپنے ترکی اور رومی دشمنوں سے لڑنی پڑیں ان میں اس جماعت نے بہت کچھ شجاعت کے جوہر دکھا کر اسے فتحمند بھی بنایا۔ لیکن دوسری جہت سے یہی لوگ دولت عباسیہ کے زوال کا سبب بھی بن گئے۔ یہ لوگ مال کے لالچ میں فرد تھے۔ اور اپنا نفوذ بڑھاتے جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت اس کا خزانہ اور خلفا سب ان کی خود غرضیوں کے شکار بن گئے۔

مامون کی شرافت

خلیفہ مامون ایک ذی علم اور دانا شخص تھا۔ اس کے محرم راز اور مصاحب سب کے سب عالم اور حکیم تھے اور اسی کے ساتھ وہ بے حد نرم دل بھی تھا۔ چنانچہ اس کی نیک مزاجی اور رقت کو لوگ مثال دینے کے طور پر بیان کرتے تھے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم لکھتے ہیں کہ ایک دن میں خلیفہ مامون کے ساتھ "مہدی" کے بنوائے ہوئے باغ میں گشت کر رہا تھا اور جس پہلو پر میں چل رہا تھا ادھر دھوپ کا رخ تھا یعنی میں خلیفہ پر سایہ کئے ہوئے اسے دھوپ سے بچاتا تھا۔ جب میں اسی طرح اس روش کے آخر تک پہونچا اور وہاں سے واپسی کا ارادہ کیا تو میں نے ارادہ کیا کہ پھر دھوپ کی طرف ہو کر خلیفہ پر سایہ کرلوں مگر خلیفہ نے مجھ کو روک دیا اور کہا "ٹھہرو۔ اور اپنی حالت ہی پر رہو تاکہ جس طرح تم نے مجھے دھوپ سے بچایا ہے میں بھی تمہیں بچاؤں۔" قاضی یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے کہا "امیرالمومنین اگر مجھ سے بن پڑتا کہ میں آپ کو آگ کی سوزش سے بچا سکوں تو میں اس کو نہایت خوشی سے کر گزرتا۔ چہ جائیکہ دھوپ سے بھی نہ محفوظ رکھوں" مگر خلیفہ نے ان کو جواب دیا۔ "یہ امر صحبت کے کرم سے بعید ہے اور یہ کہہ کر خود دھوپ کی سمت میں مجھ پر سایہ کرتے ہوئے ویسے ہی ٹہلنا شروع کیا جیسے کہ میں نے سایہ کر رکھا تھا۔(۲)"

یہی قاضی یحییٰ بیان کرتے ہیں: "ایک دن میں خلیفہ مامون الرشید کے پاس سو رہا

(۱) یعقوبی (کتاب البلدان ۳۳) (۲) عقد فرید ج ۱ ص ۲۰۹

تھا۔ اتفاقاً ان کو پیاس ہوئی۔ مگر وہ میری نیند اچٹنے کے خیال سے رک گئے اور کسی غلام کو اس خیال سے آواز نہیں دی کہ مبادا شور سے اس کی نیند میں خلل پڑے۔ حالانکہ میں درحقیقت جاگ رہا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ پنجوں کے بل اٹھ کر پانی رکھنے کی جگہ تک دبے پاؤں گئے اور ایک کوزہ اٹھا کر پانی پینے کے بعد ویسے ہی دبے پاؤں پنجوں پر چل کر میرے بستر کے قریب آئے پھر وہاں سے ہوشیاری کے ساتھ آہستہ قدم بڑھا کر اپنے بستر پر چلے گئے۔ اور یہ سب محنت اس لئے کی کہ کہیں میری آنکھ نہ کھل جائے۔"

نوکروں کے ساتھ نرمی

مامون نے اپنے حاشیہ کے لوگوں اور ارکان دربار کے ساتھ اتنی ملاطفت برتی کہ آخر کار اس کے خادم تک اس سے گستاخیاں کرنے اور اس کو بے حقیقت سمجھنے لگے تھے۔ عبداللہ بن طاہر کا بیان ہے کہ ایک دن میں خلیفہ مامون کی خدمت میں موجود تھا۔ خلیفہ نے خادم کو آواز دی "ارے لڑکے" کوئی نہیں بولا۔ پھر اس نے دوبارہ زور سے آواز دی "ارے لڑکے" جس کے بعد ایک ترکی چھوکرا یہ کہتا ہوا آیا۔ "بس چھوکرے کو نہ کھانے دیا جائے نہ پینے۔ جہاں ہم لوگ آپ کے روبرو سے ہٹے اور آپ نے ارے چھوکرے ارے چھوکرے کی ہانک لگائی۔ آخر کہاں تک ارے چھوکرے ارے چھوکرے" کی رٹ رہے گی؟" خادم کی یہ باتیں سن کر خلیفہ اتنی دیر تک سر جھکائے ہوئے بیٹھا رہا کہ مجھکو یقین ہو چلا کہ اب مجھے اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیگا۔ مگر دیر کے بعد خلیفہ نے میری جانب دیکھ کر فرمایا۔ "عبداللہ! یہ کیسی مشکل ہے؟ اگر کسی شخص کی عادت اچھی ہو تو اس کے خادموں کی عادتیں بگڑ جاتی ہیں۔ اور آقا بدمزاج ہوتا ہے تو نوکروں کے ہوش ٹھکانے رہتے ہیں۔ مگر مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کمبخت نوکروں کی عادتیں سدھارنے کے لئے اپنا مزاج بگاڑ ڈالوں" (۱)

معتصم کا طرز عمل

باوجود علم ادب، فضل و کشادہ دلی کے مامون کے مناقب نرم دلی اور نیک مزاجی کے لحاظ سے بہت اعلیٰ تھے۔ اس کا

(۱) مستطرف جلد ۱ صفحہ ۹۶۔

جانشین معتصم ہوا۔ جو علم سے کورا اور کچھ یونہی سا لکھ پڑھ سکتا تھا۔ (۱) اسی کے ساتھ بڑا غصہ ور۔ اور سخت کینہ پرور (۲) گھوڑے کی سواری اور گیند بازی میں مصروف رہنے والا۔ (۳) جسمانی قوت نے اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام کر کے اسے اسکے لئے موزوں بنا دیا تھا۔ وہ ایک ہزار رطل[1] کا بوجھ اٹھا کر چند قدم تک بخوبی لے چلتا تھا (۴) جب ارکان سلطنت نے دیکھا کہ معتصم اور اس کے بھائی مامون کی عادات واطوار میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو وہ اس کی طرف سے بدگمان ہو گئے اور جس خلوص کے ساتھ وہ مامون کے عہد میں حکومت کی خدمت کر چکے تھے، اس سے پہلو تہی کر گئے۔ اس لئے معتصم کو ترکوں اور فرغانہ والوں سے اور زیادہ میل رکھنے کی ضرورت پیش آئی اور اس پر طرہ یہ تھا کہ وہ اپنے بھائی مامون کی اس رائے کا بھی پابند تھا جو اس نے قرآن کریم کو مخلوق ماننے کے بارے میں قائم کی تھی۔ لہذا اس نے اس رائے کو تائید دینے میں سختی اور جبر سے کام لینا شروع کیا۔ مشہور امام احمد بن حنبل کو دربار میں طلب کر کے قرآن کے بارے میں اُن کی رائے دریافت کی۔ جو اس کے مخلوق کہنے سے منکر ہوئے۔ معتصم نے ان کو کوڑوں سے مارے جانے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئے اس وقت کوڑوں کا مارنا بند کرا کے قید میں ڈلوا دیا۔ (۵) اس بات سے عام مسلمان اس سے نفرت کرنے لگے اور اہل عرب کی ناراضی اور بھی بڑھ گئی۔ لیکن معتصم کو اپنے ترکی غلاموں کی فوج پر جو نو مسلم ہونے کے علاوہ غیر سے تمدن کی خوبیوں کو نہیں جانتے تھے اس قدر اعتماد تھا کہ وہ کسی کی ناراضی کو خیال میں نہیں لاتا تھا۔ حالانکہ اس کی ترکی فوج کے لوگ جو ایک وحشی قوم اور غیر متمدن ملک کے رہنے والے تھے اسلامی تمدن کی راہ میں روڑے کی طرح چلتی گاڑی کو اٹکا رہے تھے۔ انھیں وجوہ سے نیتیں بگڑ گئیں۔ حالت درہم و برہم ہو چلی اور اسی وقت سے حکومت پیچھے کی طرف الٹے پیروں کھسکنی شروع ہو گئی۔

مال خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمانوں کی اصلی غایت تھی اسلام کو تقویت دینا اُسے

---

(۱) قربانی ۱۵۵ (۲) ابوالفدا جلد ۲ ص ۳۷ (۳) ابن اثیر ۶ ص ۲۱۶ (۴) فخری ص ۲۰۹ - [1] بارہ من دس سیر (مترجم)
(۵) ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۸۱

تمام دنیا میں رائج کرنا اور اہل عرب کی شان کو بلند کرنا۔ امویوں نے خلافت کی طلب میں مال کی ضرورت محسوس کی اور انہوں نے اس کے فراہم کرنے کے لیے ہر طرح کی کوششوں کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور گو ان کے زمانے میں دینی قواعد کو تقویت دینے کی رغبت کم ہوگئی لیکن وہ عربی تعصب پر نہایت استقلال کے ساتھ برابر قائم اور دوسری قوموں کو حقیر تصور کرتے رہے۔ یعنی بنوامیہ کی نظر توجہ صرف عربی قوم اور فراہمی دولت" پر رہی عباسیوں کی حکومت کا آغاز اور عربی قوم کے رسوخ کا مٹنا دونوں باتوں کا ایک ہی زمانے میں ظہور ہوا۔ عباسیوں نے صرف اہل عرب کی مدد چھوڑ کر اسے مطلقاً اسلام کی تائید سے بدل دیا۔ وہ اپنے عروج کے زمانے میں علم فلسفہ اور تجارت وغیرہ کے فنون کی طرف متوجہ ہوئی جو تمدن کے آثار تھے۔ اور اس بارہ میں انہوں نے اہل فارس سے مدد لی جو اسلامی فتح سے قبل بھی تمدن میں اعلیٰ دستگاہ رکھ چکے تھے۔ اور جن میں فطری طور پر مدنیت کی استعداد موجود تھی۔ مزید بریں دولت عباسیہ کو تقویت دینے میں خود ان کے ملک کی آبادی بھی متصور تھی۔ کیونکہ مرکز خلافت انہی کے بلاد میں واقع تھا۔ لہٰذا انہوں نے حکومت کی سچے دل سے خدمت کی۔ ملک آباد ہوا۔ دولت و ثروت کے راستے کھلے اور مال کے سرچشمے ابلنے لگے۔ خلفا اور ان کے ارکان دولت کے خزانے مال و زر سے معمور ہو گئے۔ پھر انہوں نے فضول خرچیاں اور دولتمندی کے ٹھاٹھ دکھلانے آغاز کئے۔ وہ عیش و عشرت میں ڈوب چلے یہاں تک کہ ہارون الرشید اور مامون الرشید کے عہد میں ترقی اور تمدن کے اعلیٰ زینے پر پہونچ گئے۔ معتصم کا زمانہ آیا تو اس نے ترکی غلاموں کے جتھے بکثرت فراہم کئے اور اسی قوم کے لوگوں کو حکومت کے کاروبار سپرد کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملکی حکام کا گروہ اپنی ذاتوں کے لیے مال و دولت جمع کرنے کی طرف جھک پڑا۔ وہ اس قدر بیدردی سے دولت فراہم کیا کرتے تھے کہ ملک کی ویرانی کا بھی اندیشہ نہیں کرتے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ وہ ملک ان کا اصلی ملک تھا اور نہ وہاں کے باشندے ان کے ملکی اور قومی ہم جنس تھے۔ وہ صرف روپیہ جمع کر کے اپنے ملک ترکستان کو بھیجتے رہتے تھے (۱) خلفا اس قدر کمزور ہو چکے تھے کہ ان کی دست درازیوں کو روک نہ سکے

(۱) ابن اثیر ج ۱۲ ص ۲۰۹

کے قابل نہیں رہے۔ اس حالت کو دیکھ کر عاملوں اور وزیروں نے خلفا کو بھی دھمکیاں دینی شروع کیں اور جہاں تک ان سے بن پڑا ظلم و جبر کو استعمال میں لا کر ایک دوسرے سے تمول میں بڑھ جانے کی کوشش کرنے لگے۔ اس لئے دولت عباسیہ کی ثروت خلیفہ کے دست قدرت اور بیت المال سے نکل کر عاملوں وزیروں کاتبوں اور سپہ سالار فوج وغیرہ کے ہاتھوں میں جا پہنچی۔ خلفا اپنی حالت کی درستی اور حکومت کے باقی اور قائم رکھنے کے لئے فوج کے محتاج ہوئے۔ اور سپاہی روپیہ مانگتے تھے۔ روپیہ اور دولت پر وزیروں عاملوں اور کاتبوں کا قبضہ تھا۔ لہذا مجبور ہو کر خلفا نے ان سے مصادرت کرنے کا طریقہ جاری کیا۔ یعنی زور ڈال کر اور زبردستی ان کی دولت ضبط کرنے لگے۔ مگر مصادرت کے عمل میں آنے کے لئے کارگزار لوگوں کی حاجت تھی۔ اور وہ بھی بغیر مال کے کچھ نہیں کرتے تھے۔

قریشی حمیت کا خاتمہ

لہذا مال ہی حکومت کی قوت اور شان کو محفوظ رکھنے کا محور بن گیا اور سیت کے ثابت رکھنے دشمنوں سے جنگ کرنے اور اپنی جان بچانے حتیٰ کہ شاہی محلوں کے اندر رہنے کے لئے بھی صرف مال ہی پر خلفاء کو اعتماد کرنا پڑتا تھا۔ وہ قریشی حمیت بالکل مٹ گئی جس کی وجہ سے عیسیٰ بن مصعب بن زبیر نے ۷۱ھ میں (بحالت جنگ عبدالملک بن مروان) اپنے باپ مصعب سے مخالفت کی اور محض قریش کی شرم و حیا سے قتل ہو جانا پسند کر کے اپنی جان نہیں بچائی۔ مصعب زندگی سے ناامید ہو چکا تھا اور وہ اپنے بھائی عبداللہ کے حق خلافت کو بچانے میں مایوسانہ کوششیں کرتا تھا۔ اسی حالت میں محمد بن مروان نے بشرط اطاعت اس کو امان دینے کا پیام بھیجا۔ جسے خود مصعب نے تو نامنظور کیا لیکن اپنے بیٹے عیسے کو ترغیب دی کہ وہ اطاعت مان لے۔ اور اپنی جان بچالیوے۔ لڑکے نے باپ کی نصیحت سنکر جواب دیا کہ "کیا قریش کی عورتیں یہ نہیں کہیں گی کہ میں نے آپ کے ساتھ دغا کر کے اپنی جان بچائی" مصعب نے کہا۔ اچھا تم اپنے ساتھیوں کو لے کر اپنے چچا کے پاس مکہ چلے جاؤ۔ اور ان کو اہل عراق کی کارروائی سے مطلع کر دو۔ مجھے اپنی حالت پر چھوڑ دو

کیونکہ میری جان اب نہیں بچے گی" بیٹے نے کہا۔ میں تو ہرگز قریش کو آپ کی وفات کی اطلاع دینے نہیں جاؤں گا۔ مگر ابا جان آپ بصرہ کیوں نہیں چلے چلتے وہاں کے لوگ تو ابھی ہمارے مطیع ہیں اور یہ نہیں تو امیر المومنین ہی کے پاس چلئے۔ مصعب نے کہا۔ نہیں۔ قریش مجھ کو میدان سے بھاگنے والا کہیں گے۔ میں ایسا کام نہیں کروں گا" پھر اپنے فرزند سے کہا۔" خیر آگے بڑھو۔ میں تم کو خدا کی راہ میں قربان کرتا ہوں اس کے بعد ان کی جماعت نے بڑھ کر جنگ شروع کی اور سب اسی میدان میں کھیت رہے۔ (۱)

مالی انحطاط

پھر یہ بات بھی ضروری ہے کہ حکومت کی ثروت مملکت کی فراخی اور تنگی کی حالتوں کی تابع رہے۔ عباسی حکومت کے اس زمانے پر جو رشید اور مامون کا عہد تھا اور جس میں ملک عام طور پر آباد تھا۔ غور کیا جائے تو دولتمندی بھی اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ پھر یکایک اس میں زوال پیدا ہوا۔ اور معتصم کے وقت سے وہ گھٹنے لگی۔ اور جن تینوں قائموں (گوشواروں کو) ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں ان کے باہمی مقابلہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کیونکہ ان میں جو قائمہ سب سے پہلا ہے وہ مقدار میں بھی سب سے بڑھا ہوا ہے۔ جن کا اجمال حسب ذیل کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ابن خلدون کا قائمہ سنہ ۲۰۴ھ سے سنہ ۲۱۰ھ تک اس کا ارتفاع ۳۹۶۱۵۵۰۰۰ درہم تھا۔

۲۔ قدامہ کا قائمہ سنہ ۲۲۵ھ کے قریب تک۔ اس کا ارتفاع ۳۸۸۲۹۱۳۵۰ درہم تھا۔

۳۔ ابن خرداذبہ کا قائمہ سنہ ۲۵۰ھ کے قریب تک۔ اس کا ارتفاع ۲۹۹۲۵۶۳۴۰ درہم تھا۔

اس سے نظر آتا ہے کہ تیسری صدی کے آغاز میں حکومت کا مالی ارتفاع ۴۰۰ ملین درہم علاوہ دوسرے سامانوں اور غلوں کے تھا پھر وہ اسی صدی کے پہلے ½

(۱) ابن اثیر۔ جلد ۴ ص ۱۵۹

حصہ میں ۳۸۸ ملین درہم بلاکسی غلہ کے رہ گیا۔ اور اسی صدی کے وسط میں ۳۰۰ ملین درہم سے بھی گھٹ گیا۔ پس اگر کمی کی ایسی ہی تدریجی رفتار حکومت کے آخر عہد تک خیال کی جائے تو اس کا جو نتیجہ ہوگا اس کا خیال میں آنا بہت آسان ہے۔ البتہ ہم ہر ایک زمانہ کی بابت اس کمی کا صریحی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ جس کی وجہ ان مآخذوں کی کمی ہے جو اس بارے میں دستیاب ہوئے ہیں۔ اور اس کا موجب یا تو حکومت کا تحریری رپورٹوں کی تیاری میں عدم توجہی کرنا اور یا اس کی تیار شدہ رپورٹوں کا خانگی جھگڑوں اور دوسرے ہنگاموں میں ضائع ہو جانا کہا جا سکتا ہے۔

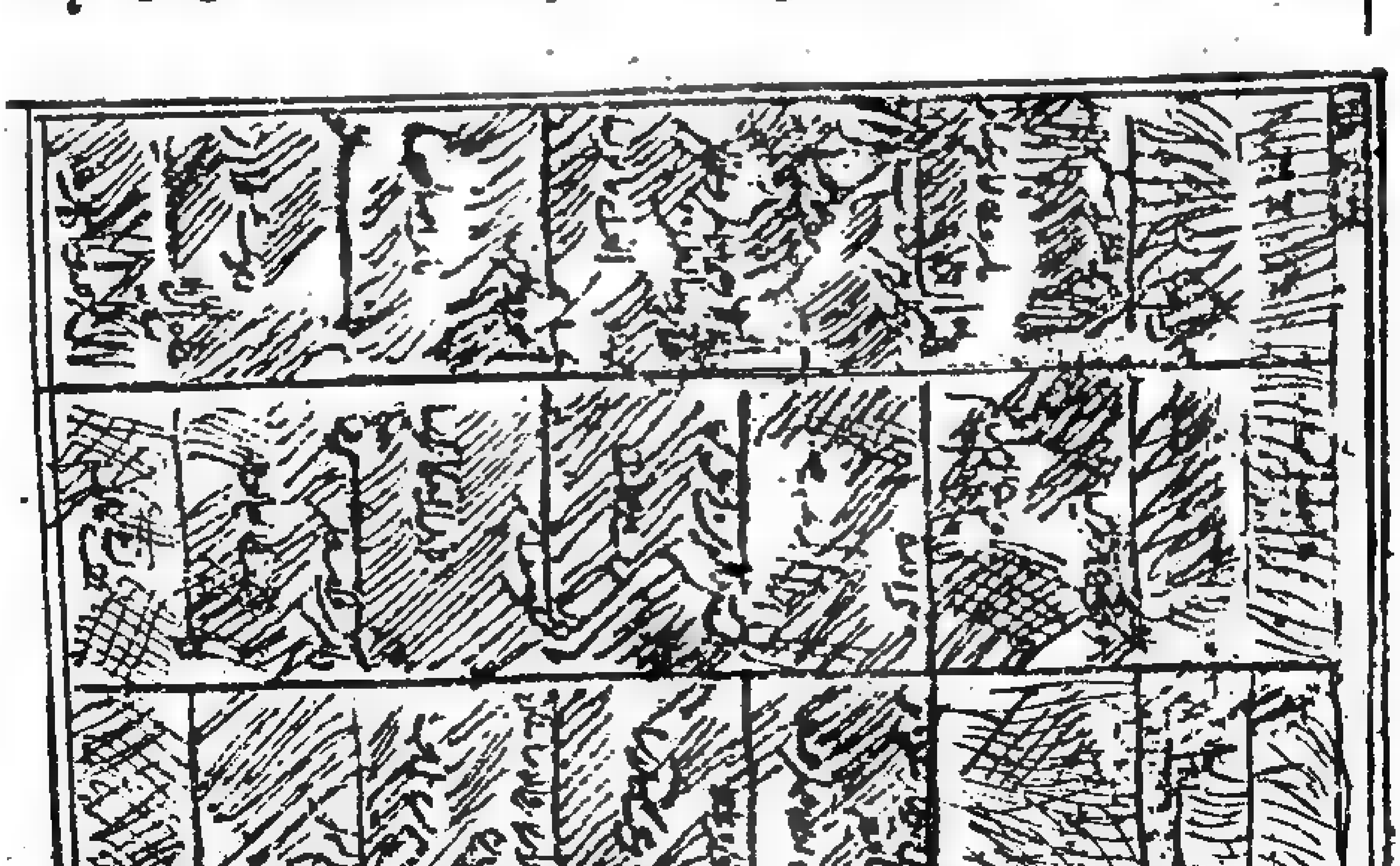
عہد انحطاط کے محصول

جس وقت ہم ان رقموں کو دیکھیں جو متواتر ہر سال جبایت کی روشن باقی سے ... بیت المال میں جمع ہوا کرتی تھیں تو ہمیں صاف معلوم ہو جائے گا کہ اگلے خلفا کے دفتروں کی روشن باقی سے ان بعد میں جمع ہونے والی رقموں کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اس کے علاوہ عباسیوں کی ایک حالت یہ بھی تھی کہ اگر ان میں سے کسی عاقل اور دور اندیش خلیفہ نے کفایت شعاری کر کے کچھ روپیہ جمع کیا تو اس کے جانشین نے وہ تمام اندوختہ فضول خرچیوں میں اڑا ڈالا۔ چنانچہ ان کی بابت جو مثلیں مشہور ہیں منجملہ ان کے ایک یہ مثل بھی ہے کہ سفاح۔ منصور۔ مہدی۔ ہادی اور رشید نے جس قدر روپیہ جمع کیا تھا وہ سنہ ۱۹۳ھ سے سنہ ۱۹۸ھ تک پانچ برسوں میں "امین" نے خرچ کر ڈالا۔ پھر مامون معتصم اور واثق کا اندوختہ متوکل نے سنہ ۲۳۲ھ سے سنہ ۲۴۷ھ تک خرچ کیا۔ اس کے بعد منتصر مستعین۔ معتز۔ مہدی۔ معتمد۔ معتضد اور مکتفی نے جس قدر دولت ذخیرہ کی تھی وہ سنہ ۲۹۵ھ لغایت سنہ ۳۲۰ھ کے عرصہ میں مقتدر نے کنجروں میں اڑا دی۔

مقتدر کے عہد کا گوشوارہ

مقتدر کے عہد کے سوا اور کسی کے زمانہ کی سالانہ جبایت کی مقدار مفصل طور پر ہم کو نہیں معلوم ہو سکی۔ کیونکہ مقتدر کے وقت

میں اس کے وزیر علی بن عیسیٰ نے خزانے کی حالت مخدوش ہونے پر اپنی ذات کو الزام سے بری کرنے کے لئے مجبوراً سالانہ آمد و خرچ کا ایک گوشوارہ صرف ۳۰۶ھ کی بابت تیار کیا تھا۔ اس گوشوارہ کا نسخہ بھی مدتوں تاریکی کے عالم میں پڑا رہا۔ اور لوگوں نے اس کو تلف شدہ خیال کیا۔ حتیٰ کہ بیرن وان کریمر نے اسے ظاہر کر کے ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا۔ جس کا نام ۳۰۶ھ کی بابت حکومت عباسی کا محصول"(۱) رکھا ہے اور اس پر ایک دیباچہ جرمنی زبان میں لکھا ہے۔ جس کے اندر اس نسخہ کے دستیاب ہونے کی کیفیت اور اس کے پڑھنے میں جو دقتیں اٹھانی پڑیں ان کی حالت درج کی ہے کیونکہ وہ ایک غیر مالوف عربی رسم الخط میں لکھا ہوا تھا۔ جس کا حال تصویر ملحقہ کے ملاحظہ سے کھلے گا۔ بیرن وان کریمر نے اس قائمہ پر جو نوٹ تحریر کئے ہیں ان کا بیان باعث طوالت تھا۔ لہٰذا ہم ان کو ترک کر کے صرف اسکی وہ عبارت ذکر کرتے ہیں جو اصل کتاب کی اس نے پڑھی ہے۔ جس قائمہ کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ چار قسموں پر منقسم ہے قسم اول میں سواد اور اس کے ملحقات کی جبایت کی تفصیل ہے۔ دوسری قسم میں مشرق یعنی سواد کے مشرقی جانب واقع ہونے والے شہروں کی جبایت کا مفصل حال درج ہے۔ تیسری قسم میں مغرب یعنی سواد کے مغربی سمت واقع ہونیوالی جبایت کا بیان ہے اور چوتھی قسم میں اموال خاصہ اور موقوفہ کی آمدنی مشرح طور سے ذکر کی گئی ہے۔



(۱) Einnahmebudget des Abbasiden Reaches.

دولت عباسیہ کی جبایت کے قائمے کے پہلے صفحہ کی تصویر جو سنہ ۳۰۶ھ کی بابت تیار ہوا تھا جس کو بیرن وان کریمر ساکن جرمنی نے پڑھ کر تحریر کیا ہے۔

دولت عباسیہ کا محصول بابت سنہ ۳۰۶ھ

یہ مقتدر کے وزیر علی بن عیسیٰ کا گوشوارہ ہے اور وان کریمر کی تحریر کے مطابق یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ سواد عراق کا محصول

کسی قدر بیان سواد۔ اور اعمال معمورہ اور مذکورہ شہروں کا۔

سواد اور اس کے طساسیج کے اموال اور بصرہ کی اراضی مغرب کے صدقات اور وہاں کے جہازات اور تمام وہ آمدنیاں جو اس کی طرف منسوب ہیں اور اس کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔ — دینار ۱۵۴۷۷۳۴

اس کی تفصیل

بازدریا اور کلواذی اور نہر بین۔ ۱۶۶۲۸۳ درہم	
انبار قطربل اور مسد	۱۹۸۳۱۳
بہرسیر۔ رومقان۔ ایغار۔ یقطین۔ جافدا اور مدینۃ العتیقہ (شہر کہنہ)	۷۵۵۷۶
کوثیٰ اور نہر درقیط	۲۵۰۰۰
زاب الاعلیٰ اور نہر گشتاسپ	۹۵۲۶
فلوجۃ العلیا اور ارحار	۱۶۷۳۶
فلوجۂ سفلیٰ۔ نہرین اور عین التمر	۱۳۵۸۵
سیب الاعلیٰ۔ سورا۔ بابل۔ خطرینہ۔ اور باروسمائے اعلیٰ	۱۴۰۲۵۹
نہرالملک۔ سورجا۔ نہر جوبر۔ اساسان اور مالکیات	۳۸۲۵۰
باروسمائے اسفل	۴۶۳۳۶
طسابجۃ الکوفہ والخزن	۱۱۰۱۵۴
سرمن رای متعلقہ نو آبادی سے	[illegible]۰۲۱۹

۲۰۵۹۰	نہر بوق اور دیر اسفل
۲۴۳۰۰	بزرگ سابور
۳۰۰۳۵	راذانان
۱۳۶۶۶	روستقباد
۴۶۴۸۰	نہروان اعلیٰ اور سنطائی
۴۰۳۲۷	نہروان اوسط
۶۰۵۳۲	نہروان اسفل
۱۵۹۰۸۹	ملح اور منانل
۴۲۴۹۹	اورا اور باکسایا
۳۱۰۷۲۰	واسط مع خاصہ اور مستحدثہ اور عباسیہ کے راتبہ (مقررہ) خرچ کے بعد
۱۲۱۰۹۸	بصرہ اور کور دجلہ
۲۲۵۷۵	بصرہ کے جہازات
۴۲۷۵۰	ضمانات کے اموال نہروں کے فضول سے ادا کی جانے والی رقمیں جو مفردات کی جانب منسوب کی جاتی ہیں۔
۸۰۲۵۰	عبارت ہیئت کی (العبارۃ بہیئت)
۱۶۹۷۵	بغداد بصرہ۔ سر من رائی۔ واسط۔ اور کوفہ کی بھیڑ بکریوں کے بازاروں سے
۶۰۳۷۰	بغداد۔ سر من رائی واسط۔ بصرہ اور کوفہ کی ٹکسالوں سے۔
۶۶۰۰۰	بغداد کے جوالی سے (جوال۔ کنویں کی من و جاہات[۵۱])
۱۳۸۷۴	ارتفاقات۔ درختوں اور جاگیروں کے مال سے دربار کو جو رقم ادا کی جاتی تھی۔
۱۸۴۶۱۸۱[۵۲]	(میزان)

[۵۱] آب پاشی کے چاہات جو بغداد کے مضافات میں تھے ان کی آمدنی مراد ہے۔ مترجم عفی عنہ

[۵۲] قائمہ کے شروع میں جو مجموعی رقم تحریر ہوئی ہے اس میں اور اس میزان میں فرق نظر آتا ہے۔ جس کا سبب شاید اعداد کے پڑھنے کی غلطی قرار دی جائے۔ مگر ہم اسی پہلی اجمالی تعداد پر اعتماد کریں گے۔ (مؤلف)

۲۔ مشرق کا محصول

۱۲۶۰۹۲۲	کور اہواز سے جو ابراہیم بن عبداللہ المسیح وغیرہ کے ضمان میں تھا۔
۱۶۳۴۵۲۰	فارس کے اموال مع اُن آمدنیوں کے جن کو مونس خادم پاتا تھا اور معہ اُن علاقوں کے جو اطراف والوں کے ہاتھوں میں تھے جن کو صرف مال غنیمت کے طور پر وارد کیا گیا ہے۔
۲۵۸۰۴۰	اس نواحی کے امرا کے تعلقے معہ سیراف کے جہازوں کی آمدنی کے
۳۶۴۳۸۰	کرمان مع امراء کے تعلقوں کے مال عہد اور وسح اور بیابانی دیہات کے علاوہ اور مع اس کے جو کہ مونس خادم خزانچیوں اور پرکھنے والوں کے مال سے لیتا تھا۔
۸۰۰۰۰	عمان کی جاگیریں سوائے اس ہدیہ کے جو کہ دربار کو ارسال ہوتا تھا۔
۳۵۹۷۸۶۲	(میزان)

۱۵۷۰۵۲۵ درہم	ارتفاع خراج اور عام لوگوں کے علاقوں کا مشرق میں جو معاملہ کی رو سے تھا اور وہ آمدنی جو امانت اور ضمانت کے ذریعے سے ہوتی تھی
۴۶۵۰۷۸	رَے اور دماوند کا خراج وہاں کے اعشار اور اخماس مع ان رقموں کے جن کا وہاں سے بذریعہ استخراج ابن داودان اور احمد بن علی کے ہوتا تھا
۱۲۲۹۴۴	وہاں کے تعلقے

قزوین۔ زنجان اور ابہر

۱۱۵۷۱۰	خراج
۵۸۲۹۰	تعلقے

قم

۱۹۷۲۲۹	خراج

تعلقے ۸۰۲۲۹

اصفہان

خراج جو نئے قراردادوں کے ذریعے ہوتا تھا
کردوں کے خراج اور اس آمدنی کے جو ایغار ۴۱۰۱۷۸
اور شاہی علاقوں سے ہوتی تھی۔

وہاں کے تعلقے ۱۸۹۳۳۴

ماہ البصرہ اور الیغارین

خراج ۱۸۵۶۳۶
تعلقے ۲۶۷۵۲۰

ہمدان

خراج ۱۵۰۴۸۰
تعلقے ۵۵۷۸۹

ماسبذان

خراج ۵۷۷۴۶
تعلقے ۱۶۷۵۰

وادی سادہ اور وہاں کے پانی پلانے کا مکان ۱۷۶۲۵
ماہ الکوفہ خراج کی مد سے سوہی ضیاع راسیہ ۱۰۵۶۷۸
اور مستحدثہ اور طعم کے۔

وہاں کے تعلقے ۸۹۵۰۰

حلوان خراج اور تعلقوں دونوں کی مد سے ۳۰۰۱۵ ۲۲۵۱۹۳

آذربائجان اور ارمینیہ ان معادنوں پر جن پر نرخ کے طریقے کی تقسیم کی گئی تھی ۲۲۶۳۷۰

میزان ۶۴۳۹۶۶۳

۲۔ مغرب کی جبایت

بیان ان تعلقوں اور عام خراج کا جو مغرب اور اسکی چھاؤنیوں سے ان احتسابوں کے بعد آتا تھا جو حسب عادت اصلی ارتفاعات سے وضع ہو جاتے تھے۔ اور سوا جاگیر اور غنیمتوں کی جنسوں کی قیمت کے جن کی ہر سال ادا کرنے میں (جزیرہ قبرس) ـــ لوگوں کی تفریق کی گئی تھی اور حسب ذیل اعمال اور اموال مسماۃ (نام نہادہ) کا یہ ہوتا تھا۔ جو کچھ مغرب اور اس کے اجناد کے متعلق ہوتا۔

۴۷۴۶۴۹۲

اس کی تفصیل

۲۹۰۷۷۳	مصر اور اسکندریہ قدیم احتسابات[۱] کے بعد
۱۰۸۰۰۰۰	اور سوئی ماذرائیین کی مصادرت اور مال مرافق اور محصول در آمد مال اور اموال غنیمت کی قیمتوں کے
	جُند فلسطین احتسابات کے بعد
۸۰۷۵۰	مال
۲۳۰۶۴۷	
	جُند اردن احتسابات کے بعد
۴۰۴۶۰	مال
۱۰۲۰۹۳	
	جُند دمشق احتسابات کے بعد
۱۱۳۰۵۷	مال
۳۱۵۳۰۰	
	جُند قنسرین اور عواصم احتسابات کے بعد

[۱] حساب فہمی کے بعد۔

۱۳۳۰۹۷	مال
۳۵۲۵۷۰	
۱۵۷۶۵	دقوق اور عبان
۵۲۹۸۵	ثغور شامیہ سوئی احمد بن حسین کاتب کی علیح کے
۵۳۵۷	شمشاط، حصن منصور اور کیسوم - بعد وضع شدہ رقم کے -
۶۵۳۳۲	مال
	سمیساط اور ملطیہ احتسابات کے بعد
۱۴۵۰۱	مال
۳۴۱۲۰	
	آمد سوئی اس کے جو جاگیروں اور کاسہ میں جمع ہو جاتا تھا اور احتسابات کے بھی -
۵۴۷۸	مال
۸۲۴۲۲	
	ارزن اور میافارقین احتسابات کے بعد
۵۹۷۵۰	مال
۸۲۴۲۲	
۲۵۷۲۲۸	دیار مضر
	دیار ربیعہ احتسابات کے بعد
۲۲۷۹۷	مال
۳۰۴۰۹۳	
	موصل - قزوین - بہذرا - اور رساتیق الجبلیہ احتسابات کے بعد
۱۷۷۵۰	مال
۴۹۲۴۳۰	

۹۶۵۸۴ طریق الفرات

۳۶۵۹۳۴۱ میزان (۱)

۴۔ اموال خاصہ کی جبایت

جس میں اعمال مساۃ اور اموال خاصہ اور اموال موقوفہ وغیرہ سب ہوں گے۔

۲۸۹۰۳۶ وہ تعلقے جو خاصہ کی حالت ضمان واسط میں خراب ہو جانے پر جدید قائم کئے گئے تھے۔

۵۱۶۴۷ اموال خاصہ ان کے سوا جو نواحی واسط میں تھے۔ کیونکہ وہ اموال عام میں اضافہ ہو کر ان کے اندر خلط مبحث ہو گئے تھے اور ان کی بار برداریوں اور مصارف میں آ گئے تھے۔

۱۸۵۴۱۱۔ عبر (دریاؤں کے گھاٹ)

۱۱۶۱۲۰ اہواز (گڑھے اور زمینوں کے شق شدہ مقامات اور ریت کے ٹیلے۔)

۷۲۶۶۶ مشرق

۱۰۴۷۰۰ مغرب

۱۸۷۷۰ بیت اور اس کے اعمال۔ ایکھ کی آراضیوں کے سوا

۸۲۴۰ عبر

۵۲۶۲ اہواز

۵۸۴۵۰ مغرب

۶۲۲۰۰ مشرق

۱۴۴۷۶۰ عباسیہ کی اراضیوں کا مال جو واسط کے نواح میں تھیں

لہ یہاں بھی اس میزان اور ما دیر لکھی ہوئی میزان میں فرق ہے اور ہم اسی اوپر لکھی ہوئی میزان پر اعتماد کرتے ہیں۔ مولف

	۱۴۷۳۲	عبر
	۱۴۲۴۶	اہواز
	۲۰۶۷۲	مشرق
	۷۵۱۱۶	مغرب
۴۵۷۰	مسجدوں پر وقف کیا ہوا مال اسکے سوائے جو واسط میں تھا	
	۲۲۸۶۹	مشرق
	۱۲۷۶۰	مغرب
۹۱۷۱۲۶	فراتی زمینوں کا مال	
	۱۷۰۳۲۶	عبر
	۱۲۹۷۲۴	اہواز
	۹۷۳۳۶	فارس
	۹۵۲۷۸	مشرق
	۱۱۴۲۲۵	مغرب
۱۰۰۳۱۸	سنہ ۳۰۳ھ کی مفرد آراضیوں کا مال	

خزانچیوں اور پرکھنے والوں کا مال سوائے اس کے جو عمال اصلی اموال کے ساتھ جمع کیا کرتے تھے اور سوائے اس کے جو اس میں سے فارس میں مونس خادم کا حق تھا۔ اور سوائے اس کے جو اس میں سے واسط کے ضمان میں داخل ہو گیا تھا۔

میزان — ۱۷۶۸۰۱۵

خلاصہ

۱۵۴۷۷۳۴	سواد کی جبایت
۶۴۳۹۶۶۳	مشرق " "
۱۷۴۶۴۹۲	مغرب " "

۱۶۷۸۰۱۵ اموال خاصہ

۱۴۵۰۱۹۰۴ دینار

اس جبایت کی نسبت عصر عباسی اول کی مقدار جبایت سے

اس جبایت کی میزان جو ۱۴۱½ ملین دینار سے بھی زائد ہے۔ اگر اس کو درہموں میں تحویل کیا جائے تو اس کی مقدار عصر عباسی اول کی مقدار جبایت کے قریب پہونچ جائے گی۔ مگر دونوں کی حالتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ اسوقت آمدنی میں سے خرچ ہونے کے بعد ایک کثیر رقم باقی بچتی اور خزانے میں جمع ہوتی تھی۔ اور اس زمانے میں یہ حالت ہو گئی تھی کہ آمدنی خرچ کے لئے پوری نہیں پڑتی تھی زیادتی مصارف کے اسباب تو ہم آگے چل کر بیان کریں گے مگر یہاں اپنے قول کی سند میں ہم کتاب "عنوان السیر" سے حکومت عباسیہ کے صرف ان مصارف کا بیان اخذ کرتے ہیں جو علی بن عیسیٰ وزیر کے وقت میں ہوتے تھے۔ اور جن کو مولف مذکور نے معمولی اخراجات کے علاوہ خاص طور پر درج کیا ہے اور جو حسب ذیل ہیں:۔

۳۱۵۴۲۶½ دینار	حرمین اور ان کے راستوں کے مصارف۔
۴۹۱۴۵۷	سرحدوں کے مصارف
۵۶۵۶۹	تمام ملکوں کے قاضیوں کے رواتب (تنخواہیں)
۳۴۴۳۹	قلمرو کے تمام شہروں میں عدالتہائے حسبہ اور مظالم کے افسروں کی تنخواہیں۔
۷۹۴۰۲	ملازمان محکمۂ ڈاک اور پرچہ نویسی کی تنخواہیں۔
= ۹۷۷۲۹۲½	

آمدنی سے زائد اخراجات

اور ان تمام ابواب کا معتضد کے قائمہ میں کہیں ذکر بھی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ سپاہ وغیرہ کے مصارف کو بڑھانے والی زیادتی جن کے لحاظ سے علی مذکور کے ایام میں آمدنی سے خرچ ۲۰۸۹۸۹۴ دینار۔ بڑھ گیا تھا۔ (۱)

(۱) عنوان السیر جس کو کریمر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

اسی بیان پر مقتدر کے قبل اور اس کے بعد والے خلفا کے زمانوں میں بیت المال کی مالیت کا اندازہ کر لینا چاہیئے۔ جو خلفا وزرا اور دیگر تمام حالتوں کے تغیر کے ساتھ بدلتا اور مختلف ہوتا رہتا ہوگا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مامون کے بعد حکومت کی کمزوری اور تنزل کے ساتھ دولت مندی بھی گھٹتی اور نقصان پذیر ہوتی گئی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں آمدنی میں سے مصارف کو مجرا کرنے کے بعد جو رقم پس انداز ہوا سے ہم ثروت کا معیار قرار دیتے ہیں۔ اس کی بنا پر بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ بجز خاص حالتوں کے اور چھوٹی چھوٹی رقموں کے بیت المال میں کچھ پس انداز ہو کر جمع ہوتا رہا ہو۔ خلیفہ معتصم نے اپنی بیت المال میں ۸۰۰۰۰۰۰ درہم اندوختہ چھوڑا (۱) اور ۲۵۱ھ میں خلیفہ مستعین نے ۵۰۰۰۰۰ دینار بیت المال میں چھوڑے (۲) اور ۲۹۵ھ میں خلیفہ مکتفی نے اپنا اندوختہ ۱۵۰۰۰۰۰ دینار ترک کیا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اتنی رقم پے در پے خلفا کے ترکوں سے بہم ہوئی مگر مقتدر نے حکمراں ہوتے ہی یہ تمام اندوختہ صرف کر ڈالا اور اپنے عہد کا روپیہ جمع کیا ہوا، ملکی خراج کے علاوہ جو مصادرت کے طریقے سے بھی فراہم کیا تھا وہ بھی سب اڑا ڈالا۔ (۳) غرضیکہ اس نے فضول خرچیوں اور لغو باتوں میں جتنا روپیہ خرچ کیا اس کی مقدار ۷۰۰۰۰۰۰ دینار سے کچھ زائد اندازہ کی گئی ہے۔ (۴) اور یہ خرچ حکومت کے اخراجات سے بالکل الگ تھا لطف یہ ہے کہ باوجود اتنا روپیہ فضول طور پر اڑانے کے آخر کار وہ اس امر پر مجبور ہوا کہ خلافت کے لئے فوج اور غلاموں کو راضی اور ہموار کرنے کی غرض سے اپنی آراضیاں فرش فروش اور سونے چاندی کے ظروف تک فروخت کر ڈالے۔ (۵) ۳۶۱ھ خلیفہ مطیع اللہ کے ایام میں بیت المال کے خالی ہونے کی یہ حالت پہنچ گئی تھی کہ جس وقت بغداد میں ہنگامہ برپا ہوا اور فوج کو اس کے فرو کرنے کے لئے مامور کیا گیا تو سپاہیوں کے دینے کے واسطے ۴۰۰۰۰ درہم خلیفہ نے اپنے پہننے کے

---

(۱) فخری ۲۰۹ (۲) طبری ج ۳ ص ۱۰۴۵ (۳) ابن اثیر ج ۸ ص ۷ (۴) ابن اثیر ج ۸ ص ۹۰

(۵) صلۃ التاریخ طبری ص ۱۴۳

کپڑے اور گھر کا اثاثہ تک بیچ ڈالا (۱) ۳۲۲ھ یعنی خلیفہ راضی باللہ کے عہد سے خلفاء کی حالت میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا تھا۔ حکومت کی باگ ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اور صرف ان کے نام کا سکہ اور خطبہ رائج تھا (۲)

خلاصہ یہ ہے کہ عباسی ثروت کے انحطاط کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سے بہتوں کو علی بن عیسےٰ کی رپورٹ میں درج ہونے والے نئے نئے ٹکسوں اور محصولوں کے نام ہی واضح کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ سب بیش قرار مصارف کی کمی پوری کرنے کی غرض سے قائم ہوئے تھے۔

اسباب انحطاط ثروت عباسیہ

عباسیوں کے دوسرے دور میں

عباسیوں کے پہلے دور میں ان کی ثروت اور اس کی کثرت کی علت سے بحث کرتے ہوئے ہم نے بیان کیا تھا کہ اس کے اسباب محاصل کی فراوانی اور اخراجات کی کمی ہیں۔ اور پھر اس کی پوری طرح پر تفصیل بھی کر دی تھی۔ اسی بنا پر ثروت کی کمی کے اسباب ملکی محاصل کی قلت اور مصارف کی کثرت ہونے چاہئیں۔ پھر ان دونوں ابواب کی بھی چند شاخیں اور ہر شاخ کے کچھ اسباب ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

قلت جبایت کے اسباب

(۱) عباسی قلمرو کی تنگی

مملکت عباسیہ نے بڑی سے بڑی وسعت "رشید" اور "مامون" کے عہد میں پائی

---

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۴۴ (۲) فخری صفحہ ۲۵۲ - اور ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۴۳

جس کے بعد بعض ملک اس سے جدا ہونے لگے۔ جن کے اسباب کا بیان کرنا طوالت طلب امر ہے۔ حکومت عباسیہ کے صوبوں میں سے سب سے پہلے افریقیہ نے استقلال اور خود مختاری کا ڈھنگ ڈالا۔ اور اس کی ابتدا، رشید کے ایام میں ہوئی۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ پھر مامون کے ایام میں خراسان کا صوبہ آزاد ہوا۔ بعد ازاں تیسری صدی ہجری کے وسط اور خلیفہ معتمد کے عہد میں ملک مصر نے خود سری حاصل کی اور اس کے بعد فارس اور ماوراء النہر وغیرہ ملکوں کا نمبر آتا گیا غرضیکہ چوتھی صدی ہجری کے پہلے پچیس سال ختم نہیں ہونے پائے تھے کہ وہ وسیع اور عظیم الشان سلطنت پندرہ سولہ حصوں میں بٹ گئی۔ جس کا ہر ایک حصہ کسی نہ کسی مسلمان حکمراں کے زیر نگیں تھا (۱) مگر ان سب حکومتوں میں زیادہ تعداد کی حکومتیں عباسی خلیفہ کو اپنا مذہبی سردار اور پیشوا تسلیم کرتی تھیں اور اس کو کچھ ضمان کے نام سے چند مصالحت اور بعض ہدیہ وغیرہ کے ناموں سے سالانہ رقم ضرور نذر کیا کرتی تھیں اور اکثر حکومتیں اس قسم کی تھیں جو اپنے ذمے کی رقم بارہ پندرہ برس کی مدت میں صرف ایک بار ادا کرتیں۔ لہذا اس صورت پر مملکت کی پراگندگی جبایت کی مقدار کو کم کرنے کے لیے ایک امر طبیعی تھا۔

لگان کی تخفیف (۲)

ہم نے اس ثروت عباسیہ کی زیادتی کے اسباب میں جو ان کے عروج کے ایام میں تھی معاملہ اراضی کا بھاری ہونا بھی ایک سبب قرار دیا تھا۔ اور خصوصاً ملک عراق میں جہاں "مامون" کے عہد تک نصف پیداوار کے قریب حکومت کے لگان میں لیا جاتا تھا۔ مگر اس عقل مند خلیفہ نے لگان کی یہ شرح بہت گراں تصور کی اور اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی دیکھا کہ میرا خزانہ خوب معمور ہے اور اس پر ہر طرف سے اور بھی بے شمار مال چلا ہی آتا ہے لہذا اس نے رعایا کے ساتھ تخفیف کا برتاؤ کرنا مناسب تصور کر کے ملک

---

(۱) حصہ اول تاریخ تمدن اسلام

عراق کا لگان گھٹا دیا۔ اور پیداوار کا ⅖ حصہ کر دیا۔ گویا کہ بہ نسبت سابق کے بیس[۲] فی صدی کی تخفیف کر دی (۱) اور یہ بہت بڑی تخفیف تھی۔ جس کی وجہ سے فوراً ہی ملک عراق کے ارتفاع خراج میں نمایاں فرق ہو گیا۔ چنانچہ "قدامتہ" کے قائمہ میں عراق کے خراج کی مجموعی مقدار گیارہ کروڑ چالیس لاکھ ستاون ہزار چھ سو پچاس درہم سے گھٹ کر "ابن خرداذبہ" کے قائمہ میں سات کروڑ تراسی لاکھ انیس ہزار تین سو چالیس درہم رہ گئی۔ کیونکہ اول الذکر نے بظاہر اس تصرف کو پیداوار کے حساب سے اندازہ کیا اور مؤخر الذکر نے ⅖ کے حساب سے اندازہ لگایا۔

خراج میں دو مہینے کی رعایت

مامون کے بعد آنے والے خلفا نے بھی محصول کی کمی میں اس کی پیروی کی ۲۳۲ھ میں خلیفہ واثق نے جہازوں اور کشتیوں کا عشر بند کر دیا (۲) جو ایک ضروری اور قابل لحاظ محصول تھا۔ اور بیت المال کو اس سے بہت بڑی آمدنی ہوا کرتی تھی۔ "واثق" کی پیروی اس کے بیٹے "متوکل" نے بھی کی۔ اس نے خراج دینے والوں کے ساتھ یہ مہربانی کی کہ ادائیگی کی میعاد میں دو مہینوں کی مہلت اور تاخیر کر دی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ اسلام سے قبل فارس کے لوگ نوروز کے دن سے خراج کی تحصیل شروع کرتے تھے۔ جو ان کے یہاں حزیران (جون) کی پانچویں تاریخ کو واقع ہوتا تھا۔ اور ہر ایک سو بیس سال کے بعد ایک مہینہ کبیسہ (لوند) کا نکال کر نظام شمسی کی کسر مٹا ڈالتے تھے۔ اس طرح پر کہ نوروز جو برابر ہر سال پانچویں جون کو ہوتا تھا۔ جب ایک سو بیس سال گزر جاتے تو ایک مہینہ نکال ڈالتے اور بجائے ۵ جون کے اس کے لئے ۵ مئی کی تاریخ قرار دیتے۔ ۵ رجون کو نہ وہ نوروز کا تیوہار مناتے تھے اور نہ ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک مہینہ گذر جاتا۔ یعنی مئی کی پانچویں تاریخ آجاتی تو وہ اپنی عید بھی کرتے اور خراج کی بھی تحصیل جاری ہوتی تھی۔ مسلمانوں نے

---

(۱) فخری ۱۹۸۔ اور ابن اثیر ج ۶ ص ۱۴۷۔ اور طبری ج ۳ ص ۱۰۲۹ (۲) طبری ج ۳ ص ۱۳۶۳

عراق کا ملک فتح کر کے خراج کی تحصیل کا حساب سابق دستور پر رہنے دیا تھا۔ مگر جب اس کو ایک سو بیس سال کی مدت گزر گئی اور لوند کا مہینہ نکالنے کا وقت آیا تو انہوں نے حسب معمول ایک مہینہ گھٹانا چاہا۔ اس زمانے میں خالد قسری" عراق کا گورنر تھا وہ لوگوں کی اس بات سے مانع آیا اور اس نے کہا کہ" یہ ناجائز تاخیر ہے جس سے خدا نے منع فرمایا ہے"۔ اس نے خلیفہ ہشام بن عبدالملک سے بھی اس بارے میں رائے دریافت کی۔ جس نے لوند کے مہینے کی رسم مٹانے میں اسی کی رائے سے موافقت کی۔ لہٰذا اس وقت سے تحصیل خراج کا حساب ایک مہینہ تیاری فصل کے قبل چلتا رہا۔ اور اگرچہ اس کے بعد بھی اہل فارس نے لوند کا مہینہ قایم کرنے کی متواتر کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ خلیفہ ہارون الرشید کا عہد آیا تو انہوں نے یحییٰ ابن خالد برمکی کے ذریعے سے اپنی یہ خواہش خلیفہ کے حضور میں پیش کرانی چاہی۔ یحییٰ بھی ان کی درخواست مان لینے پر تیار ہو گیا تھا، لیکن اس کے دشمنوں نے اس پر زردشتی مذہب رکھنے والوں کی طرف میلان رکھنے کا اتہام لگانا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے وہ رک گیا اور اپنے ارادے سے باز رہا۔ ان وجوہ سے موسم کا وہ فرق روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ تا آنکہ متوکل کے ایام میں تحصیل خراج کا وقت اپریل کے مہینے سے شروع ہونے لگا۔ جبکہ کھیتی بالکل سبز رہتی تھی۔ اتفاقاً خلیفہ متوکل کا کسی مزرعہ پر گذر ہوا اور اس نے یہ دیکھا کہ ابھی کاشت بالکل خام اور سبز ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے ایک ساتھی سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ دفتروں میں خراج کی مانگ شروع ہو گئی ہے اور کھیتوں میں ابھی سبزی موجود ہے۔ زراعت پختہ بھی نہیں ہوئی"۔ اس وقت اس مصاحب نے موقع پا کر وہ تمام قصہ بیان کیا۔ جس کو سن کر خلیفہ نے حکم صادر فرمایا کہ" جتنا فرق اب تک پڑ گیا ہے وہ اس سال مہینہ بڑھا کر نکال دیا جائے۔ حساب کرنے سے معلوم ہوا کہ دو مہینے چند دن کا فرق ہو چکا ہے۔ اگر اتنا زمانہ گھٹا لیا جائے تو کہیں نوروز اپنے اصلی وقت پر ہوگا۔ خلیفہ نے اس بات کو منظور فرما لیا اور ۲۴۳ھ میں اس قدر تاخیر کرنے کا حکم دیدیا جس سے لوگوں کو بہت خوشی ہوئی (۱) کیونکہ گویا خلیفہ نے اس سال کا تقریباً ۱/۵ حصہ

---

(۱) بیرونی ۳۱

خراج معاف فرما دیا تھا۔ چنانچہ بحتری شاعر نے اس بارے میں کہا ہے:۔

ان یوم النوروز عاد الی العھد　　یعنی نوروز کا دن پھر اسی زمانہ کی طرف پلٹ
الذی کان سنہ اردشیر　　آیا جس میں "اردشیر" نے اسکو مقرر کیا تھا۔

مگر متوکل کا حکم پوری طرح جاری بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ وہ قتل کر دیا گیا اور اور اس کے بعد معاملات خلافت میں گڑبڑ پڑ گئی۔ پھر جبکہ معتضد باللہ کا زمانہ آیا تو اس کو دوبارہ اس امر کی جانب توجہ دلائی گئی اور اس نے ۲۸۱ھ میں ساٹھ دن نوروز کو موخر کرنے کا فرمان صادر کیا۔ جو کہ آغاز محرم ۲۸۲ھ کے مطابق تھا اور یہ ٹھاکر ۱۳ ربیع الاول سنہ مذکور کے دن قرار پایا۔ اور ۱۱ ر جون کے ساتھ مطابق کیا گیا پھر اس کے بعد سے یہ اصول قرار پایا کہ ہر چار فارسی سالوں میں سے ایک دن کبیسہ کا نکال دیا جائے۔ (۱) خلیفہ نے یہ تمام انتظام لوگوں کے رفاہ کی غرض اور ان کے ساتھ ترحم آمیز برتاؤ کرنے کی نیت سے کیا (۲)

محصول میں کمی

۲۵۵ھ میں خلیفہ "مہتدی" نے ان کسور کو معاف کر دیا۔ جو پیمائشی رقبوں کی زراعت پر باقی رہ گئی تھیں۔ اس کی صورت یوں تھی کہ خلیفہ منصور نے جب ملک عراق کا خراج بلحاظ بٹائی کے مقرر کیا تو بعض اراضی کا خراج سابق دستور پیمائشی رقبہ کے حساب سے بھی رہنے دیا تھا۔ اور جو لوگ ان اراضیوں کے مالک تھے ان پر ہر سال کچھ کسر ٹوٹتی تھی جس کا مطالبہ حکومت کی طرف سے قائم رہتا تھا۔ خلیفہ مہتدی حکمران ہوا تو اس نے حکم دیا کہ وہ سب کسرات معاف کر دی جائیں اور اسی طرح کے دوسرے معاملات سے بھی چشم پوشی کی جن کی مقدار تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ درہم سالانہ تھی۔ ۳

خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ رشید اور مامون کے عہد کی نسبت مابعد کے ایام میں خراج کے میزان کم ہو گئے تھے۔ اور یہ امر جبایت کی کمی کا مساعد تھا۔

---

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۲۷۴ (۲) ابن اثیر ج ۷ ص ۱۸۶ (۳) ماوردی ص ۷

جزیہ اور زکوٰۃ | اسی قبیل سے جزیہ کا نقصان بھی شمار کرنا مناسب ہوگا۔ جو ایک مدت تک لوگوں کے رفتہ رفتہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے رہنے سے واقع ہوا تھا چنانچہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں اس مد سے خاص بغداد میں وصول ہونے والی رقم گھٹتے گھٹتے ایک لاکھ تیس ہزار درہم رہ گئی (۱) حالانکہ علی بن عیسیٰ کے قائمہ میں یہ بات نظر آتی ہے کہ ان دنوں اس مد کی آمدنی سولہ ہزار دینار یعنی ابن خرداذبہ کے بیان سے تقریباً دوگنی رقم انھیں حاصل ہوتی تھی۔ پس اگر ہم جزیہ کی اوسط قیمت رجو چوبیس درہم فی کس کے اعتبار سے اس رقم کا پرتہ پھیلائیں تو نو ہزار مردوں پر پھیلے گا۔ اور ان کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی تعداد کا اضافہ شامل کرنے سے بغداد میں سکونت رکھنے والے یہودی اور عیسائی اہل ذمہ کا شمار چالیس ہزار سے زائد نہیں ٹھیرتا۔ حالانکہ وہ زمانہ بغداد کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ اور اس کی مردم شماری ایک ملین سے کہیں زیادہ تھی۔ اور جب وہاں کی یہ حالت تھی تو دوسرے اسلامی شہروں کو بھی اسی پر قیاس کر لینا مشکل نہ ہوگا۔

اور زکوٰۃ کے متعلق بھی قریب قریب ایسی ہی وجہیں بیان کی جاتی ہیں جو بامتداد ایام کم ہوتے ہوتے قریب بالکل مٹ جانے کے پہونچ گئی۔ اور اس کا مطالبہ لوگوں کے آمادہ جنگ ہونے کا باعث ہو گیا (۲) مصر میں تو زکوٰۃ کی تحصیل بالکل بند ہو گئی تھی۔ جس کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ جاری کیا۔ مگر مسلمان اس کے دینے سے انکار کرتے تھے۔ اور جو شخص وصول کرنے جاتا اسے برا بھلا کہتے تھے۔ لہذا منصور قلادن نے اپنے عہد حکومت ۶۷۸ھ میں ملک مصر سے زکوٰۃ کی تحصیل بالکل اڑا دی (۳)

عاملوں کی بددیانتی (۳)

بنی امیہ کے عہد میں عاملوں کا تحصیل خراج میں ظلم وستم سے کام لینا اور اس کی آمدنی کو خورد برد کرنا پہلے معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ عباسیوں کے دور میں ان کی حالت

---

(۱) ابن خرداذبہ ۱۲۸ (۲) ابن اثیر ج ۹ ص ۸۲ - (۳) مقریزی ج ۱ ص ۱۰۶ و ۱۰۸

اس بارے میں بہت کچھ سدھر گئی تھی، لیکن افسوس ہے کہ یہ عمدگی زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکی۔ خلفا کی کمزوری کے ظاہر ہوتے ہی عمال نے خودسری اضافۂ خراج اور اس کے دبا بیٹھنے پر کمر باندھی۔ خلفا اس امر پر مجبور ہوئے کہ ایک بہت حقیر رقم پر جو ان سے سال بسال لیتے رہیں خراج کا معاہدہ کرلیں جس کو "ضمان" یا "مقاطعہ" کہنا چاہیئے۔ جیساکہ خلیفہ مامون نے بشیر بن داؤد سے ۲۰۵ھ میں ملک سندھ کے خراج کا باہمی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ دس لاکھ درہم سالانہ وہاں کی آمدنی سے دربار خلافت میں ارسال کرتا رہے (۱) حالانکہ اس ملک کی اصلی مالی توفیر گیارہ لاکھ پچاس ہزار درہم تھی۔ (۲) ازخلیفہ راضی باللہ کے عہد میں "بریدی" نے صوبہ اہواز کی بابت یہ ضمانت کی تھی کہ وہاں کی آمدنی سالانہ تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار کئی قسطوں میں ادا کیا کرے گا۔ (۳) جس کا اصلی خراج اس رقم سے چوگنا زائد تھا اور باوجود اس کے یہ ضامن لوگ اپنی قبول کی ہوئی رقموں میں سے بھی بہت کم حصہ ادا کیا کرتے تھے۔ اور جب خلیفہ ان سے نرمی کے ساتھ مطالبہ کرتا تو وہ اس نرمی کو لجاجت پر محمول کر کے مستقل حکمراں بن جاتے۔ اس حالت میں خلیفہ کو اپنی افواج سے مدد لینے کی حاجت ہوئی اور اس کے لئے مال کی ضرورت تھی لہذا جو شخص مال صرف کرنے کی قوت رکھتا وہی خودمختار حکمراں بھی ہو سکتا تھا۔

ظلم و ستم اور فسادات (۴)

ملک میں ہنگامے اور فسادات برپا۔ اور فوجی جماعتوں کی آپس میں یا اُن سے اور عاملوں سے جنگ کی بنیاد قائم ہوئی تو ملکی لوگ تجارت اور کھیتی باڑی سے رک گئے کاروبار تھم گئے۔ اور نرخ کی گرانی آغاز ہو چلی۔ جب ملک کا امن و امان رخصت ہوا تو زراعت کیونکر ہوتی۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ خراج کی آمدنی گھٹی اور چونکہ عاملوں اور فوجی سپہ سالاروں کو روپیہ کی سخت حاجت تھی اس لئے انہوں نے اس کے حاصل کرنے

---

(۱) ابن اثیر ج ۶ ص ۱۴۹۔ (۲) ابن خلدون ج ۱ ص ۱۵۰۔ (۳) ابن اثیر ج ۸ ص ۱۲۶

میں رعایا پر جبر و تعدی سے کام لیا اور ملک کی ویرانی روز بروز بڑھنے لگی۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ظلم سے بڑھ کر ملکی آبادی اور خوش حالی کو تحس کرنے والی کوئی شے نہیں ہوتی۔ اس کے اثر سے ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں، اور لوگ کسب معاش کی کوشش سے باز رہتے ہیں۔ کسان کھیتی باڑی سے تاجر تجارت سے اور کاریگر اشیاء کے تیار کرنے سے رک جاتا ہے۔ اور ان تمام باتوں کا وبال حکومت کے سر پڑتا ہے۔ جس کے قیام کی صورت رعایا کی صورت حال سے وابستہ رہتی ہے۔ مشہور تو یہ ہے کہ صرف مال کو اس کے مالک کے قبضے سے بلا کسی معاوضہ یا سبب کے لے لینے کا نام ظلم ہے مگر وہ دراصل اس سے کہیں زیادہ عام معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کی ملک کو چھین لیتا ہے اُسے اپنے کام کے لئے ناجائز طور پر دبا بیٹھتا یا ناحق طریقے سے اس کا مطالبہ کرتا یا اس پر کوئی ایسا حق مقرر کرتا ہے جس کی اجازت شرع نہیں دیتی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ پس اس امر کے لحاظ سے مال کے ناحق لینے والے اس پر دست درازی کرنے والے اس کے لوٹنے والے لوگوں کو ان کے حقوق سے محروم کرنے اور املاکوں کے غصب کرنے والے سب علی العموم ظالم ہوتے ہیں۔ اس لیے جہاں ظلم نے سر اٹھایا وہاں لامحالہ تباہی اور بربادی کے قدم آجاتے ہیں۔

اور مصیبت کو اور زیادہ سخت بنانے والی بات یہ تھی کہ اوائل دولت عباسیہ میں اصلاح پسند خلفاء نے زمین کی شادابی اور سینچائی کے لئے جو نہریں اور نہلے کھدوائے تھے وہ سب لڑائیوں میں بند کر دیے گئے۔ کیونکہ جنگ آور فریق اکثر حالتوں میں اس بات پر مجبور ہوتے تھے کہ نہروں کو پاٹ کر غنیم کے جہازوں کی گذرگاہ بند کر دیں (۱) اور اس پر طرہ یہ تھا کہ عاملوں نے ذرائع آبپاشی کی خرابی اور زراعت کی بربادی پر عدم توجہی کرنیکا بھی حق ادا کر دیا تھا۔

جاگیرداری (۵)

ضیعہ کے معنے مزرعہ کے ہیں۔ مگر اصطلاح میں زمینداری عموماً اور تعلقہ داری خصوصاً

(۱) ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۱۸۱ - اور جلد ۸ صفحہ ۲۲۶

کہنا مناسب ہو گا۔ جن پر باعتبار غالب دولت مند اور ذی اثر طبقہ کے لوگ قابض ہوتے مثلاً خود حکمراں لوگ ان کے قریبی رشتہ دار۔ ملکوں کے عامل وزیر کاتب (سررشتہ دار) یا ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے بااثر اشخاص۔ تم نے اسی کتاب کے آغاز میں دیکھا ہوگا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے مسلمانوں کو کاشتکاری کرنے اور زمینداریاں خریدنے سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ ان کی اس حکمت عملی کا منشا عام مسلمانوں کو مقامی پابندی سے آزاد اور نقل و حرکت کے لئے بشرط ضرورت تیار رکھنا تھا تاکہ وہ دولتمندی اور عیش پسندی میں منہمک نہ ہو سکیں اور اسی بنا پر انہوں نے بیت المال میں بھی روپیہ جمع کرنے سے پرہیز کیا۔ مگر ان دونوں قاعدوں پر زیادہ مدت تک لوگوں کا عمل نہیں رہا۔ چنانچہ جب بنی امیہ کے عہد میں دینی خلافت جبری اور آزار دینے والی حکومت کی شکل میں تبدیل ہوئی تو خود صحابہ نے بے پایاں مال و زر جمع کیا اور بہت کچھ شاندار عمارتیں بنوائیں۔ زمینداریاں اور جائدادیں خریدیں جن کی تفصیل ہم دے چکے ہیں۔ اور ان کے بعد والے تابعین اور تبع تابعین نے بھی اپنے پیشرو لوگوں کی اس بارے میں پیروی کی جن میں خلفائے بنو امیہ کو خاص پیشقدمی کا فخر حاصل تھا۔ انہوں نے بکثرت نمائشی سامان اور تعلقے اور جاگیریں فراہم کیں۔ یہاں تک کہ ان کے بعض خاندان والوں نے ملکی زمینداروں کی اراضیاں ناجائز طور پر دبالیں۔ جن کی دادرسی کرنے والا بھی نہیں تھا۔ کیونکہ بنو امیہ عربی نسل کے بہت سخت جنبہ دار اور دوسری قوموں کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کرنے کے علاوہ مفتوحہ ممالک کی سرزمین کو اپنا حق حلال بھی تصور کرتے تھے۔ اس لئے جس آراضی کو وہ پسند کرتے بے تکلف اپنے قبضے میں کر لیا کرتے۔ اور جو کچھ چھوڑ دیتے وہ ملکی لوگوں کے پاس رہتی تھی (۱) مگر جب خلیفہ عمر بن عبدالعزیز برسر حکومت ہوئے تو انہوں نے مہربانی اور انصاف کے ساتھ احسان اور نرمی کرنے کی حکمت عملی میں خلیفہ عمر بن الخطابؓ کی پیروی کی اور قطعی فرمان صادر کیا کہ غصب کی ہوئی زمینیں ان کے اصلی

---

(۱) مقریزی جلد ا صفحہ ۷۷۔ اور آغانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۰ (۲) ماوردی صفحہ ۸۰

مالکوں عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں کو واپس دی جائیں۔ یہ بات ان کے خاندان والوں کے خلاف ہوئی۔ اس لئے انہوں نے بہت جلد ان کا خاتمہ کر دیا اور ان کے بعد پھر وہی اگلا رنگ پہلے سے زیادہ شوخ و شنگ ہو کر نکھر آیا۔

تعلقہ داری سنہ ۱۳۲ھ میں عباسی خلافت کا دور آغاز ہوا اور عباسیوں نے بنوامیہ کا قتل عام شروع کیا جس کے سبب سے وہ اپنا مال و زر اور زمین جائداد چھوڑ جان بچا کر بھاگ نکلے اور عباسیوں نے سب چیزوں پر قبضہ کیا۔ جس کے اپنی ملک میں لانے کو وہ خلافت کی شرطوں کے مخالف نہیں شمار کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اسے سلطنت کے تحفظ کا لازمہ اور حکومت کا ایک واجبی حق تصور کرتے تھے۔ اور اس امر کے متعلق دینی لحاظ سے کسی اجازت یا روک ٹوک کی تصریح بھی نہیں پائی جاتی تھی۔ علاوہ بریں انسان فطری طور سے قدرت پانے کی حالت میں دنیاوی طمطراق اور قوت و شوکت کے بکثرت فراہم کرنے پر بہت کچھ مائل رہتا ہے۔ اس لئے گو عباسی خلفانے اپنی حکومت کے اوائل میں مخلوق کی دادرسی کرنے اور ان کو امن و امان میں رکھنے کی بہت کوشش کی اور لوگوں پر ثابت کر دیا کہ ان کے اور بنوامیہ کے عہد میں کیا فرق ہے۔ وہ بذات خود کسی کی اراضی یا مال کو ہرگز غصب نہیں کرتے تھے۔ مگر ان کے بعض ارکان دولت اور درباری لوگ بے شک ایسی دست درازی کر گزرتے اور عام رعایا کی زمینداریوں کو دبا لیا کرتے تھے۔ جن کا انصاف بحالت نالش ہونے کے خلفا بہت خوبی کے ساتھ کر دیتے اور ان کی اراضیاں واپس دلا دیتے تھے (۱) تاہم امیروں اور دولتمندوں کے لالچ کسی طرح کم نہیں ہوتے تھے۔ وہ جس وقت موقع پاتے لوگوں کی دولت اور جائداد پر ناجائز قبضہ کر لیتے۔ عاملوں اور وزیروں وغیرہ نے حق اور ناحق جس طرح بن پڑا بکثرت جائدادیں خریدیں اور مکانات بنوائے۔ خلفا نے تاامکان انھیں زبانی ممانعت کی اور جب ایسی فہمائش کا کوئی اثر نہیں ہوا تو انہوں نے مصادرت کے ذریعہ سے یا ان کی وفات کے بعد ان کے مال و دولت کو ضبط کرنے کے وسیلے سے وہ تمام اموال چھین لیا جیسا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے بصرہ کے عامل محمد بن سلیمان کی

(۱) ماوردی۔ ص ۸۷

دولت لے لی۔ جس کی مقدار ۵ کروڑ درہم نقد علاوہ اراضیوں مکانوں اور مستغلات (بازاروں) وغیرہ کے تھی۔ جن کی آمدنی ایک لاکھ درہم روزانہ کے پرتہ سے ہوتی تھی۔ (۱) اور ایسے ہی کسی رکن سلطنت کے مرنے کے بعد اس کا مال ضبط ہو جانے کی بہت سی اور مثالیں بھی ملتی ہیں جو ان مصادرات کے علاوہ ہیں۔ جن کی تفصیل آیندہ کی جائے گی اور چونکہ جو اراضیاں اس صورت سے ضبطی میں آتی تھیں وہ حکومت اور خلیفہ کی ملک ہو جاتی تھیں لہذا اس کا انجام یہ ہوا کہ خلفا کا ذاتی خالصہ بہت بڑھ گیا۔

اراضی کی بخشش

تعلقوں کی خریداری زیادہ تر خلیفہ کے عزیزوں اور اس کے حاشیہ کے لوگوں کے لئے ہوتی تھی۔ جو شخصی اور مطلق العنان حکومت میں ایک طبعی امر ہے۔ خاص کر جس صورت میں کہ حکمران وقت ایسا نرم دل یا کمزور طبیعت کا شخص ہو جس پر اس کے کنبے والوں اور درباریوں کی سفارش موثر ہوتی ہو۔ انہیں وجوہ سے ارکان سلطنت کے پاس زمینداری کی اتنی افراط تھی کہ وہ آپس میں تحفہ کے طور پر اراضیاں دیا کرتے۔ شاعروں یا اسی قسم کے دوسرے لوگوں کو انعام میں بھی زمین کے قطعے بخشدیتے چنانچہ برامکہ کے حالات میں اس قسم کے عطیوں کی بافراط مثالیں ملیں گی۔ حسن بن سہل نے خلیفہ مامون کو اپنی بیٹی "بوران دخت" بیاہی تو اپنی اراضیوں کے نام کاغذ کے پرچوں پر لکھوا کر فوجی سپہ سالاروں اور افسروں کو لٹا دیئے۔ اور جس کے حصے میں جو پرچہ آیا اس میں لکھی ہوئی اراضی اس کو دیدی گئی (۲)

ایک صورت اراضی کی ملکیت کی دولت عباسیہ کی ابتدائی حالت میں یہ بھی تھی کہ بنوامیہ کے عہد سے اکثر زمینیں افتادہ چلی آتی تھیں ان کی بابت خلیفہ اپنے خاندان والوں بالخصوص لوگوں کو آباد کرنے اور باغات لگانے کی اجازت عطا کرتا تھا اور پھر وہ زمین اسی شخص کو دیدی جاتی جس نے اس کی حالت کو درست کیا۔ چنانچہ خلیفہ منصور نے اپنے بیٹے صالح کو اسی طریقہ پر اہواز کی بعض پرتی زمینیں آباد کرنے کے لیے عطا کیں (۳) ان کا قول

---

(۱) مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۸۸ (۲) ابوالفدا جلد ۲ صفحہ ۳۱ (۳) فخری صفحہ ۱۵۷۔

تھا کہ جو شخص کسی پرتی زمین کو قابل زراعت بنائے اور آباد کرے وہ اسی کی ملک قرار دی جائے گی۔

الجاء خلفا کے قرابت مندوں اور ارکان سلطنت کے پاس تعلقوں اور جاگیروں کی زیادتی کا ایک یہ سبب بھی تھا کہ ملکی باشندے اپنی زمینوں اور باغوں کے قطعے خلفا کے بعض عزیزوں یا عاملوں کے زیر اثر دیدیا کرتے تھے۔ جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ایک طرح کی عزت حاصل کرکے خراج وصول کرنے والوں کی زیادتیوں سے محفوظ رہیں۔ اس طریقہ کا نام "الجاء" رکھا گیا تھا۔ اور اس کا دستور یہ تھا کہ مالک اراضی ان معزز لوگوں میں سے کسی کی خدمت میں یہ التجا پیش کرتا کہ میری اراضی اپنے نام لکھوا لیجئے۔ جس کی اجازت ملنے پر وہ تمام زمین اسی امیر کے نام سے سلطنت کے کاغذات میں درج کر لی جاتی۔ اور اس کا اصلی مالک صرف اس کا کاشتکار باقی رہ جاتا اس بات کا نفع یہ ہوتا کہ خراج تحصیلنے والے عمال ان زمینوں کا لگان مانگنے میں ظلم اور سختی نہیں کر سکتے تھے۔ بلکہ بعض حالتوں میں اس معزز شخص کی رعایت سے آدھا یا چوتھائی خراج لینے پر ہی اکتفا کرتے۔ مگر رفتہ رفتہ ایک مدت کے بعد وہ اراضیاں جس کے نام الجا کی گئیں تھیں اسی کی ملکیت ہو جاتی تھیں (۱) اور اس کا اصلی مالک صرف آمدنی کا شریک رہ جاتا تھا۔ غرضیکہ جس ملک کے لوگ اپنے حکام کے ظلم و ستم سے ڈرتے رہتے ہیں وہاں ہر زمانے میں ایسی صورت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

الجاء کا مقصد الجاء کی ابتدا اسلامی دور میں بنی امیہ کے عہد سے ہوئی۔ جن کے عمال بے حد ظالم تھے۔ ابتداءً خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں جب مسلمۃ بن عبدالملک اس کا بھائی ملک سواد کا گورنر تھا تو وہاں کے لوگوں نے خراج وصول کرنے والوں کی سختی سے بچنے کے لئے اپنی اراضیاں اس کے نام الجا

---

(۱) ابن الفقیہ ۲۰۲ و ابن خلدون جلد اصفحہ ۳۰۸۔

کرا دیں۔ اس کے بعد وہ اراضی مسلمہ کی ملکیت ہو گئیں اور نسلاً بعد نسل اس کے خاندان میں قایم رہیں حتیٰ کہ عباسی عہد حکومت کا آغاز ہوا اور عباسی خلفائے ان پر بھی منجملہ بنی امیہ کے دیگر املاک کے اپنا قبضہ جمایا اور وہ اراضیاں داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس کی جاگیر میں دی گئیں۔ جو بعد کے زمانوں میں سلطانی املاک ہو گئیں (۱) اسی طرح برماغہ کے باشندوں نے آذربائجان میں مروان بن محمد والی آرمینیہ کے نام اپنی اراضی کا الجاء کر دیا تھا۔ پھر وہ بھی بنو امیہ کی جائدادوں کے شمول میں بنو عباس کے ہاتھ میں آئیں (۲)

زمینداری کا قیام

الجاء کا دستور مسلسل طور پر عباسیوں کے عہد میں بھی جاری رہا زنجان کے باشندوں نے تقرب حاصل کرنے اور صعالیک کی ایذا رسانی سے بچنے کے لئے اپنی جائدادیں قاسم بن الرشید کے نامزد کرا دی تھیں۔ اور اس کے نام بیعنامے لکھ کر خود اس کے کاشتکار بن گئے تھے۔ یہ اراضیاں بھی ایام مابعد میں ضیاع سلطانیہ کے زمرہ میں شامل ہو گئیں (۳) ملک فارس میں بھی یہ صورت واقع ہوئی وہاں بہت سی زمینیں ان کے مالکوں نے سلطان عراق کے درباریوں کے نامزد کر دی تھیں۔ جو انھیں لوگوں کے نام سے سرکاری کاغذات میں داخل خارج ہوتی رہیں اور مکمل صدیوں تک وہ زمینیں ان عمائد کے نام سے ان کے اصلی مالکوں کے قبضے میں چلی آئیں اور وہ عمائد ان کے وارث ہوتے اور ان کی خرید و فروخت بھی کرتے رہے۔ (۴) اور اصلی مالک صرف ان کے کاشتکاروں کی حیثیت رکھتے تھے۔

دیوان الضیاع

ابھی عباسیوں کے عروج کا زمانہ ختم نہیں ہوا تھا کہ خلفا اور ان کے قرابت مندوں اور درباری امیروں کے قبضے میں۔ بے شمار اراضیاں داخل ہو گئیں۔ اور حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ ان کے خراج اور عشر کی تشخیص کے لئے ایک جداگانہ صیغہ قایم کرے۔ جس کا نام دیوان الضیاع رکھا گیا اور

---

(۱) قدامہ ۲۴۱۔ (۲) ابن الفقیہ ۲۸۴ (۳) ابن الفقیہ ۲۸۳۔ (۴) اصطخری ۱۵۸۔

یہ "دیوان الخراج" سے بالکل الگ تھا۔ ان تعلقوں کے خراج کی مقدار علی بن عیسیٰ کے قائمہ میں نظر سے گذر چکی ہوگی جو اس نے ۳۰۶ھ کی بابت تیار کیا تھا۔ اور یہ تمام علاقے مشرقی شہروں یعنی رے، دماوند، قزوین۔ زنجان، قم، اصفہان، ہمدان اور ماسندان وغیرہ میں واقع تھے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض دوسرے ملکوں میں تعلقوں کا خراج دوسرے قسم کی اراضیوں سے کہیں زیادہ تھا۔ مثلاً ماہ البصرہ اور الیغارین میں تعلقوں کے خراج سے ۲۰۵۶۶۲ دینار کی آمدنی ہوتی تھی۔ اور وہاں کی دوسری زمینوں کا مالیہ صرف ۱۸۵۶۳۶ دینار تھا۔ پھر اگر جس طرح دوسری اراضیوں کا خراج وصول اور مقرر کرنے میں سختی برتی جاتی تھی۔ ایسے ہی تعلقوں پر بھی بھاری رقم وصول کی جاتی تو ان کا خراج مذکورہ بالا رقم سے کئی حصے زائد پڑ جاتا۔ کیونکہ ان علاقوں کا خراج دوسری اراضیوں کو دیکھتے ہوئے بہت خفیف تھا۔ بلکہ اکثر حالتوں میں بالکل چھوڑ دیا جاتا تھا اور کئی برسوں تک اس کا مطالبہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال موجودہ طرز حکومت کا جیسا مقتضا ہوتا یا ان تعلقوں کا عاملوں اور خلفا کے ساتھ تعلق ہوتا۔ ان امور کا لحاظ کر کے مناسب عمل کیا جاتا۔ اور بعض حالتوں میں کئی برسوں تک خراج جمع ہو کر چڑھتا جاتا یہاں تک کہ حکومت ہی بدل جاتی اور نیا حکمران آ کر اس کا مطالبہ کرتا تھا (۱)

(۶) سلطانی اراضیاں (خالصہ شاہی)

خلاصہ یہ ہے کہ اراضی کی دو قسمیں تھیں، اول عام اراضیاں یعنی ارکان دولت اور ملکی مالداروں اور دیگر لوگوں کی ملکیتیں دوم سلطانی اراضیاں۔ آخر الذکر کی بھی کئی قسمیں تھیں۔ جن کے علیحدہ علیحدہ نام تھے اور وہ نام حسب ذیل ہیں جو خود ان کی نوعیتوں کو بھی بتاتے ہیں:۔

۱۔ خاصہ کی اراضیاں۔ یہ خاص خلیفہ کی بلا شرکت غیرے ملکیت ہوتی تھیں ان زمینوں کا خراج علاوہ ان اراضیوں کے جو واسط کے نواح میں تھیں اور جن کا

---

(۱) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۸۲

خراج عامہ خلائق کی ملکیتوں کے ساتھ شامل کر دیا گیا تھا، علی بن عیسٰے کے قائمہ میں ۵۱۶۴۴۷ دینار دکھایا گیا ہے

۲۔ عباسیہ کی اراضیات جو بہ گمان غالب بنی عباس یعنی خلیفہ کے عزیزوں کی ملکیت میں تھیں اور جن کی تعداد مامون کے ایام میں ۳۳۰۰۰ آدمیوں تک پہونچ گئی تھی[1] ۳۰۶ھ میں ان اراضیوں کا خراج ۱۴۷۶۰ دینار علاوہ مقام "واسط" کے ایسی ہی اراضیوں کے وصول کیا گیا تھا۔

(۳) ضیاع مستحدثہ جن کا خراج بھی سنہ مذکور میں ۲۸۹۰۳۶ دینار آتا تھا

۴ ضیاع فراتیہ ان کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ یہ اراضیات دریائے فرات کے دونوں کناروں پر واقع تھیں اور ان کا خراج مذکورہ بالا سال میں ۶۱۱۲۰ دینار تھا۔

یہ اراضیات بغداد کوفہ واسط بصرہ اور اہواز و اصفہان کے سواد میں واقع تھیں۔ جن کو بعض اوقات مقررہ سالانہ رقموں کو طے کر کے ٹھیکے پر بھی دیدیا جاتا تھا (۲) ان اراضیوں کے دفتر الگ تھے۔ اور ان کے کاتب اور اعمال بھی جداگانہ تھے۔

بہرحال تعلقوں کی اراضیوں پر خراج بہت کم تھا باوجودیکہ وہ بہت سیر حاصل اور شاداب زمینیں تھیں اور خراج کی کمی کا یہ باعث تھا کہ خلفا اور ان کے عمال ان اراضیوں کے مطالبہ سے بہت سی رقمیں چھوڑ دیتے تھے۔ (۳) اور کبھی بالکل مطالبہ ہی نہیں کرتے تھے تاہم یہ دیکھا گیا ہے کہ سلطانی اراضیوں کا خراج مقام واسط کی ایسی ہی اراضیوں کے علاوہ ڈیڑھ ملین دینار سے زائد تھا۔ اور اس سے ان اراضیوں کی کثرت اور وسعت پر استدلال ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی شخصی اور مطلق العنان حکومتوں میں تعلقوں کی زیادتی ایک طبعی امر تھی۔ اور ہم اس کتاب میں بیان کر چکے ہیں کہ سلطان سلیمان کے عہد میں دولت عثمانیہ کی مالی آمدنی ۸۰۰۰۰۰ دوک تھی۔ جن میں سے ۵۰۰۰۰۰ دوک تنہا سلطانی تعلقوں کی آمدنی سے آتے تھے۔ (۴)

---

(۱) ابوالفدا جلد ۲ صفحہ ۳۴ (۲) ابن اثیر صفحہ ۶۸ (۳) ابن اثیر ۵ ص ۹۵ (۴) Emo Abb 80 اور (Porter's Coust Hist: of Turkey M.S.)

ایغار بنو عباس کے وقتوں میں خراج کے معدوم کرنے کی ایک اور قسم بھی رائج تھی جس کو ایغار "کہتے تھے۔ اس کے اصل معنے پورا اور ادا کرنے کے ہیں۔ چنانچہ اگر کہا جاتا کہ "اوغر العامل الخراج" تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ "استوفاہ" یعنی اس نے خراج بے باق کردیا۔ پھر زمانہ مابعد میں اس لفظ کو ایسے موقع پر استعمال کرنے لگے جبکہ کوئی مالک اراضی اپنی زمین کی یکمشت طے شدہ رقم ایک ہی مرتبہ ادا کرکے ہمیشہ کے لیے اس کا خراج معاف کرالیتا۔ اسی لئے کہتے تھے کہ "اوغر الملک الرجل الارض۔ یعنی بادشاہ نے کسی آدمی کو زمین کا خراج معاف کردیا۔ اور یا یہ صورت ہوتی تھی کہ عاملوں کے پنجۂ ظلم سے بچنے کے لئے سلطان اکبر کو خراج ادا کیا جاتا اور خراج کے ضمان کا نام "ایغار" رکھا جاتا (۱) لہذا جہاں تک بن پڑتا زمیندار لوگ اپنی اراضی کا "ایغار" کی مد میں داخل کرانا ضروری سمجھتے تھے۔ دولت عباسیہ میں جو مشہور ایغار ہوئے تھے ان میں سے ایک "ایغار یقطین" بھی تھا اس کی اصل یہ ہے کہ یقطین نامی ایک شخص کی بہت سی اراضیاں متعدد طساسیج (پرگنہ جات) سے "ایغار" کی مد میں داخل ہوئی تھیں۔ جو بعد میں سلطانی تصرف میں آگئیں اور ایغار یقطین ہی کی طرف منسوب رہتی آئیں۔" (۱)

کثرت مصارف کے اسباب

(۱) خلفاء اور ان کی بیویوں کی فضول خرچیاں

آبادی اور خوش حالی کا ایک طبعی خاصہ یہ بھی ہے کہ جب حکومت کے پاس مال و دولت کی بہتات ہو تو بادشاہ لوگ اس کے خرچ کرنے میں دل کھول کر سخاوت سے کام لیتے ہیں۔ خصوصاً مطلق العنان حکومتوں اور بالخصوص عباسی حکومت میں جس کے خلفاء بیت المال کے پورے مختار تھے (۲) یہ صورت بدرجۂ کمال پائی گئی ہے۔ کیونکہ ان کے وقت میں کثرت سے خلافت کے دعویدار ہوتے رہے۔ جن کا فتنہ فرو کرنے

(۱) قدامۃ ۲۴۱ - (۲) ماوردی ۲۰۳

کے واسطے ملک کے مختلف گروہوں کا روپیہ کے ذریعے سے راضی رکھنا یا جنگ کرکے ان کی شوکت کا مٹانا ضروری تھا۔ مگر پہلی شکل روپیہ کی افراط ہونے کی حالت میں سہل الحصول اور نتیجہ خیز ہو سکتی تھی۔ جس کو ہم دیکھ بھی چکے ہیں۔ خصوصاً رشید اور مامون کے زمانوں میں تو دولت کی انتہا نہیں ملتی ہے۔ لہذا اگر ہم ان کو حکومت کی حفاظت اور مفسدوں کا منہ بند کرنے کے لئے بے تکلف روپیہ خرچ کرتے دیکھیں تو اس میں کوئی حیرت کی وجہ نہیں۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ انہوں نے اس بارہ میں حد سے تجاوز کیا تھا۔ اور دولت کے نمائشی ٹھاٹھوں، فضول خرچیوں اور عیش پسندیوں میں بھی بہت سا روپیہ اڑا دیا۔ انہوں نے بے شمار لونڈیاں خریدیں تھیں۔ "خز" "دیبا" اور "حریر" کے بیش قیمت فرش اور پردے بنوائے تھے۔ اور ان کے شامیانوں کی میخیں چاندی کی ہوتی تھیں۔ (۱) باغات۔ سیرگاہیں۔ محل اور ایوان اور شاندار شہر تعمیر اور آباد کئے تھے۔ مصاحبوں کا جمگھٹا ان کی صحبتوں کو گرم رکھتا تھا ناچ رنگ کی محفلیں ان کے دل بہلاتی تھیں۔ غرضیکہ عیش و عشرت کی تمام قسمیں اور خوراک و لباس وغیرہ کی نفاست پسندی ان میں بدرجہ غایت پائی جاتی تھی۔ اور چونکہ اسلامی فتوحات سے قبل اہل فارس کی عشرت پسندی حد سے بڑھی ہوئی تھی اور عباسی خلفا کی حکومت اس زمانے سے تھوڑی ہی مدت کے بعد انھیں ممالک میں قایم ہوئی۔ لہذا یہ تمام باتیں بہت آسانی کے ساتھ ان کے دماغوں میں بھی سما گئیں (۲) اور عباسی خلفا نے اپنی بیویوں، ماؤں اور خاص لوگوں کو بھی دولت کی فراہمی کی بابت آزادی دیدی تھی۔ جنہوں نے خوب روپیہ جمع کیا اور عیش و کامرانی کی داد دی۔

خلفا کی بیگمات کی ثروت

خلیفہ سفاح کی صرف ایک بیاہتا بیوی تھی (۳) اور منصور نے اپنی وفات سے قبل اپنے فرزند

---

(۱) اعلام الناس صفحہ ۹۸ (۲) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۸ - (۳) اعلام الناس صفحہ ۷۵ -

مہدی کو یہ وصیت کردی تھی کہ خبردار عورتوں کو اپنے معاملات میں ہرگز دخیل نہ بنانا (۱) لیکن باوجود اس کے رشید کی ماں "خیزران" ہادی کے زمانے میں اور نیز ہارون الرشید کے عہد میں تمام سیاہ و سفید کی مالکہ تھی۔ اور رشید کا وزیر یحییٰ بالکل اسی کے حکم کا بندہ تھا۔ مجال کیا تھی کہ اس کے اشارے کے برخلاف کر سکے۔ (۲) اس کے اس اقتدار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنی ذات خاص کے لئے بکثرت دولت دولت فراہم کرلی یہاں تک کہ اس کی ذاتی جائداد کی سالانہ آمدنی .... ۱۶ درہم (۳) تک پہونچ گئی۔ جو ان دنوں کی عباسی مملکت کی نصف خراج کے برابر تھی۔ اور آجکل بڑے سے بڑے دنیا کے متمول شخص کی آمدنی اس کے دو ثلث حصہ سے زائد نہیں ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ امریکہ کے مشہور دولت مند رو کفلر کی سالانہ آمدنی تقریبا ایک کروڑ پانچ لاکھ پونڈ ہے اور خیزراں کی تو خیر ایک کروڑ پانچ لاکھ دینار سے بہت بڑھی ہوئی تھی جس کی بات ہم پہلے کسی مقام پر بیان کرآئے ہیں۔ کہ ان دنوں کے نقود کی قیمت موجودہ زمانے کے سکوں سے تگنی زائد تھی۔ اور ایک دینار ½ پونڈ کے مساوی ہوتا ہے۔ لہذا "رو کفلر" کی آمدنی "خیزراں" کے محاصل کے دو ثلث کے برابر ہو سکتی ہے

مال و دولت کی کثرت

پھر اسی کے ساتھ "خیزراں" بڑی سازشی اور روپیہ کے سمیٹنے پر بے حد رغبت رکھنے والی تھی۔ چنانچہ جب اس نے اپنے بیٹے "ہادی" کو اپنے ارادوں میں حارج پایا تو اندرونی طور پر اسے قتل کرادیا (۴) جس وقت خیزران نے انتقال کیا وہ تمام جائداد رشید کے ہاتھ لگی۔ جس نے وہ اراضیاں لوگوں کو جاگیروں میں بانٹ دیں (۵) خیر۔ "خیزراں" تو ایک عاملہ اور سمجھدار عورت تھی۔ اس نے مال جمع کرنے کی تدبیریں سوچیں اور ثروت عباسیہ کے عہد عروج میں دولت فراہم کی تو کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ انحطاط کے زمانے میں جبکہ بیت المال بالکل خالی ہوتا تھا ان دنوں میں بھی خلفاء کی مائیں روپیہ جمع کرنے سے نہیں چوکیں۔ چنانچہ خلیفہ "معتز" کی ماں "قبیحہ" کے محل میں دہلیزوں وغیرہ کے اندر دفن کئے ہوئے .... ۲ دینار اور جواہرات اور تحفوں کی اتنی مقدار برآمد ہوئی کہ جن کی قیمت

(۱) ابن اثیر ج ۲ ص ۸ (۲) ابن اثیر ج ۶ ص ۴۰ (۳) مسعودی ج ۲ ص ۱۸۸ (۴) ابن اثیر ج ۶ ص ۴۰ (۵) سیر الملوک ۱۸

کا اندازہ مشکل ہے تمثیلاً مشتے نمونہ از خروارے چند چیزوں کو ان میں سے ہم بیان کئے دیتے ہیں جو حسب ذیل ہیں :۔

بیش بہا زمرد ایک مکوک ۔ بڑے بڑے آبدار موتی نصف مکوک ۔ یاقوت سرخ ایک کیلجہ ۔ ان جواہرات کی قیمت .... ۲ دینار تخمینہ کی گئی تھی ۔ اور باوجود اتنی دولت پاس رکھنے کے اس نے .... ۵ دینار کے لئے اپنے بیٹے کو قتل ہو جانے دیا ۔ (۱)

فضول خرچی

اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر عجیب و غریب حالت محمد بن الواثق کی ماں کی ہے ۔ اسکی سالانہ توفیر ...... ا دینار تھی ۔ (۲) جو وہ اپنی لونڈیوں پر خرچ کیا کرتی اور یہ آمدنی قریب قریب خیزران کے آمدنی کے برابر ہے ۔ مقتدر کی ماں کے مقبرے سے لوگوں نے ۶ لاکھ دینار نکالے جو وہاں مدفون تھے ۔ اور کسی کو ان کا علم نہیں تھا ۔ حالانکہ خلیفہ بیت المال کے خالی ہونے کی وجہ سے تنگدستی میں مبتلا تھا ۔ (۳) اسی پر عراق اور اس کے سوا دوسرے اسلامی ممالک کے خلفا اور سلاطین کی ماؤں کا حال قیاس کر لو ۔ وہ سب اثر و اقتدار رکھتی تھیں اور فوجی سپہ سالاروں اور ارکان دولت کے ساتھ ساز کر کے سلطنت کے کاروبار میں ہاتھ ڈالتی تھیں ۔ جیسا کہ ۲۴۹ھ میں خلیفہ مستعین عباسی نے کیا تھا کہ اس نے اپنی والدہ اور آتامش اور شاہک خادم کو بیت المال کا مختار کل بنا دیا تھا ۔ جو ان کا دل چاہتا وہ کر گزرتے تھے ۔ لہٰذا اطراف مملکت سے جس قدر مالی آمدنی آیا کرتی اس کا بڑا حصہ انہیں تینوں کے قبضے میں نکل جاتا تھا (۴)

ایسی حالت میں یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں کہ عورتوں خادموں اور فوجی افسروں کے گھر دولت سے بھر جائیں ۔ کیا اس بات کو معلوم کرنے کے بعد اگر سننے میں آئے کہ خلیفہ مستعین کی والدہ کے اثاث البیت میں ایک فرش اس قسم کا تھا جس کی تیاری پر تیرہ کروڑ دینار (جو شاید درہم ہوں) لاگت آئی تھی ۔ اس میں جانوروں کی تصویریں تھیں جن کے جسم سونے کے تھے ۔ اور آنکھیں جواہرات کی ۔ (۵) یا کوئی بیان کرے کہ فلاں خلیفہ کی حرم نے فلاں شاعر کا منہ موتیوں سے بھر دیا جو اس نے بیس ہزار دینار کو فروخت کئے

---

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۹ (۲) طبری ج ۳ ص ۱۱۷۰ (۳) ابن اثیر ج ۷ ص ۷ (۴) ابن اثیر جلد ۷ ص ۴۷ (۵) مستطرف ج ۱ ص ۱۳۴

(۱) یا "قطر الندیٰ" وغیرہ خلفا کی بیویوں کے تحفوں کی حالت سنی جائے۔ (۲) تو کوئی تعجب ہو سکتا ہے ؟

شاہی محلات کا سیاسی اقتدار

اس کے ماسوا عباسی خلفا کی خدمتوں میں جو قہرمانہ عورتیں یا شاہی محلات کے اخراجات اور انتظام پر متعین رہتیں اور وزیر یا اس کے قائم مقام کے ساتھ ان کے انتظامات کرتی تھیں (۳) ان عورتوں کو شاہی محلات اور سلطنت کے امور میں بہت بڑا رسوخ حاصل تھا۔ جیساکہ مقتدر کے ایام میں اُم موسیٰ قہرمانہ (محلدارنی) کو اختیارات حاصل تھے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں تھی (۴) لیکن اگر خلفا کے محلوں میں لونڈیوں اور خدمت گاروں کی بکثرت جماعتیں نہ ہوتیں تو ان قہرمانہ عورتوں کو مصارف کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں آ سکتا تھا۔

لونڈیاں اور غلام

خلیفہ منصور کے حالات میں ہم تحریر کر آئے ہیں کہ اسے اپنے محل میں "طنبور" کے موجود ہونے کا علم ہوا تو اسے رکھنے والے کے سر پر پٹک کر توڑ ڈالا تھا۔ مگر اس کی وفات کو چالیس برس نہیں گزرے تھے کہ خلفا کے محل سرا اچھے خاصے ناچ گانے کے منڈوے (ناچ گھر) بن گئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ رشید کے قصر میں تین سو لونڈیاں ناچنے گانے والی اور قسم قسم کے باجے بجانے والی تھیں۔ اور ان کے علاوہ مصاحبوں اور مسخروں کا ایک بڑا بھاری جمگھٹا اس کی محفل عیش میں موجود رہتا تھا۔ جیسے شیخ ابی الحسن خلیع دمشقی (۵) اور ابن ابی مریم مدنی (۶) وغیرہ لونڈیوں میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار سے لے کر دس ہزار دینار ۔ (۷) بلکہ ایک لاکھ دینار تک تھی۔ اور ان کیلئے لباس اور زیوروں پر جو خرچ کیا جاتا وہ اس کے سوا ہے کچھ ہوتا تھا۔ چنانچہ اسی خلیفہ رشید نے صرف ایک انگوٹھی ایک لاکھ دینار کو خریدی تھی۔ (۸) اسی پر اور چیزوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ماسوا خوب صورت چھوکروں اور غلاموں کی

---

(۱) ابن خلکان۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۹۹ (۲) مستطرف جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ (۳) ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۱۲ (۴) ابن اثیر جلد ۸ ص ۲۴
(۵) اعلام الناس ۹۸ (۶) طبری جلد ۳ صفحہ ۷۴۳ (۷) ترتیب الاول ۱۲۶ (۸) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۴

خریداری پر بھی ایک کثیر رقم خرچ کر دی جاتی تھی۔ جن کی تعداد سیکڑوں اور ہزاروں ہوتی تھی۔ خلیفہ مقتدر کے رومی اور حبشی خواجہ سرا خادموں کی تعداد ۱۱ ہزار تک پہنچ (۱) گئی تھی۔ پھر اتنے خادموں کے رہنے کے لئے مکانوں محلوں اور فرش وغیرہ کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ خلیفہ "معز" نے بغداد میں ایک محل ......۱۲۰ درہم کی لاگت سے بنوایا تھا (۲) اور خلیفہ امین نے مقام "خیزرانیہ" میں بہت سے قصر تعمیر کرائے تھے جن کے بنوانے میں ......۲ درہم صرف ہوئے (۳) اس نے دریائے دجلہ میں پانچ بجرے بنوا کر ڈلوا دیئے

پانچ بجرے

تھے۔ جن میں سے ایک شیر کی صورت دوسرا ہاتھی کی شکل تیسرا عقاب۔ چوتھا سانپ۔ اور پانچواں گھوڑے کی صورت کا تھا۔ اور ان بجروں کی تیاری میں بہت دولت صرف کی گئی تھی۔ ابونواس شاعر اسی کے بارے میں کہتا ہے :-

سخر اللہ للامین مطایا :	خداوند پاک نے خلیفہ امین کے لئے ایسی
لم تسخر لصاحب المحراب	سواریاں مسخر بنا دیں جو کہ صاحب محراب کے لئے بھی
فاذا ما رکابہ سرن برا	مسخر نہیں ہوئی تھیں جس وقت کہ اسکی سواریاں خشکی
سار فی الماء راکبا لیث غاب	میں چلتی تھیں تو وہ شیر ببر پر چڑھ کر دریا میں چلا
عجب الناس اذ راوک علی صورٍ	لوگ تم کو شیر کی صورت پر سوار دیکھ کر تعجب کرتے ہیں
لیث تمر مر السحاب	جو ابر کے ٹکڑوں کی طرح چلتا ہے جب تمکو اس پر سوار سیر
سبحوا اذ راوک سرت علیہ	کرتے دیکھتے ہیں تو سبحان اللہ کہتے ہیں لیکن اگر وہ
کیف لو ابصروک فوق العقاب	تم کو عقاب پر دیکھیں کیا کہیں۔ جو سینہ پر چونچ اور
ذات زور ومنسر وجناحین	دونوں بازو رکھتا ہے اور پیہم پانی کی موجوں کو
تشق العباب بعد العباب	چیرتا ہوا چلتا ہے اگر اسکو آمد و رفت میں جلد
تسبق الطیر فی السماء اذا ما	چلائیں تو وہ فضائے آسمان میں اڑنے والی چڑیا
استعجلوھا بجیئۃ وذھاب	سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔

خلفائے بنی عباس کے نمائشی امور سے متعلق جن باتوں کو نظیر کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک بات یہ بھی ہے کہ خلیفہ "امین" نے ایکدن اپنے باغ

(۱) فخری ص ۲۳۴ (۲) ابن اثیر ج ۵ ص ۲۱۱ (۳) ابن اثیر ج ۶ ص ۱۱۲

کے چبوترہ پر فرش بچھائے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ زرعی اور نمارق وغیرہ کے فرش بچھائے گئے اور سونے چاندی اور جواہرات کے بے شمار ظروف وغیرہ مہیا ہوئے۔ جو عورت لونڈیوں کی افسر (داروغہ) تھی اسے حکم ملا کہ ایک سو ناچنے گانے والی لونڈیاں کو آراستہ و پیراستہ کرکے تیار رکھے جو باری باری اس خلیفہ کے روبرو لائی جائیں۔ اور ایک ساتھ عود بجا کر گائیں۔ (۱) غرضیکہ ان تمام باتوں کی تعمیل کی گئی۔ خلفاء کی شاہ خرچیوں اور فضول مصارف کی پوری تفصیل ہم اس کتاب کے اس حصے میں کریں گے جس میں اسلامی طرز معاشرت اور سوسائٹی کی حالت بیان کی جائے گی اشارۃً اسی قدر لکھنے پر کفایت کی جاتی ہے۔

سخاوت

اکثر اسراف کی زیادتی جود و سخاوت کے موقعوں کے لئے مخصوص پائی جاتی ہے۔ جن میں سے بعض بخششیں روزمرہ بطور فرض واجب اور فرض کے ہوا کرتی تھیں۔ خلیفہ ہارون الرشید خاص اپنے مال سے روزمرہ زکوۃ دینے کے بعد ہزار درہم صدقہ میں دیا کرتا تھا۔ (۲) اور خلیفہ مامون اپنے خاصہ کے لوگوں پر ہر روز ۶۰۰۰ درہم خرچ کیا کرتا تھا۔ (۳) جس کی سالانہ مقدار کو غور کیا جائے تو بیس لاکھ درہم سے زائد ہوتی ہے پھر بھی یہ رقم ان انعاموں اور عطیوں کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں رکھتی جو وہ عام طور پر دیا کرتے تھے۔ خلیفہ منصور نے اپنے خاندان والوں کو صرف ایک دن میں ایک کروڑ درہم تقسیم کر دیئے (۴) اور خلیفہ مامون نے ایک ہی دن میں صرف تین شخصوں کو پندرہ لاکھ درہم عطا کئے۔ (۵) اور اسی کتاب میں ایک موقع ... پر دیکھا گیا ہوگا کہ اس نے گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھے ہوئے ایک ساعت کے اندر دو کروڑ چالیس لاکھ درہم لوگوں کو تقسیم کر دیئے اور ہارون الرشید نے مامون کے لئے دس کروڑ درہم کی وصیت کی تھی۔ معتصم نے اپنی خلافت کے اثنا میں جس قدر مال تصدق کیا اس کی مجموعی مقدار دس کروڑ درہم تھی۔ (۶) اور نقد تنخواہوں کے علاوہ مقتدر نے علاقوں اور

---

(۱) ابن اثیر ج ۶ ص ۱۲۰ (۲) طبری ج ۳ ص ۷۴۰ (۳) فخری ص ۲۰۷ (۴) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳ (۵) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۶۷

.... اراضی کی شکل میں جس قدر روپیہ صرف کیا اس کی مقدار سات کروڑ دینار تک پہنچ گئی تھی۔ (۱) مزید بریں شاعروں وغیرہ کو جو انعامات دیے جاتے تھے وہ ان مصارف کے علاوہ ہیں۔ بسا اوقات ایک ہی شاعر کا انعام ایک لاکھ درہم تک پہونچ جاتا تھا اور مورخین نے اتنی یا اس سے بھی زائد رقموں کا ذکر کیا ہے۔ ابن خلکان مشہور شاعر "سلم الخاسر" کی بابت بیان کرتا ہے کہ اس نے خلیفہ مہدی کی مدح میں ایک قصیدہ لکھ کر اس بات کی قسم کھائی تھی کہ وہ اس کے صلے میں ایک کروڑ درہم سے کم نہیں لے گا۔ اور خلیفہ نے اسے اتنی ہی رقم عطا کی تھی۔ اگرچہ اس بیان میں کھلا کھلا مبالغہ ہے تاہم اس سے ان کی سخاوت کا مبلغ ضرور معلوم ہوتا ہے۔ (۲) اور اکثر اوقات وہ شاعروں کو اراضیاں بھی عطا کیا کرتے تھے۔ جو نقد انعام کے ماسوا ہوتی تھیں (۳)

انعاموں کی کثرت کے امکان

کیا وہ فی الحقیقت ایسا ہی کرتے تھے؟ گو اس بات کو اور اسی کی مثل اور باتوں کو کفایت شعارانہ حکومت کے قواعد پر نظر کرتے ہوئے خرافات کی قبیل سے تصور کریں گے۔ مگر ثروت عباسیہ کی مقدار اور اس رقم کا اندازہ کرنے کے بعد جو مصارف حکومت سے بچ کر خزانہ عامرہ میں جمع ہوا کرتی تھی اور خلفا یا ان کے قائم مقام وزیر دل وغیرہ کو اس کے صرف کرنے کا مطلق اختیار حاصل ہوتا تھا۔ ہمارا گمان ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ ہم اس ثروت کی حقیقت ہی میں شک و شبہ کریں جو در اصل بالاجمال تاریخ کے بیانات پر شک کرنے کے ہم معنے ہے کیونکہ مختلف زمانوں اور مقامات کے تمام مورخ ہمارے ان بیانات سے متفق ہیں۔ جو اس قبیل سے کیئے گئے ہیں۔ پھر اگر ہم شاعروں یا اسی قسم کے اور لوگوں کی اس تاثیر کو اعتبار کریں جو انھیں خاص مرکز خلافت میں حاصل تھی تو ہم پر ان بڑے بڑے انعاموں کو صحیح مان لینا آسان ہو جاتا ہے اور ہم انشاء اللہ پوری تفصیل اسی کتاب کے اس حصہ

---

(۱) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۹۰ (۲) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۹۸ (۳) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۴۶۸۔

میں کریں گے جس میں اس زمانہ کی طرزِ معاشرت اور سوسائٹی کے حالات بیان ہوں گے۔

اس کے علاوہ ہم اپنے زمانے کے مال داروں کی حالت بھی آخر دیکھتے ہی ہیں۔ جن میں سے صرف ایک ایک آدمی کسی تصویر یا کسی آثار قدیمہ کے ٹکڑے کی قیمت میں پچاس ہزار اور ایک لاکھ پونڈ تک خرچ کر ڈالتا ہے حالانکہ ان چیزوں سے کسی نفع یا نقصان کی توقع نہیں ہوتی۔ ابھی حال ہی کا ذکر ہے کہ ہم نے امریکہ کے مشہور متمول " مارگن " کی بابت یہ خبر پڑھی تھی کہ اس نے چند تصویریں ایک ملین پونڈ کو اس لیے خرید کی ہیں تاکہ انھیں کسی عجائب خانہ کو ہدیۃً نذر کر دے۔

شعراء کو کثیر انعام

مزید بریں ہم اپنے اگلے بیانات کی صحت پر اسی قبیل کے بعض دوسرے واقعات کے سیاق سے بھی استدلال کر سکتے ہیں جو بکثرت روایت کیے گئے ہیں۔ مثلاً ایک " موئل " شاعر کا ہی قصہ ہے کہ وہ مہدی کے پاس اس زمانہ میں گیا کہ جب وہ ولیعہد تھا اور یہ قصہ خود موئل نے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے " میں رَے کے مقام میں " مہدی " کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حالانکہ اسوقت وہ صرف ولیعہد تھا۔ اس نے مجھے ان بیانات کے صلے میں جو میں نے اس کی مدح میں کہے تھے بیس ہزار درہم عطا کیے جانے کا حکم دیا۔ اس کی خبر مہدی کے باپ خلیفہ منصور کو پہنچی تو اس نے مہدی کو معزول کر دینے کا ایک عتاب آمیز فرمان بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ تم کو لازم تھا کہ جب کوئی شاعر ایک سال تک تمہارے آستانہ پر حاضر رہتا تو تم اسے صرف چار ہزار درہم عطا کرتے " پھر موئل بیان کرتا ہے کہ خلیفہ منصور نے مجھ کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ جب میں حاضر ہوا تو مجھ سے فرمایا " کیوں جی! تم ہی نے ایک ناتجربہ کار لونڈے کے پاس جا کر اسے دھوکہ دیا ہے " موئل کہتا ہے کہ میں نے کہا " ہاں خدا امیرالمومنین کو سلامت رکھے میں ایک صاحبِ کرم ناتجربہ کار صاحبزادے کے پاس حاضر ہوا تھا اور میں نے اُن کو دھوکہ بھی دیدیا " خلیفہ منصور نے کہا " اچھا تم نے اس کی تعریف میں جو اشعار کہے ہیں مجھے بھی سناؤ " موئل کا بیان ہے کہ " میں نے

خلیفہ کو وہ قصیدہ سنادیا جس کا مطلع یہ ہے:۔

هو المهدی الا ان فیه — وہ مہدی تو ہے۔ مگر اس کی صورت ماہِ
مشابه صورة القمر المنیر — تاباں کے مشابہ ہے۔

خلیفہ منصور نے کہا: واللہ تم نے خوب کہا ہے۔ لیکن اس کا صلہ بیس ہزار درہم نہیں ہوسکتا۔" پھر کہا:" روپیہ کہاں ہے؟" میں نے کہا:" یہ موجود ہے" خلیفہ نے ربیع کو حکم دیا۔ ربیع! تم اس کے ساتھ جاکر چار ہزار درہم اس کو دیدو اور باقی رقم اس سے لے لو" چنانچہ ربیع میرے ساتھ دیوان خانہ میں آیا اور میرا بوجھ اترواکر چار ہزار درہم مجھے دیدیئے اور باقی خود لے لئے۔ (۱) اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خلفا ایک شاعر کی قیمت ہزاروں درہم لگاتے تھے۔

صرف خاص

کیا خلفا اپنے خاص مال سے یہ فضول خرچیاں کیا کرتے تھے؟ اب ہمیں صرف اس بات پر نظر کرنا رہ گیا کہ خلفا جو انعام وعطا لوگوں کو دیا کرتے تھے آیا وہ ان رقموں کو اپنے ذاتی اور خاص مال میں سے دیتے تھے یا حکومت کے بیت المال سے دلواتے تھے؟ جس کی تعبیر مسلمانوں کے بیت المال سے کی جاتی تھی۔ یہ ایسا ٹیڑھا سوال ہے جس کے قطعی جواب دینے کے لئے ہمیں کوئی صاف اور صریح قول دستیاب نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ مورخین کا اس بارے میں سکوت اختیار کرنا اس بات کو راجح بناتا ہے کہ خلفا ان جائزوں اور انعاموں کی دہانید بیت المال ہی سے کراتے تھے اور اس بارے میں وہ اس لئے قابل ملامت نہیں ہوسکتے کہ مسلمانوں کے نزدیک امام وقت بیت المال کا ولی تھا۔ اور جس شکل میں اسے مسلمانوں کی بہتری نظر آتی اس میں اپنے اجتہاد کے مطابق روپیہ صرف کرنے کا مجاز تھا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اسے کسی شاعر کو انعام دینے یا کسی اہل علم کو کوئی رقم عطا کرنے میں حکومت کا فائدہ نظر آتا تھا۔

خاص بیت المال

اگرچہ ہم نے خلیفہ مہدی کے ایام میں بیت المال الخاصہ

(۱) طبری جلد ۳ ص ۴۰۲

کا بھی ذکر دیکھا ہے اور بعض ان حوادث کے سیاق سے جو خلفا کو پیش آئے ہیں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جب وہ کسی شاعر وغیرہ کو کسی رقم کے عطا کئے جانے کا حکم دیتے تھے تو ان کی مراد یہی ہوتی کہ وہ رقم مسلمانوں کے بیت المال سے دی جائے اور یہ کہ وزیر لوگ اکثر حالتوں میں ایسے اسراف کو ناپسند کرتے اور ان کے پورے کرنے میں خلیفہ کا حکم نافذ نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ایک بار "عیسیٰ بن داب" کو "ہادی" کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ "عیسیٰ بن داب" حجاز والوں میں بہت بڑا زبان داں اور خوش بیان مانا جاتا تھا۔ اور خلیفہ ہادی کی خدمت میں اسے اتنا تقرب حاصل ہو گیا تھا کہ اس سے پہلے کسی کو اتنی منزلت نہیں نصیب ہوئی تھی۔ خلیفہ نے ایک بار اس کے واسطے تین ہزار دینار یکمشت دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ صبح کو "ابن داب" نے اپنے داروغہ کو حاجب کے پاس بھیجا کہ روپیہ وصول کر لائے تو حاجب نے اس سے کہا "یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔ تم صاحب التوقیع (فرمان لکھنے والے) اور دیوان (دفتر دار خزانہ) کے پاس جاؤ" خادم "ابن داب" کے پاس واپس آ گیا اور اس سے اس بات کو بیان کیا جس کے جواب میں ابن داب نے کہا "اُنہ جانے بھی دو۔ ہو گا" اس واقعہ کے بعد جبکہ خلیفہ ہادی اپنے محل کے جھروکے میں بیٹھا شہر کی سیر کر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ "ابن داب" تنہا ایک خدمت گار کے ساتھ کہیں جا رہا ہے۔ خلیفہ نے فوراً اسے بلوا بھیجا اور جب وہ سامنے آیا تو اس سے کہا "میں دیکھتا ہوں کہ تم دھلے ہوئے کپڑے پہنے ہو اور یہ جاڑوں کا زمانہ ہے جس میں نیا لباس بنانے کی حاجت ہوتی ہے" ابن داب نے کہا "میں تنگدست ہوں"۔ خلیفہ (حیرت سے) "یہ کیوں؟ ہم نے تو تم کو اتنی کثیر رقم دلوادی جس میں تم اپنی حیثیت بنالو گے" ابن داب نے کہا "مجھے تو کچھ بھی نہیں ملا" یہ سنکر ہادی نے بیت المال الخاصہ کے افسر کو بلایا اور حکم دیا کہ ابھی تیس ہزار دینار لا کر فوراً حاضر کرو" اور وہ روپیہ لے آیا تو ابن داب کے یہاں بھجوا دیا گیا۔(۱) اس قصہ کے سیاق سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ نے پہلے وہ رقم خزانہ عامرہ سے دلوائی تھی۔ مگر جب اس صیغہ کے ذمہ داروں نے وہاں سے

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۴

نہیں دی تو اس نے اپنے خزانہ خاص سے دلوائی۔

ہارون الرشید کا واقعہ

یحییٰ بن خالد کو بھی اسی قبیل کا ایک اتفاق پڑا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اسے حکم دیا تھا کہ ایک لونڈی کی قیمت ایک لاکھ دینار دیدی جائے۔ اور اس نے اس قدر رقم کو بہت زیادہ سمجھ کر اس کے دینے میں عذر کیا تھا۔ جس پر خلیفہ ناراض ہوگیا۔ اس لئے یحییٰ نے اپنے آرادہ کیا کہ وہ خلیفہ پر اس بات کو واضح کردے کہ بیت المال اس قسم کے بے جا اخراجات کو جن کا تعلق حکومت کے کاروبار سے کچھ بھی نہیں کس حد تک برداشت کرسکتا ہے۔ اس نیت سے اس نے ان دیناروں کو درہموں کی صورت میں تحویل کرکے اس کی مجموعی مقدار جو پندرہ لاکھ درہم تھی ایک ایسے رواق (دالان) میں ڈھیر کرادی جدھر سے ہارون الرشید وضو کرنے کے لئے آیا جایا کرتا تھا۔ اور خلیفہ نے اس مال کو دیکھ کر کہا اخاہ اتنا روپیہ کیوں ڈھیر کردیا گیا ہے۔ پھر جب اسے آگاہ کیا گیا کہ یہ لونڈی کی قیمت کا روپیہ ہے۔ تو وہ سمجھ گیا کہ اس نے کس قدر بے جا صرف کیا لیکن اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی تصور کیا کہ اس حرکت میں اس کے ساتھ کیسی گستاخی کی گئی ہے اور اس کے ہاتھوں کو خرچ کرنے سے روک دینے کا قصد کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس نے یہ بات اپنے دل ہی میں مخفی رکھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جن اسباب سے اس نے برامکہ کو تباہ و برباد کیا منجملہ ان کے ایک سبب یہ بھی تھا۔(۱)

خلیفہ واثق باللہ اور اس کے وزیر ابن الزیات میں بھی ایک بار ایک لونڈی کی قیمت پر ایسا ہی واقعہ گزرا تھا۔ چنانچہ جب وقت وزیر نے رقم کے دینے میں ٹال ٹول بتائی تو خلیفہ نے اس کو دوچند رقم ادا کرنے کا حکم دیا جس کی تعمیل اسے کرنی ہی پڑی۔(۲)

حضرت ابی سفیان ثوری کا خط

خلیفہ ہارون الرشید نے ابی سفیان ثوری رح کو ایک خط لکھ کر انھیں اپنے پاس بغداد میں بلایا تھا۔ اس کے جواب میں ابو سفیان رح نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل اس کلام سے ملتا ہوا ہے جو حضرت ابو ذر غفاری رض نے امیر معاویہ سے کہا تھا۔ اور اس سے اس بات پر بھی روشنی

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۲ (۲) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۳

پڑتی ہے کہ ہارون الرشید مسلمانوں ہی کے بیت المال سے انعام واکرام اور عطیے دیا کرتا تھا اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ہارون الرشید نے ابوسفیان ثوری کو ایک خط لکھ کر ان کے پاس مقام کوفہ میں روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ اس کے پاس تمام لوگ چلے آرہے ہیں اور وہ بیت المال کا دروازہ کھولے ہوئے ان کو بڑے گراں قدر عطیے دے رہا ہے اور ایسی ہی بہت سی مثالیں اپنے جودوکرم کی لکھی تھیں۔ ابوسفیان نے اس کے جواب میں جو خط لکھا اس کا لہجہ نہایت سخت تھا۔ جس کا کچھ حصہ حسب ذیل ہے:۔

امابعد۔ میں تم کو یہ خط لکھ کر اس بات کی اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے تم سے رشتہ تعلق توڑ دیا اور تمہاری محبت اپنے دل سے نکال ڈالی ہے۔ تم نے اپنے خط میں یہ لکھ کر مجھ کو اپنے افعال کا گواہ بنا لیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال پر دست درازی کر کے اسے ناحق طور پر خرچ اور ناجائز باتوں میں اڑا دیا ہے۔ تم خود ہی اپنے کردار سے نازاں ہونے پر قالع نہیں رہے بلکہ مجھ کو بھی جو تمہارے کرتوتوں سے ناواقف تھا وہ سب امور لکھ کر اپنا گواہ بنا لیا۔ اب میں اور میرے وہ سب بھائی جو تمہارے خط کے آنے کے وقت موجود تھے تمہارے گواہ بن گئے ہیں اور ہم سب قیامت کے دن خداوند پاک کے حضور میں جو حاکم عادل ہے اس بات کی شہادت ادا کریں گے۔۔۔۔۔ اے ہارون تم نے مسلمانوں کے بیت المال پر ان کی مرضی کے خلاف حملہ کیا ہے۔ کیا تمہارے اس فعل سے مولفۃ القلوب اور خدا کی زمین میں اس پر عمل کرنے والے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور مسافر لوگ راضی ہیں؟ کیا قرآن پاک کے اٹھانے والے اور اہل علم (عمل کرنے والے) لوگ اس بات سے خوش ہیں؟ اور کیا یتیم بچے اور بیوہ عورتیں تمہاری اس حرکت سے رضامند ہیں۔؟ یا تمہاری رعایا کا کوئی حصہ اس بات سے خوش ہو رہا ہے؟ (۱) پس یہ بات اور اسی کے مثل اور باتیں بھی اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خلفا جو کچھ انعام وعطیات لوگوں کو دیتے تھے یا شان وشکوہ کے نمائشی سامان

---

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۲ (۲) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۳

کرتے تھے، یا جس قدر وہ فضول خرچیاں کرتے تھے، وہ سب باتیں بیت المال ہی کے برتے پر ہوتی تھیں۔

(۲) سلطنت میں ابواب مصارف کی زیادتی

ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی حکومت کے مصالح کس قدر تدریجی رفتار سے ترقی پذیر ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں خود ہی وزیر امیر قاضی اور سپہ سالار تھے۔ راشدین کے عہد میں سلطنت کے چھ عہدے جدا جدا قرار پائے۔ اور پھر وہ حضارت (شہری زندگی) کی زیادتی اور قلمرو کی وسعت کے ساتھ ہی ساتھ پہلے بنوامیہ کے وقتوں میں اور بعد ازاں بنوعباس کے ایام میں کس انداز سے بڑھتے گئے۔ پھر جیسے جیسے مال و دولت کی کثرت ہوئی اسی طریقے پر کاموں کی بھی نئے نئی شاخیں پھوٹتی رہیں۔ اور خلفا اور ان کے ارکان سلطنت کی دولت کے ٹھاٹھوں اور آرام پسندی کی طرف مائل ہونے سے بکثرت جدید صیغے اور محکمے قائم ہوتے رہے۔ چنانچہ منصور کے زمانے سے ہارون الرشید کے عہد سے مامون کے ایام میں نسبتاً حکومت کے کاروبار میں ترقی پائی جائے گی اور اسی پر ان کے بعد آنے والے خلفا کے ایام میں صیغہ جات انتظامی اور ابواب مصارف کی بیشی کو قیاس کرنا چاہیے۔ چنانچہ ایام معتضد کے آمد و خرچ کی رپورٹ میں ملا۔ خلفا کے متعدد قسموں کے روزینہ خوار نظر پڑتے ہیں جن میں غلاموں کی جماعتیں، ممالیک. باورچی خانوں کے لوگ۔ مصاحبین اور سواری کے جلودار وغیرہ شامل ہیں۔ حالانکہ ابتداءِ دولتِ عباسیہ میں ان لوگوں کا کہیں وجود بھی نہیں تھا۔ اور انھیں لوگوں کے اوپر خدم خاص اور اطبا اور گانے والوں اور ہم نشینوں وغیرہ کو قیاس کرنا چاہیے۔ جن کا شمار بیان نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تمام امور حکومت کی حضارت میں نمائشی شان و شکوہ کے اقتضا سے پیدا ہوتے گئے۔ مزید بریں بعض اخراجات ابتدا از بیت المال کے سوا دیگر آمدنیوں سے پورے ہوتے تھے۔ وہ

بعد میں بعض اسباب کے پیش آنے سے بیت المال ہی کے ذمے عائد ہو گئے۔ مگر ہم کو وہ اسباب اس لیے نہیں معلوم ہو سکتے کہ ان کے بارے میں کوئی صریح ثبوت بہم نہیں پہونچتا۔ ہاں بہت سے دوسرے ثابت شدہ امور کے ضمن میں ان پر استدلال ضرور ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایام معتضد کے گوشوارۂ مصارف میں جو ۲۷۹ھ کی بابت ہے اور علی بن عیسیٰ کے گوشوارہ میں جو ۳۰۶ھ کے متعلق ہے ان دونوں کے اندر ایک بیّن فرق نظر آتا ہے۔ آخر الذکر میں چند ایسے مصارف درج ہیں جن کا اول الذکر میں کوئی نشان بھی نہیں ہے۔ جیسے حرمین کے مصارف۔ صوبجات کے قاضیوں کی تنخواہیں۔ حسبہ کے افسروں کی رواتب۔ اور تمام ملکوں میں ملازمین محکمۂ ڈاک کے وظائف اور سرحدی مصارف۔ کہ ان ابواب کا پہلے گوشوارے میں کہیں پتا بھی نہیں۔ جس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں صوبوں کے عمال (گورنر) اپنی اقلیم کی آمدنی میں سے یہ مصارف پورے کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی طرف ہم اشارہ بھی کر آئے ہیں۔ مگر جس وقت خلفا کمزور اور عمال سرکش ہو چلے تو حکومت کو بدرجہ مجبوری اپنے ہی خزانہ سے ان اخراجات کی دہانید کرنی پڑی۔

مال غنیمت کی کمی

پہلے حصے میں بیان ہو چکا ہے کہ سرحدی صوبوں کی مالی آمدنی وہیں خرچ ہو جاتی تھی اور بیت المال میں اس کا کوئی جزو داخل نہیں ہوتا تھا۔ تاہم آغاز حکومت عباسیہ میں اموال غنائم وغیرہ کی بافراط آمدنی ان صوبوں سے آتی رہتی تھی۔ (۱) مگر انحطاط کے دور میں جہاد کی کمی نے مال غنیمت کی یافت کم کر دی۔ اور طرہ یہ ہوا کہ بیت المال کو ان صوبوں کے مصارف آغاز عہد حکومت سے بڑھ کر انگیز کرنے پڑے۔ یہاں تک کہ خلیفہ مقتدر کے ایام میں وہاں کے اخراجات تقریباً پانچ لاکھ دینار تک پہونچ گئے تھے۔ حالانکہ اس سے قبل ایک لاکھ دینار تھے۔ اور یہی وہاں کے ملکی محاصل کی مقدار تھی جو وہیں کے کاموں میں خرچ کر دی جاتی تھی۔ (۲) اور اس کے ماسوا فوجوں

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۳۷۔ (۲) قدامہ ۲۵۳۔

کی تنخواہوں اور رسد پر جو خرچ کرنا پڑتا تھا وہ اور بھی طرہ تھا۔

(۳) تنخواہوں کی زیادتی

مصارف کی زیادتی کچھ اسی وجہ پر موقوف نہیں تھی کہ زمانہ سابق سے نسبتاً خرچ کے صیغے بڑھ گئے تھے۔ بلکہ پچھلے صیغوں اور محکموں کے اخراجات بھی اوائل حکومت کی نسبت دو چند ہو گئے تھے۔ یہ ایک طبعی امر ہے کہ جس وقت سلطنت کی ثروت حد سے زیادہ بڑھ جائے تو وہ اپنے عہدیداروں کی تنخواہوں اور روزینوں کا اضافہ بھی کر دیتی ہے۔ پھر اگر اس حکومت کی بنیادیں کمزور ہو تی ہیں تو بہت قلیل عرصہ میں اس کی ثروت گھٹ جاتی ہے اور ملازموں کی تنخواہیں بدستور بیش قرار باقی رہتی ہیں جن کا پورے طور سے ادا کرنا خزانے کے امکان سے باہر ہوتا ہے۔ اور حکومت کو مجبور ہو کر بھاری بھاری ٹیکس لگانے پڑتے ہیں جن کی تحصیل میں سختی اور ظلم سے کام لیا جاتا ہے اور اس بات کو دیکھ کر رعایا کی ہمتیں کاروبار کی طرف سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور ملک عام طور پر مفلس و تنگ حال بن جاتا ہے۔

جناب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابو بکر رضؓ کے ایام میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ لڑائیوں میں جو کچھ مال غنیمت مل جاتا اسی کو آپس میں بانٹ کھاتے اور پر بنا رسد ہر شخص کو مختلف حصہ ملتا رہتا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن الخطاب رضؓ کی حکومت کا وقت آیا اور انہوں نے (دیوان) مالی محکمہ قایم کیا۔ ہر ایک مسلمان کا سالانہ وظیفہ مقرر کیا اور ان کو نسبت و قرابت نبویؐ یا سبقت اسلامی کے اعتبار سے ایک دوسرے پر امتیاز دیا گیا (۱) عہدوں اور خدمات کا کچھ لحاظ نہیں کیا جاتا اس لئے کہ ان میں سے کوئی ایک شخص خواہ وہ کاتب یا عامل یا قاضی کچھ ہی ہوتا مگر کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتا تھا۔ لیکن جس وقت حکومت کے کاروبار

(۱) حصہ اول۔

کی شاخیں بڑھنے لگیں اور وہ ایک دوسرے سے ممتاز ہونے لگے تو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں نظر آیا کہ عہدوں اور منصبوں کے لحاظ سے تنخواہیں بھی قرار دی جائیں چنانچہ فوجی سپاہی سے عامل کاتب حاجب اور قاضی وغیرہ کے عہدوں تک سب کی معین تنخواہیں دی جانے لگیں۔ پھر جب عباسی سلطنت میں وزارت کا عہدہ قائم ہوا تو اس کے واسطے بھی جدید قائم شدہ عہدوں کی مثل تنخواہ کا تقرر ہوا ان تمام منصبوں کی تنخواہیں حکومتوں اور زمانوں کے اس اختلاف کے ساتھ تغیر و تبدل پاتی رہیں۔ اس لیے ہم صرف ان منصبوں میں سے زیادہ مشہور منصبوں کی کی تاریخ پر نظر ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں۔ جو ہماری مقصودہ زمانہ کے اندر پائی گئی ہے۔

عاملوں کی تنخواہیں

حضرت عمرؓ کے ایام میں عامل کی تنخواہ چھ سو درہم ماہوار تھی (۱) پھر اس کی شرح عاملوں اور ملکوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتی رہی۔ چنانچہ انہیں حضرت عمرؓ نے امیر معاویہ عامل شام کی تنخواہ ایک ہزار دینار سالانہ بھی مقرر کی تھی۔ (۲) بنو امیہ کی حکومت قائم ہوتے ہی ملکوں کی گورنری بھی عجیب گڑبڑ ہو گئی۔ عاملوں کو اپنا مددگار بنائے رکھنے کے لیے لالچ دیئے یا خارجی (باغی) اور علویوں سے جنگ کرنے کے بیش قرار مصارف وغیرہ پورے کرنے کے واسطے جو کچھ وہ مانگتے مقتضائے حال کے لحاظ سے دیا جاتا اور بسا اوقات پورا ایک ملک ہی کسی کو دے ڈالا جاتا جس کی آمدنی سب وہی کھا پی جاتا۔ خلافت کے خزانے میں وہاں کی آمدنی سے ایک کوڑی بھی نہیں داخل ہوتی تھی۔ بلکہ وہ اسی عامل کی خدمت کے معاوضہ میں محسوب کی جاتی مگر یہ صورت صرف بڑے بڑے عاملوں کے ساتھ مخصوص تھی جیسے عراق عرب اور عراق عجم کے عامل، یا مصر اور خراسان کے عمال۔ چنانچہ یزید بن عمرو بن ہبیرہ امیر عراق کی تنخواہ بنو امیہ کے زمانے میں چھ لاکھ درہم سالانہ تک پہنچ گئی تھی۔ (۳) اور خالد قسری والی عراق عجم کی آمدنی ایک کروڑ تیس لاکھ درہم سالانہ ہو گئی تھی۔ (۴) مگر اس آخر الذکر کی

---

(۱) سراج الملوک ۲۷۷ (۲) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۵ (۳) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ (۴) ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۹۶

آمدنی تنخواہ میں شمار نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس کو پیمانۂ قیاس قرار دینا مناسب نہ ہوگا۔

علاقہ کے لحاظ سے تنخواہیں

ان بڑے عاملوں کے ماتحت بھی کچھ چھوٹے چھوٹے عامل ہوتے تھے۔ جن کو وہ اپنے زیر حکومت صوبوں کے بڑے بڑے شہروں میں مقرر کیا کرتے۔ جیساکہ حجاج نے عراق اور امیر عمرو بن العاص نے ملک مصر میں کر رکھا تھا۔ ان چھوٹے عاملوں کی تنخواہیں محدود ہوتی تھیں۔ جو تین سو درہم ماہوار سے زائد نہیں تھیں (۱) ان کی تنخواہیں دولت عباسیہ کے آغاز سے مامون کے ایام تک اسی پیمانہ پر قایم رہتی چلی آئیں۔ لیکن مامون کے عہد میں اس کے وزیر فضل بن سہل نے مال و دولت کی افراط ہونے پر خلیفہ کی یہ خواہش دیکھ کر کہ وہ اپنے خراسانی مددگاروں کی خوشنودی کا خواہاں ہے جس وقت سب لوگوں کی تنخواہوں میں اضافہ کیا تو ان لوگوں کی بھی تنخواہیں بڑھا دیں۔ بہر حال تنخواہوں کی مقداریں ملکوں کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتی تھیں کیونکہ کبھی کوئی شخص صرف ایک چھوٹے سے قطعہ ملک کا گورنر ہوتا تھا اور گاہے چند ملکوں کا ایک ساتھ حاکم قرار پاتا تھا۔ اس لئے ملک کی وسعت اور اہمیت اور خلیفہ کی خوشنودی کے اعتبار سے بھی تنخواہوں کا اندازہ قرار پایا تھا۔ خلیفہ مامون نے فضل بن سہل کو ملک مشرق کا گورنر مقرر کیا جس کی حدود طولاً ہمدان کے پہاڑ سے تبت تک اور عرضاً دریائے فارس سے بحر دیلم (قزوین) تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ اور اس میں عراق کے اس طرف کے تمام مشرقی ممالک ہندوستان کے حدود تک داخل تھے۔ اور اس کی تنخواہ تیس لاکھ درہم سالانہ مقرر کی گئی۔ اس کو ایک جھنڈی دی جو دو شاخہ نیزے کے چھڑ پر پھریرے لگا کر تیار کی گئی تھی اور ایک بڑا نشان جھنڈا بھی دیا گیا اور "ذی الریاستین" کا لقب عطا کیا گیا۔ (۲) یعنی تلوار اور قلم دونوں کا امیر بنایا۔ اس کی تلوار پر سونے کے حروف میں ایک طرف "ریاستہ الحرب" اور دوسری طرف "ریاست التدبیر" لکھوایا گیا تھا(۳) خلیفہ مامون نے اسے اتنے اعزاز اور مراتب سے اس لئے نوازا کہ اس نے خلیفہ مذکور کے ساتھ

---

(۱) طبری جلد ۲ ص ۳۲۴ (۲) ابن اثیر جلد ۶ ص ۱۰۳ (۳) طبری جلد ۱۰ ص ۱۰۴۱۔

بہت بڑی جاں نثاری کی تھی اور جس وقت مامون کو اپنے بھائی امین سے خلافت کے لیے جنگ کرنی پڑی تو فضل نے اسکو نہایت قابل قدر امداد دی تھی۔ پس ان چھوٹے عاملوں کو جو مختصر صوبوں کے حاکم ہوتے تھے فضل کی حالت پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ جبکہ ویسے بیسیوں عامل خود اسی کے ماتحت ممالک شرقی میں متعین تھے اور ان لوگوں کی تنخواہیں مختلف ملکوں کے لحاظ سے بھی جداگانہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ ابن حوقل کے اس بیان پر قیاس کر کے جو اس نے منصور بن نوح کے وقت کے عاملوں کی نسبت لکھا ہے (۱) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان عاملوں کی تنخواہیں تین سو درہم سے لے کر ایکہزار درہم کے مابین تک کم و بیش ہوا کرتی تھیں۔

لیکن بڑے بڑے ملکوں کے عامل جن کا تعلق براہ راست خلیفہ کے ساتھ رہا کرتا ان کے مشاہرے بہت قرار تھے جیسا کہ فضل بن سہل کی بابت دیکھا جا چکا اور چوتھی ہجری کے اوائل میں ابی علی ماذرانی عامل مصر کا راتب تین ہزار دینار ماہوار تھا۔ (۲) (یا ساٹھ ہزار درہم) جس کی سالانہ مقدار سات لاکھ بیس ہزار درہم ہوتی ہے۔ باقی لوگوں کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔

موجودہ تنخواہوں سے مقابلہ

لہذا اگر ہم ان تنخواہوں کو آج کل کے عہدہ داروں کی تنخواہ سے نسبت دیکر خیال کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ کس قدر بیش قرار تھیں۔ کیونکہ اسوقت دولت عثمانیہ (ترکی) میں گورنروں کے ۳ درجے ہیں درجہ اول کے والی کو ۲۵۰ لیرہ (ترکی پونڈ) درجہ دوم کے والی ۲۰۰ لیرہ اور درجہ سوم کے والی کو ۱۵۰ لیرہ ماہوار ملتے ہیں اور انگلستان کی جانب سے وائسرائے ہندوستان کو بیس ہزار آٹھ سو تینتیس روپیہ ماہوار (۳) یعنی تقریباً پانچ لاکھ فرانک سالانہ ملتے ہیں۔ جو اس زمانے کے عاملوں میں سب سے بڑی تنخواہ ہے۔ تاہم وہ "ماذرانی" تنخواہ کے سامنے بہت کم ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہو چکا۔ اور اس کا تو کوئی ذکر ہی نہیں کیا جا سکتا جو عباسی حکومت کے عمال تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بہت کچھ کما لیا کرتے تھے۔

---

(۱) ابن حوقل ۳۴۲ (۲) Alb. B. [illegible] (۳) تہیکر ۲۶۶

کاتبوں کی تنخواہیں کاتبوں کی تنخواہیں مامون کے ایام تک چھوٹے عاملوں کے مثل تھیں جن کی مقدار تین سو درہم ماہوار سے زائد نہیں ہوتی تھی، ان کو بھی فضل بن سہل نے اضافہ کر دیا جس کی مقدار ہم کو معلوم نہ ہو سکی۔ کہ کسقدر اضافہ ہوا تھا۔ لیکن دوسرے اہل مناصب کی تنخواہوں کے قیاس پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی زیادہ رہی ہوں گی۔ اس کے علاوہ ان کو روزمرہ کے اخراجات کے لئے الگ مل جایا کرتا تھا۔ اور مقریزی نے ان چیزوں کی ایک تفصیل شمار کرائی ہے۔ جو مصر کے ایک کاتب کو فاطمی عہد حکومت میں صرف ایک دن کے اندر ترکاریوں مٹھائیوں میووں اور خوشبوؤں غرضیکہ کھانے پہننے اور بچھانے کے سامانوں کے تمام اقسام سے اس کو اس کی اولاد کو اور اس کے کنبہ والوں کو جو چیزیں ملا کرتی تھیں ان کی تعداد نے اس کتاب کے تقریباً ڈیڑھ یا تین صفحے رنگے ہوں گے۔ جن کو ہم نے طوالت کے خیال سے چھوڑ کر صرف اشارۃً اس قدر لکھ دیا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی منظور ہو وہ علامہ مقریزی کی تصنیف اٹھا کر دیکھ سکتا ہے (۱)۔

وزیروں کی تنخواہیں وزارت کا عہدہ دولت عباسیہ کے بڑھائے ہوئے صیغوں میں شمار کرنا چاہئے جو ان سے پہلے کسی اسلامی حکومت میں قائم نہیں تھا۔ عباسی حکومت کے وزیروں میں سب سے پہلے مزید شہرت وعزت برامکہ نے حاصل کی اور ان کی تنخواہوں کی مقداریں ہم کو نہیں مل سکیں۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ وہ بہت بیش قرار تھیں اور مزید بریں بیت المال کے وہ بالکل مختار تھے۔ جو کچھ ان کے دل میں آتا اس میں سے خرچ کرتے انعام دیتے جاگیریں مقرر کرتے کوئی ان کو روکنے والا نہیں تھا اور ہم خلیفہ معتضد کے زمانہ کے گوشوارۂ مصارف میں اس بات کو دیکھ چکے ہیں کہ وزیر کی تنخواہ ایک دن کی ۳۳ دینار یا ہزار دینار ماہوار تھی۔ اس لئے اگر ہم ان سکوں کی مقدار آج کل کے سونے اور چاندی کی قیمت کی نظر سے دیکھیں تو یہ تنخواہ پندرہ سو

---

(۱) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۳۹۹

گنیوں (پونڈ) سے زائد ہوگی اور آجکل کوئی وزیر بھی ایسا نہیں ہے جس کو اتنی تنخواہ ملتی ہو۔ دولت عثمانیہ میں وزیر کی تنخواہ تین سو لیرہ۔ الا صدر اعظم جس کو ایکہزار لیرے ملتے ہیں اور مصری وزیر کو (۲۵۰) گنی ماہوار ملتی ہے اور انگلستان کے وزیر اعظم کی تنخواہ دو ہزار پونڈ سالانہ ہے۔ (۱)

وزرار کی تنخواہیں علاوہ بریں وزیروں کی تنخواہیں زمانوں اور حکومتوں کے اختلاف کے ساتھ بھی ہوتی تھیں۔ خلیفہ ناصر اندلسی کے زمانے میں وزیر کی تنخواہ اسی ہزار دینار سالانہ نقد اور بہت سے ہدیئے۔ (۲) تھے۔ چھٹی صدی ہجری کے خاتمہ پر خلیفہ مکتفی کے وزیر یحییٰ بن ہبیرہ کی تنخواہ ایک لاکھ دینار سالانہ تھی (۳) اور وزیروں کی مذکورہ بالا تنخواہوں کے علاوہ ان کے بیٹوں بھائیوں اور ملازموں کو بھی تنخواہیں خانگی مصارف اور بہت سے وظیفے ملا کرتے تھے۔ خصوصاً ملک مصر میں اس قسم کی رسم زائد تھی۔ چنانچہ مصر کے فاطمی حکومت میں جاگیروں کے علاوہ خود وزیر کو پانچ ہزار دینار ماہوار، اس کے بیٹے اور بھائی کو تین سو سے دو سو دینار تک اور اس کے حاشیہ کے لوگوں کو فی کس ... ۳۰۰ سے ۵۰۰ دینار تک ملا کرتے تھے۔ (۴) اور جاگیریں اور نقد تنخواہیں بھی ان کھانے پینے اور حوائج زندگی کے اشیا کے علاوہ تھیں جو ان کو اور ان کے خاندان والوں کو ملتی رہتی تھیں۔ عزیز باللہ فاطمی حاکم مصر کے ایام میں "ابن عمار" وزیر کو اپنے ذاتی اور گھر والوں کے خرچ خوراک کے لئے گوشت غلوں کی اتنی مقدار ملتی تھی جس کی قیمت پانچسو دینار ماہوار ہوتی تھی۔ اور میووں کا ایک ٹوکری ایک دینار کی اور دس رطل موم بتی ایک دینار کی اور نصف حمل (گٹھڑ) نورس کھجوریں (۵) یہ چیزیں بھی دی جاتی تھیں۔

قاضیوں کی تنخواہیں خلفائے راشدین کے ایام میں قاضی کی تنخواہ سو درہم ماہوار نقد تھی اور خوراک کے لئے حسب ضرورت گیہوں کا غلہ بھی ملتا تھا۔ (۵) پھر بنو امیہ کے زمانہ میں اور عہدوں کی تنخواہوں کی طرح ان میں بھی ترقی کی گئی

---

(۱) تمیکر ڈائرکٹری صفحہ ۱۷ (۲) نفح الطیب جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ (۳) فخری ۲۸۸ (۴) مقریزی ج ۱ ص ۴۰۱
(۵) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۳۔

اور سنہ ۸۰ھ میں قاضی مصر کی تنخواہ ایک ہزار دینار سالانہ ہوگئی (۱) یعنی تقریباً راشدین کے ایام سے دس گنی بڑھ گئی۔ اس کے بعد عباسیوں کا دور شروع ہوا اور ان کی تنخواہوں میں تخفیف کردی گئی۔ چنانچہ خلیفہ منصور کے ایام میں قاضی مصر کی تنخواہ تیس دینار ماہوار تھی پھر منصور کے جانشینوں کے عہد سے اس میں بیشی ہونے لگی یہاں تک کہ خلیفہ مامون کے ایام سنہ ۲۱۲ھ چار ہزار درہم ماہوار تک پہنچ گئی۔ (یعنی دو سو ستر دینار) اس کے بعد ابن طولون کے عہد میں پھر گھٹا دی گئی اور ہزار دینار سالانہ رہ گئی۔ (۲)

بغداد کے قاضیوں کی جو تنخواہیں اوائل دولت عباسیہ میں مقرر تھیں ان کا پتہ ہمیں نہیں ملا۔ البتہ معتضد کے گوشوارے میں ہم نے اس قدر دیکھا ہے کہ قاضی کا یومیہ راتب ۱۶½ دینار یا پانچسو دینار ماہوار تھا جس کے اندر دس اور فقیہوں اور قاضی کے نائب کی بھی اجرتیں شامل تھیں اور باوجود اس کے وہ اس زمانہ کے قاضیوں کی تنخواہوں پر نظر کرتے ہوئے ایک بڑی تنخواہ ہے۔ کیونکہ آستانہ عالیہ میں شیخ الاسلام کی تنخواہ پانچسو عثمانی لیرہ سے زیادہ نہیں جس کی نسبت اس زمانہ اور ان دنوں کے نقود کی قیمتوں کا فرق بھی اعتبار کرنا مناسب ہے۔

خلفا اور ان کے گھر والوں کے وظائف

یہ بات دیکھی جا چکی ہے کہ خلفاء نے وزیروں اور کاتبوں کے متعلقین کے لیے وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ اس صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ جب خلیفہ بیت المال کا مختار کل ہوتا تھا تو انہوں نے اپنی ذات خاص اور اپنے اہل و عیال کے لیے بدرجہ اولیٰ وظائف مقرر کیے ہوں گے مگر افسوس ہے کہ کوئی ایسا صریح اور صاف بیان نہیں ملتا جس کے ذریعہ سے ہم اس پہلو کو روشنی میں لاسکیں۔ البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے کنبہ والوں کو علاقے اور نقد مال دینے کا حکم صادر کیا کرتے تھے۔ اور وہ بھی بالاکثر ایام حکومت کے ابتدائی دور میں جبکہ انہیں اپنے گھرانے والوں سے حکومت کے لیے مقابلہ کرنے کا خطرہ رہتا تھا اس لیے وہ مال دیکر

(۱) سراج الملوک ص ۲۷۷ (۲) سیوطی جلد ۲ ص ۱۱۵

اپنے خاندان والوں کو راضی بناتے تھے اور بیعت کو خرید لیا کرتے تھے۔ جس طرح خلیفہ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے اپنے فرزند کی ولیعہدی کیواسطے ایک کروڑ دس لاکھ درہم قیمت ادا کر کے بیعت کو اس کے اور اس کی آئندہ نسل کے لئے مول لے لیا تھا۔(۱) یا اس لئے جاگیریں اور نقد روپیہ دیتے تھے تاکہ وہ خوشحالی سے زندگی بسر کر سکیں اور ان کے مددگار بنے رہیں۔ جیسے کہ منصور نے اپنے چچاؤں کے ساتھ کیا تھا اس نے اپنے ہر ایک چچا کو بیت المال سے دس دس لاکھ درہم دلوائے تھے۔ اور منصور پہلا شخص تھا جو اس طریقہ کا موجد ہوا (۲) اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو ہر سال اتنی رقم دی جاتی تھی اور جس وقت منصور کا بیٹا مہدی حکمراں ہوا تو اس نے اپنے ہر ایک عزیز کے واسطے چھ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔(۳) اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ تقریباً اسی قسم کے وظائف پر باقی رہے اور اس کے علاوہ بڑے بڑے عطئے بھی لیتے رہے خاصکر خلفا کے بیٹے اور ان کے ولیعہد بہت بیش قرار وظائف پایا کرتے اور گرانقدر عطئے بھی وصول کرتے رہتے تھے۔ خلیفہ ہادی نے اپنے بھائی ہارون الرشید کو ولیعہدی سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تو اسے اس بات پر راضی بنانے کے لئے ۱۷۰ھ حکم دیا کہ رشید کو ایک ملین دینار اور مملکت عباسیہ کا نصف خراج دیا جائے۔(۴)

وظائف میں اضافہ

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رشید نے اپنے خاندان والوں کے وظائف میں اضافہ کیا تھا اور اسی طرح مامون نے بھی اپنی خلافت کے ایام میں دوسرے عہدہ داروں کی تنخواہیں بڑھائے پر ان کے وظائف میں بھی ضرور توسیع کی ہوگی۔ مامون کے ایام میں خاندان بنی عباس کے ممبروں کی تعداد تینتیس ہزار شخصوں تک پہنچ گئی تھی۔ خلیفہ مستعین باللہ نے حکمراں ہونے کے بعد "معتز" اور "مؤید" سے ان کی تمام املاکوں کو خرید لیا اسباب کی شہادت تحریری حاصل کر کے ان کے پاس صرف اس قدر جائداد رہنے دی جس کی آمدنی سے معتز کو سالانہ بیس ہزار دینار اور "مؤید" کو سالانہ پانچ ہزار دینار حاصل ہوتے رہے۔ اور ان دونوں کو نظر بند کر دیا تھا۔(۵)

---

(۱) ابن اثیر ج ۵ ص ۲۷۵ (۲) طبری ج ۳ ص ۳۰ (۳) سیر الملوک ۲۵ (۴) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۵۰ (۵) طبری ج ۳ ص ۱۵۰۷

بیت المال پر ارکان دولت کا قبضہ

چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں "ابن رائق امیرالامراء کا زمانہ آیا تو خلفاکے ہاتھ بیت المال میں تصرف کرنے سے روک دیئے گئے" اور اس وقت سے خزانہ ارکان دولت کے قبضہ میں رہنے لگا۔ سب سے پہلے جس خلیفہ کے ہاتھوں کو خزانہ سے روکا گیا وہ" راضی باللہ تھا جس نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی فوجی سپہ سالاروں اور ارکان سلطنت نے بیت المال اور ملکی محاصل پر مالکانہ قبضہ کر لیا تو خلفا کو وظائف لینے کی حاجت پیش آئی کیونکہ اب ان کو بیت المال پر قبضہ نصیب نہیں تھا۔ اس لیے ان کے واسطے کچھ خفیف رقم بطور وظیفہ کے مقرر کردی گئی (۱)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حالت سے قبل بجز ان رقموں کے جو اموال غنیمت میں سے ان کو حکم شرع کے مطابق مل جایا کرتی تھیں ان کے کچھ وظائف معین نہیں تھے مگر حضرت ابوبکرؓ اس کلیئے سے مستثنیٰ تھے۔ کیونکہ ان کے واسطے ۶۰۰۰ چھ ہزار درہم اس لیے مقرر کردیے گئے تھے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو رکھ سکیں۔ (۲) پھر اس زمانہ کے بعد سے ابن رائق کے ایام تک ہم نے خلفا کے وظائف کا کہیں ذکر ہی نہیں پایا ۳۳۴ھ میں معزالدولہ دیلمی نے بغداد پر تسلط کیا تو اس نے خلیفہ مکتفی کے لیے روزانہ پانچ ہزار درہم خرچ کو مقرر کردیئے لیکن وہ رقم خلیفہ کو بہت کم دیا کرتا بلکہ یوں کہیے کہ کبھی دیتا اور کبھی نہیں دیتا تھا (۳) پھر اس کے بعد خلفاء کی تنگدستی کی جو حالت ہوئی وہ اپنے موقع پر بیان کی جائے گی

ان دنوں اکثر قوموں کے یہاں بادشاہوں اور ان کے کنبہ والوں کے وظائف مقرر کرنا ایک عادت جاریہ ہے اور متمدن حکومتوں میں بلحاظ غالب وہ وظائف سالانہ بجٹوں میں درج بھی رہتے ہیں۔ چنانچہ انگلستان کے شاہی خاندان کے وظائف گذشتہ سال میں حسب ذیل تھے :۔

---

(۱) فخری ۲۰۰ (۲) مقریزی ج ۱ ص ۹۵ (۳) ابن اثیر ج ۸ ص ۱۷۷ ۔

انگلستان کے شاہی خاندان کے وظائف

انگلش پونڈ	
۱۱۰۰۰۰	شہنشاہ ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کا وظیفہ
۱۲۵۸۰۰	شاہی محل کے خدام کا وظیفہ
۱۹۳۰۰۰	شاہی محل کے مصارف
۴۱۲۰۰	دیگر مصارف اور صدقات
۴۷۰۰۰۰	(خاص شاہی وظائف کی میزان)
۱۶۰۰۰۰	تمام دیگر خاندانی ممبروں کے وظائف
۶۳۰۰۰۰	

اور خدیو مصر کے خاندان کے وظائف گذشتہ سال اتنے تھے:

مصری پونڈ	
۱۰۰۰۰۰	خدیو معظم کے مخصصات
۹۷۹۲۷	خاندانی ممبروں کے راتب
۵۷۴۳۴	خدیو مصر کی بیگم کے کابین کے مصارف
۲۵۵۳۶۱	

اور ہز میجسٹی سلطان ٹرکی کے وظائف کی ماہوار مقدار پچھتر ہزار ترکی پونڈ ہیں یا نو لاکھ ترکی پونڈ سالانہ اور یہ علاوہ مصارف خانگی اور مخصصات کے ہیں۔

خلیفہ کے حاشیہ والوں کے راتب

خلیفہ کے حاشیہ والوں سے ہم ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو اس کی ذاتی اور شخصی خدمتوں پر مامور تھے۔ حکومت و سلطنت کے معاملات سے انھیں کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً طبیب حاجب اور باڈی گارڈ کے سوار۔ ان لوگوں کی تنخواہیں خزانہ صرف خاص سے ادا کی جاتی تھیں اور گاہ گاہ ان کے کچھ وظائف خزانہ عامرہ سے بھی مقرر ہوتے تھے۔ اور بیش قرار ہوا کرتے۔ جس پر ہم ہارون الرشید کے طبیب جبریل بن بختیشوع کے مخصوصات سے استدلال کر سکتے ہیں۔ جن میں ایسے چند نقد وظائف بھی تھے کہ بعض خزانہ عامرہ سے اور بعض خزانہ صرف خاص سے

ملا کرتے تھے۔ جبریل بن بختیشوع مذکور کے سالانہ رواتب جس طرح پر اس کے منشی کے قلم سے ترتیب وار لکھے ہوئے پائے گئے وہ حسب ذیل ہیں:۔(۱)

ہارون الرشید کے طبیب جبریل بن بختیشوع کے سالانہ مرتبات

درہم	خزانہ عامرہ سے	
	۱۲۰۰۰۰	راتب نقدی
۱۸۰۰۰۰	۶۰۰۰۰	دیگر سامان اور تحفے
	خزانہ خاص سے	
	۵۰۰۰۰	راتب نقدی
	۵۰۰۰۰	کپڑے جن کی قیمت ہوتی
	۵۰۰۰۰	ہدیہ کے طور پر بموقعہ عید صوم نصاریٰ
	۱۰۰۰۰	" " " عید شعانین پر کپڑے جنکی قیمت تھی
	۵۰۰۰۰	" " " عید الفطر نقد
	۱۰۰۰۰	" " " " " کپڑے
	۱۰۰۰۰۰	خلیفہ ہارون الرشید کے فصد کھلوانے پر جو ہر سال دو بار کھولی جاتی تھی فی مرتبہ (۵۰۰۰۰)
۱۰۰۰۰۰		خلیفہ کے دوا پینے کی بابت ہر سال میں دو بار فی مرتبہ ۵۰۰۰۰
۴۲۰۰۰۰		
۶۰۰۰۰۰	میزان	

ہارون الرشید کے مصاحبوں اور برادروں وغیرہ سے نقد اور کپڑوں اور خوشبویات کی صورت میں

[illegible]۰۰۰۰	عیسیٰ بن جعفر سے

---

(۱) طبقات الاطبا جلد ۱ ص ۱۳۶

۵۰۰۰۰		زبیدہ ام جعفر سے
۵۰۰۰۰		شہزادی عباسہ خاتون رشید کی بہن سے
۳۰۰۰۰		ابراہیم بن عثمان سے
۵۰۰۰۰		فضل بن الربیع سے
۷۰۰۰۰		فاطمہ خاتون ام محمد سے
۴۰۰۰۰	۱۰۰۰۰	کپڑے (پہننے کے) خوشبوئیات اور سواری کے جانور
	برامکہ سے	
	۶۰۰۰۰۰	یحییٰ بن خالد کی جانب سے
	۱۲۰۰۰۰۰	جعفر بن یحییٰ وزیر سے
۲۴۰۰۰۰	۶۰۰۰۰۰	فضل بن یحییٰ سے
۸۰۰۰۰۰		اس کے علاقوں کی آمدنی
۷۰۰۰۰۰		اس کی جاگیروں کی توفیر سے جو بچت ہوا کرتی
۴۹۰۰۰۰	میزان	

طبیب خاص کی آمد و خرچ

پس صرف اس کے تمام مرتبات سالانہ اونچاس لاکھ درہم تھے۔ جن کو اس کی ساری مدت ملازمت (جو کہ ۲۳ سال ہے) میں جمع کیا جائے تو دولت عباسیہ کے مال سے جس قدر حصہ اس نے پایا اسکی مقدار گیارہ کروڑ ستائیس لاکھ درہم ہوگی اور اس میں برامکہ کی بربادی کے بعد پچھلے دس سال میں ان کے مقرر کئے ہوئے وظائف کی مجموعی رقم دو کروڑ چالیس لاکھ درہم وضع کردی جائے تو اس پر بھی آٹھ کروڑ ستاسی لاکھ درہم باقی رہیں گے۔ اور اتنی رقم اس نے بیت المال سے علاوہ ان بیش قرار انعاموں کے حاصل کی جو اسکو وقتاً فوقتاً ملتے رہتے تھے اور اس مال میں سے اس نے جو کچھ خرچ کیا اس کی تفصیل یہ ہے:۔

۲۷۶۰۰۰۰ اس کی ذات خاص اور گھر کے مصارف بارہ لاکھ درہم سالانہ کے حساب سے ۲۳ سال میں۔

۷۰۰۰۰۰۰ - مکانوں باغوں سیرگاہوں چوپایہ جانوروں اور غلاموں وغیرہ کی قیمت

۸۰۰۰۰۰ آلات اینٹوں اور بنوائی وغیرہ کی قیمت۔

۱۲۰۰۰۰۰ ان علاقوں کی خریداری جو اس نے اپنے خواص کے لئے خرید کئے مصرف ہوئے

۵۰۰۰۰۰ جواہرات اور قیمتی سامانوں کی قیمت جو ذخیرہ کرنے کے لئے بہم پہنچائے تھے۔

۳۰۰۰۰۰ اس نے خیرات انعامات اور احباب و والدین کے ساتھ سلوک کرنے میں جو کچھ خرچ کیا۔

۳۰۰۰۰۰ امانت داروں نے جو رقمیں اس کی مارلیں اور انکار کر گئے ان کی میزان

۲۸۶۰۰۰۰ (میزان اصل میں ۹۰۰۰۰ دینار اور ۹۰۶۰۰۰۰ درہم ہیں)

اور اسی نسبت سے اس زمانے کے تمام اہل حاشیہ کے رواتب کو قیاس کرنا چاہئے چنانچہ ہارون الرشید انسر باڈی گارڈ کی سالانہ آمدنی تین لاکھ درہم سالانہ۔ اور اس کے پولیس کمشنر کی سالانہ پانچ لاکھ درہم اور حاجب کی سالانہ آمدنی دس لاکھ درہم تھی (۱)

فوج کی تنخواہیں

ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں بیان کر چکے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں کیونکہ تمام مسلمان فوجی خدمت بجالاتے تھے اور ان کا ہر ایک فرد بجائے خود سپاہی کی حیثیت رکھتا تھا اور اس بات کو بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ عمرؓ نے نسب اور سابقہ کے لحاظ سے ان کے راتب مقرر کئے تھے پھر وہ راتب بنی امیہ کے اوائل عہد میں کس طرح دوگنے اور تگنے ہو کر اس کے آخر میں کم ہونے لگے۔ اس کے بعد بنو عباس کی اوائل حکومت میں اضافہ ہو کر کچھ دنوں بعد پھر گھٹا دیئے گئے۔ یہاں تک کہ خلیفہ مامون کے ایام میں ایک پیدل سپاہی کو دو سو چالیس درہم سالانہ ملنے لگے۔ جو اس کے اس حصہ مال غنیمت کے علاوہ ہوتے تھے جس کا وہ جہاد کرنے کی حالت میں مستحق ہوا کرتا تھا۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اموال غنیمت کا حصہ صدر دولت عباسیہ میں سپاہیوں کو نہیں دیا جاتا تھا۔ تا آنکہ ۱۹۸ھ میں خلیفہ "محمد الامین" سے ان لوگوں نے یہ خواہش کی کہ بحالت جہاد ان کو وہ حصہ ملا کرے۔ چنانچہ خلیفہ مذکور نے انہیں حصہ دلوادیا۔ اور فی کس ۹ دینار تقسیم میں آئے۔ (۲)

(۱) طبقات الاطبا جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۹۷۲۔

امین اور مامون کے مابین باہمی خانہ جنگی شروع ہوئی تو دونوں میں سے ہر ایک اپنی فوج کو عطیئے اور انعام دے کر خوش کرنے پر تل بیٹھا۔ مگر جبکہ طاہر بن الحسین کی فوج نے ۱۹۵ھ میں علی بن عیسےٰ بن ہامان کی فوج کو ہزیمت دینے میں کامیابی حاصل کی تو مامون نے طاہر کی فوجوں کے عطیئے اس قدر بڑھا دیئے کہ ایک نفر کو اسی درہم ماہوار (۹۶۰ درہم سالانہ) ملنے لگے (۱) یعنی خلیفہ مذکور نے پھر وہی شرح قائم کر دی جو سفاح بانی حکومت عباسیہ کے ایام میں مقرر ہوئی تھی۔ لیکن اس باہمی خانہ جنگی کے ختم ہو جانے پر وہی ۲۴۰ درہم سالانہ بدستور رہ گئے اور باقی اضافہ منسوخ ہو گیا۔

افشین اور بابک

۲۱۸ھ میں معتصم باللہ نے اورنگ آرائے خلافت ہو کر ترکوں فرغانہ والوں اور مغربی لوگوں کی جماعتیں فراہم کرنا اور ان کی فوجیں مرتب کرنا شروع کر دیا۔ اور جن اسباب کو پہلے بیان کر آئے ہیں ان کے لحاظ سے خلفاء کو کمزوری لاحق ہوئی تو ہر ایک شے میں فوج ہی کی قوت مرجع بن گئی۔ فوج کے اس رسوخ کا پیش خیمہ یہ امر ہوا کہ "بابک خرمی" کی عظمت و سطوت کا سکہ آرمینیا اور خراسان کے صوبوں میں بہت کچھ بیٹھ گیا تھا۔ وہ خلیفہ مامون کے زمانہ سے ظاہر ہو کر لوگوں کو ایک نئے مذہب کی دعوت دیتا تھا جس کی بنیاد تقمص (۱) پر قائم کی تھی اور مامون نے کئی مرتبہ اس کے مقابلہ پر فوجیں بھیجی تھیں — جن کو اس نے ہزیمت فاش دیکر بھگا دیا تھا۔ معتصم نے حکمراں ہوتے ہی سب سے پہلے اپنی توجہ بابک کی بیخ کنی پر مصروف کی جس سے اس کو اپنا ملک چھین لینے کا خوف پیدا ہو گیا۔ لہٰذا اس نے اپنی ترکی سپاہ افشین حیدر بن کاؤدس نامی ایک سپہ سالار کی ماتحتی میں ۲۲۰ھ کے اندر بابک کی سرکوبی کے لئے بھیجا پھر افشین کی کمک کے لئے ایک دوسرا سردار "بغا کبیر" نامی بہت سا خزانہ دے کر روانہ کیا اور سہ بارہ ایک اور سردار جعفر خیاط نامی کمک کے لئے بھیجا گیا اور آخر میں ایتاخ کو بھی تین کروڑ درہم فوجی مصارف کے لئے دے کر روانہ کیا۔ غرضیکہ دو سال کی متواتر جنگ

---

(۱) طبری ج ۳ ص ۸۳۰۔ (۲) تقمص "پوشیدن" (صراح) شاید لمبے لمبے کرتے پہننا مراد ہو۔

کے بعد افشین نتحمند ہوا۔ اور بابک کو ایک دھوکہ سے بہت سا روپیہ خرچ کر کے گرفتار کرا لیا اور لے سامرا کو لے آیا۔ جس وقت افشین فتح پا کر واپس آیا ہے تو خلیفہ معتصم کا بیٹا واثق مع تمام خاندان شاہی کے ممبروں کے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اس کی پیشوائی کے لئے گیا۔ اور وہ لوگ ابھی تک اس بات پر پوری طرح اطمینان نہیں رکھتے تھے کہ فی الواقع افشین نے اس بابک کو گرفتار کر لیا ہے جس نے بیس سال سے مملکت عباسیہ کو زیر و زبر کر رکھا تھا۔ اور اس مدت میں علاوہ لوٹ مار کرتے رہنے کے دو لاکھ پچپن ہزار پانچسو آدمی قتل کر ڈالے تھے۔ اور مامون و معتصم کے بہت سے فوجی جنرلوں کو نیچے دکھا دیا تھا بہرحال جس وقت افشین نے بابک کی قید خلیفہ کے روبرو پیش کی تو خلیفہ نے حکم دیا کہ پہلے اس کو ہاتھی پر چڑھا کر تشہیر کیا جائے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ہوئی اور خلقت نے اس کو بڑے شوق سے دیکھا۔ بابک فی الواقع بڑا تنومند آدمی تھا۔ وہ گویا دیوزاد معلوم ہوتا تھا۔ تشہیر کے بعد وہ خلیفہ کے دربار میں لایا گیا۔ اور خلیفہ نے بابک ہی کے جلاد کو حکم دیا کہ پہلے اس کے ہاتھ پیر کاٹے۔ چنانچہ جب وہ ہاتھ پیر کٹنے کے بعد زمین پر لڑھک گیا تو اس کے ذبح کرنے اور پیٹ کو چاک کر دینے کا حکم ملا جس کی تعمیل جلانے کی اور بالآخر اس کا سر کٹوا کر خراسان کو بھیجا گیا اور جسم سامرا میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ جس دن یہ کارروائی ہوئی ہے وہ ایک بڑی مسرت کا دن تھا۔ کیونکہ اس میں معتصم کو اپنی سلطنت کی طرف سے امن حاصل ہوا۔ اور اس نے افشین اور اس کے سرداروں اور سپاہیوں کی بہت کچھ تعریف اور شکر گزاری کی۔ جس دن سے افشین اس مہم پر روانہ ہوا تھا اس دن سے لے کر اس کی واپسی کے وقت تک خلیفہ معتصم ہر روز اس کے واسطے عطیئے اور خلعتیں بھیجا کرتا تھا۔ چنانچہ ہر روز دو ایک گھوڑا اور ایک خلعت بلا ناغہ افشین کو بھیجا جاتا رہا اور جتنے عرصے تک افشین "بابک" کے مقابلہ پر رہا اس میں (علاوہ تنخواہوں، سامان رسد اور اسباب ضروری کے) ہر ایسے دن کے لیے جس کے اندر میدان داری ہوتی ہو، دس ہزار درہم اور جس دن جنگ نہ ہو اس کے لئے پانچ ہزار درہم روزانہ دیتا رہا اور افشین واپس آیا تو خلیفہ معتصم نے اسکو خود اپنی ہاتھ سے دو نشان دکتفے مرصع بجواہر پہنائے اور بیس ملین درہم اس کو اس تفصیل سے انعام میں عطا کئے کہ

دس ملین اس کی ذات خاص کے لئے اور دس ملین اپنی فوج میں تقسیم کرنے کے لیے ہیں۔ اسے "سندھ" کا گورنر بھی مقرر کر دیا اور شاعروں سے اس کی مدح میں قصیدے پڑھوائے (۱)

فوجی افسروں کو بیش بہا انعامات

خلاصہ یہ ہے کہ افشین صرف مال کی لالچ میں بابک سے مقابلہ کرنے میں ثابت قدم رہا اور اسی کے ساتھ معتصم بھی اس کو اثنائے جنگ میں اور وہاں سے واپسی کے وقت تک برابر خلعتیں اور انعامات دیتا رہا۔ افشین وہ سب مال اپنے وطن اور ملک کو میدان جنگ سے ہی براہ راست بھیجتا جاتا تھا۔ جس وقت اس کے پاس لوٹ یا ہدیے کے ذریعہ سے کچھ مال فراہم ہو جاتا تو وہ فوراً اپنے شہر "اشروسنہ" کو جو ممالک ماوراء النہر میں واقع ہے بخط مستقیم مخفی ذرائع سے بھیج دیا کرتا تھا۔ مگر وہ روکڑ لے جانے والے چونکہ خراسان کے ملک میں ہو کر گزرتے تھے اس لیے عبداللہ بن طاہر کو جو وہاں عامل تھا اس امر کی اطلاع ہو جاتی اور وہ خلیفہ کو اس حال سے مطلع کرتا رہتا۔ خلیفہ کا حکم بھی ایسا ہی تھا کہ اس قسم کے معاملات میں جو کچھ معلومات بہم پہنچیں اس کی اطلاع دربار کو دی جایا کرے۔ ایکبار افشین نے ایک کثیر رقم اپنے چند محرم راز ملازموں کی معرفت اس طریقہ پر روانہ کی کہ روپے اور اشرفیاں ہمیانیوں میں بھر کر ان کی کمروں سے بندھوا دیئے۔ ابن طاہر نے ان کو گرفتار کرا کے سب کی جامہ تلاشیاں لیں اور روپیہ دیکھ کر ان سے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے لائے ہو تو ان لوگوں نے کہا کہ "یہ روپیہ افشین کا ہے" مگر ابن طاہر نے وہ سب مال چھین لیا اور ان سے کہا کہ افشین ایسی حرکت کیوں کرتا یہ اس کی کارروائی نہیں بلکہ تم لوگ چور ہو۔ اس بات سے ابن طاہر اور افشین کے مابین ناچاقی پیدا ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر الامر افشین قید ہوا اور اس کا محاکمہ کرنے سے ظاہر ہوا کہ اس نے صرف مال کے لالچ میں بظاہر اسلام اختیار کر رکھا تھا۔ ورنہ دراصل اندرونی طور پر وہ اپنے دین آتش پرستی پر قائم تھا (۲)

اسی واقعہ پر معتصم کے تمام فوجی افسروں کو قیاس کرنا چاہیے جو صرف مال فراہم کرنے

---

(۱) طبری ج ۳ صفحہ ۱۲۳۳ (۲) ابن اثیر ج ۶ صفحہ ۲۰۹ و ۲۱۱۔

لئے اپنے ملک مشرق بعید میں بھیجتے رہنے کے لئے لڑائیوں پر جا بجا مقام پر کیوں نہ چھپا رکھا حکومت کی ایسی بداخلاق فوج ہو اس کے سدھرنے کی کون سی شکل نکل سکتی ہے خلفا بغیر ان سے امداد لئے ہوئے کوئی چارہ کار نہیں رکھتے تھے۔ اور یہ بات صرف مال کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتی تھی۔ لہذا وہ ان لوگوں کو علاوہ ہدیوں اور انعاموں کے جو معتصم کے طرز عمل کی پیروی میں دیئے جاتے تھے بڑی بڑی تنخواہیں بھی دیتے رہتے۔

فوج کے لئے مزید رعایات خلیفہ معتصم نے خاص اپنی ترکی فوج کے رہنے کے واسطے شہر سامرا کی بنا ڈالی تھی۔ وہاں ان لوگوں کو جاگیریں دی تھیں اور بہت سی لونڈیاں خرید کر ان کے ساتھ بیاہ دی تھیں اور سان کو ممانعت کردی تھی کہ باہر کے لوگوں سے وہ ہرگز کوئی ناطہ رشتہ نہ قائم کریں۔ بلکہ انھیں لوگوں میں جو بچے پیدا ہوں ان کے جوان ہوئے پر باہم نکاح بیاہ ہوا کرے۔ ترکوں کی لونڈیوں کے لئے بھی مستقل تنخواہیں مقرر کر دی تھیں اور ان کے نام دفتروں میں درج کرا دیئے تھے۔ اور ان ترکوں میں سے کسی کو یہ قدرت نہ تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے یا اسے جدا کرے۔ (۱) لہذا اگر مردوں کی تنخواہوں اور سامان خوراک و پوشاک کے ساتھ ہی ان عورتوں کے اخراجات کا بھی اعتبار کیا جائے تو ان تمام مصارف کی میزان بہت زائد ہو جائے گی۔

طبری کی روایت پر تنقید طبری نے ۲۵۲ھ کے حوادث کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اسی سال میں ترکوں مغربیوں اور شاگری لوگوں کی تنخواہوں کا اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کے سالانہ مصارف میں بیس کروڑ دینار تھے۔ اور یہ رقم تمام قلمرو کا دو سال کا خراج ہے (۲) مگر ہمارا گمان ہے کہ مورخ مذکور کی مراد بیس کروڑ درہم ہوگی نہ کہ دینار۔ اس لئے کہ خراج کی آمدنی سے دو سال میں اتنے دیناروں کا فراہم ہونا یوں دور از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم اس رقم کو لی دینار بیس درہم کے حساب سے تحویل کریں جو اس زمانہ میں اس کی قیمت مقررہ تھی

---

(۱) یعقوبی (کتاب البلدان) ص ۳۳ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۸۵

تو عباسی قلمرو کا سالانہ خراج دو ارب درہم ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم اس بات کو دیکھ چکے ہیں کہ اس کے انتہائے دولت مندی کے ایام میں اس کا خراج چالیس کروڑ درہم سے زائد نہیں ہوا۔ اس وجہ سے دو سو ملین درہم کا ایک سال کے اندر فوج پر خرچ کر دینا ایک بہت بڑی بات ہے اور خصوصاً اس صورت میں اور بھی ناممکن بات معلوم ہوتی ہے جب کہ ہم اس زمانہ کے نقود کی قیمت کا بھی اعتبار کریں جو موجودہ ایام سے دو یا تین حصہ زائد تھی۔

فوجی اخراجات کی اہمیت

لیکن اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا فوجی خرچ کا تخمینہ اس زمانے کے فوجی مصارف کو دیکھتے ہوئے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جدید تمدن نے احتیاطی کارروائی فوجی قوت اور فراہمی سامان حرب و ضرب کو اس قدر لازمی بنا دیا ہے کہ اس کے سبب سے فوج کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور خاصکر بحری قوت اور بیڑہ ہائے جہازات کے مصارف اپسر بڑھا دینے سے جنگی تیاریوں کا خرچ حد سے زائد بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ گورنمنٹ انگلشیہ اپنی بری اور بحری فوجوں پر چار کروڑ پونڈ سالانہ خرچ کرتی ہے۔ یعنی تقریباً ایک ارب فرانک (یا درہم) اور گورنمنٹ فرانس اور حکومت روس بھی قریب قریب ایسی ہی گرانقدر رقم اس پر خرچ کرتی ہے۔ گو یہ رقمیں (باوجود اس زمانے کے نقود کی قیمتوں کو آجکل کے نقود کی قیمتوں سے نسبت دیکر اعتبار کرنے سے) بھی تقریباً عباسیوں کے فوجی مصارف سے دوگنی کے برابر ہیں۔ لیکن ہم نے ان کے کثیر فوجی اخراجات کو محض بدیں نظر زائد از حد خیال کیا ہے کہ ان کے ایام میں فوجی مصارف کے جو طریقے مستعمل تھے وہ آجکل کے طریقوں سے بالکل جداگانہ تھے۔ اور ان میں اسقدر بیش قرار مصارف ہونے کا احتمال بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اور اس بات کا خیال کرنا بھی ضروری ہے کہ عباسی فوج کے لوگ کسی ادنیٰ سبب کے پیش آتے ہی لوگوں کے گھروں اور دوکانوں میں سے مال اٹھا کر لے جاتے تھے اور خلفاء ان کی اس حرکت کو جرم نہیں شمار کرتے تھے بلکہ بسا اوقات خود انھیں مظلوموں کو چشم نمائی

کر کے ڈانٹتے اور کہتے تھے کہ تم نے اپنے مال و اسباب کو ایسے مقام پر کیوں نہ چھپا رکھا جہاں فوج والوں کو پتہ نہ ملتا۔

فوج کی حوصلہ افزائی مزید بریں خلفا خود ہی فوج والوں کی طبائع میں اس قدر لالچ اور حرص کی قوت کو اکساتے بھی رہتے تھے کہ ان سے کسی خدمت کے انجام دلانے کے لئے انعام و اکرام کا وعدہ کر دیتے اور کہتے کہ اگر تم فلاں کام انجام کر لو گے تو تمہیں ہم اتنا روپیہ دیں گے۔ حتیٰ کہ میدان جنگ میں بھی اس قسم کی حرکتوں سے نہیں چوکتے تھے۔ چنانچہ جس وقت جنگ کا بازار گرم ہو جاتا اور خلیفہ یا امیر کو اس بات کا خوف پیدا ہوتا کہ ہماری فوج سست پڑ جائے گی تو وہ باآواز بلند فوج میں پکار دیا کرتے کہ جو شخص ایک قیدی گرفتار کر لائے اس کو دس دینار اور جو شخص کوئی سر کاٹ لائے تو اسے پانچ دینار انعام میں ملیں گے۔ اور سنہ ۳۲۰ھ میں خلیفہ مقتدر نے ایسا ہی کیا تھا۔ (۱)

بہر حال عباسی سپاہ کے وہ رواتب جو سال کے اندر مقررہ شرح اور مقدار کی حیثیت سے دیئے جاتے تھے ان کی کیفیت اس مالی گوشوارے سے جو مقتدر کے عہد میں تیار ہوا تھا یوں معلوم ہوتی ہے کہ سواروں اور ممالیک اور انھیں کے مثل دیگر تمام فوجی گروہوں کی سالانہ تنخواہوں کی رقم پندرہ لاکھ دینار یا تین کروڑ درہموں سے زائد نہیں تھی۔ پھر بعد کے زمانوں میں رفتہ رفتہ ترکی فوجوں کا زور بڑھتا گیا۔ ان کے متعدد فرقے قایم ہو گئے اور ان کے رواتب بھی اتنے بڑھے کہ جن کا حصر و شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ زمانہ اور حالات کے لحاظ سے ان کے احوال بھی مختلف ہوتے رہتے تھے اور اس پر طرّہ یہ ہے کہ بجز ان باتوں کے جو مورخین نے اس بارے میں کہیں کہیں ضمنی طور پر بیان کر دی ہیں، باقی تفصیلی حالات سے انہوں نے بھی بالکل سکوت اختیار کیا ہے۔

فوجی تسلط کا نتیجہ سنہ ۳۱۷ھ میں خلیفہ مقتدر کے محل پر جو مصافی پیدل فوج کا فرقہ پہرہ دیا کرتا تھا اس کے آدمیوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ

---

(۱) ابن اثیر جلد ۸ ص ۹

گئی تھی جن کی تنخواہوں پر ایک لاکھ بیس ہزار دینار ماہوار یعنی ۶ دینار فی کس کے پرتہ سے خرچ ہوتے تھے اور سواروں کی تعداد بارہ ہزار تھی جن کی ماہوار تنخواہ پانچ لاکھ دینار یعنی فی کس ۴۲ دینار کے حساب سے خرچ ہوا کرتے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ایک سوار کو ۱۲ ہزار درہم اور ایک پیادے کو ایکہزار چار سو چالیس درہم سالانہ ملا کرتے تھے۔ پھر بھی باوجود اتنی تنخواہیں ملنے کے اکثر اوقات وہ لوگ سرکشی اور بغاوت کرکے اضافہ مانگا کرتے تھے اور خلیفہ کو بصورت نامنظوری قتل کی دھمکی دیا کرتے (۱) وہ خلفا کے محلوں میں مداخلت بے جا کرنے اور خلافت کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ یعنی جس کو چاہتے خلیفہ بنا دیتے اور جس کی نسبت ارادہ کرتے اسے تخت خلافت سے اتار دیتے تھے۔ جس وقت ملکی محاصل یا نذرانہ وغیرہ کی رقمیں آیا کرتی تھیں تو انھیں آپس میں ہی بانٹ لیا کرتے اور خلیفہ یا دیوان دفتر خزانہ کے لیے صرف کچھ خفیف مقدار چھوڑ دیتے۔

فوجیوں کی شورش اور بغاوت

چنانچہ اتامش اور شاہک نے مستعین باللہ کے ایام ۲۴۹ھ میں بارہا ایسا ہی کیا تھا۔ (۲) اور جس طرح پر فوجی سردار خلفاء کو لوٹا اور انکو ستایا کرتے تھے ویسے ہی عام فوجی سپاہیوں اور چھوٹے افسروں کو چھوڑ کر اپنے واسطے کثیر دولت و ثروت بھی فراہم کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات یہی سپاہی لوگ اپنے افسروں کے مقابلہ میں بھی شورش کر دیتے اور ان سے روپیہ کا مطالبہ کرتے اور ان کو دھمکیاں بھی دیتے تھے۔ اور جب دیکھتے کہ وہ ان کی بات نہیں سنتے اور نہیں مانتے ہیں تو انھیں قتل کر ڈالتے تھے جس طرح "وصیف" کو ۲۵۳ھ میں قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ترکی۔ فرغانہ اور اشروسنہ کے رہنے والے سپاہیوں نے ہڑتال کرکے اپنے چار مہینے کی چڑھی ہوئی تنخواہ کا مطالبہ کیا تو "بغا" "وصیف" اور "سیما" یہ تین جنرل ان کی شورش فرو کرنے اور انھیں خاموش کرنے کی نیت سے ان کے سامنے گئے اور "وصیف" نے ان سے بدزبانی کے ساتھ کہا "کیا آفت برپا کر رکھی ہے" ہمارے پاس روپیہ نہیں

(۱) علہ تاریخ طبری ۲۴۰ الغایت ۱۵۱ (۲) طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۵

ہے لو خاک لے جاؤ۔" اس بات کو سنتے ہی چند سپاہیوں نے مارے غصے کے اچھل کر اسے گھیر لیا اور فوراً قتل کر ڈالا۔(۱) اور اکثر اوقات وہ خلفا کے پاس اس بات کے فریادی اور شاکی ہوئے کہ ان کے افسروں کو ایسی جاگیریں کیوں ملی ہیں جن کی وجہ سے ان کے تعلقوں اور خراجی اراضیوں کی صورت میں نہ ہونے سے خزانہ عامرہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اور مزید برآں بڑے بڑے سرداروں کو خانگی اخراجات اور قدیم رسوم کی بیشی سے جس کے ساتھ ہی بال بچوں کے وظائف بھی ملتے ہیں کیوں بہرہ ور کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بعضوں کو کس لئے سلطنت میں اس حد تک دخل دیا گیا ہے کہ خراج کی بیشتر رقموں کا حصہ وہی کھا جاتے ہیں (۲) یہاں تک کہ سپاہیوں نے ان سرداروں سے پیچھا چھڑوانے کی خواہش ظاہر کی اور درخواست کی کہ فوج کی کمان خلیفہ کے بھائی کیا کریں تو بہتر ہے۔

موجودہ زمانہ میں فوجی تنخواہوں کی شرح کسقدر ہے

اگر ہم اسلامی فوجی تنخواہوں کا خلفا راشدین کے عہد سے دولت عباسیہ کے خاتمے تک اس کے زمانوں کے اختلاف کا لحاظ رکھ کر اعتبار کریں اور پھر اس کو موجودہ زمانے کی فوجوں کی تنخواہوں سے ملائیں تو ہم کو صاف نظر آ جائے گا کہ اس وقت کی شرح حالت موجودہ کی شرح سے بے حد بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ خلفائے راشدین کے وقتوں میں ایک فوجی سپاہی کو ۳۰۰ سے ۵۰۰ درہم تک سالانہ ملتے تھے۔ جس کے بعد بنی امیہ کے عہد میں ایک ہزار درہم ہو گئے اور عباسیوں کے دور میں پھر اس کے اندر انقلاب ہوا۔ یہاں تک کہ مقتدر باللہ کے عہد میں پیادہ سپاہی کو ۱۴۴۰ درہم اور سوار کو ۱۲۰۰۰ درہم سالانہ ملنے لگے۔ غرضیکہ بنو عباس کے یہاں فوجی افراد (نفر) کی تنخواہ کی یہ شرح تھی جس کا ذکر ہوا۔ حالانکہ حکومت انگلشیہ میں پیادہ کو ایک شلنگ اور سوار کو ایک شلنگ ۹ پنس روزانہ ملتے ہیں۔ جس کی سالانہ مقدار پیدل سپاہی کے لئے سال میں تقریباً ۴۵۵ فرانک یا درہم اور سوار کے واسطے سال میں ۸۰۰ فرانک (یا درہم) ہوتی ہے۔ اور اگرچہ گورنمنٹ برطانیہ کے یہاں فرقوں کے اعتبار سے بھی

---

(۱) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ (۲) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۷۹۶

پیدل اور سوار سپاہیوں کی شرح تنخواہ مختلف ہے۔ تاہم دوسری حکومتوں کے دیکھتے ہوئے بہرحال ان کی فوج کو بیش قرار تنخواہ ملتی ہے۔ لیکن عباسی حکومت کی شرح کے دیکھنے سے گورنمنٹ انگلشیہ کی شرح بہت کم اور خفیف نظر آتی ہے۔ اور خصوصاً جبکہ ہم دونوں حالتوں کے نقود کی قیمت کا بھی اعتبار کریں تو موخرالذکر کی شرح مواجب اور بھی بے حقیقت ہوجائیگی

اس زمانے میں (آجکل) فوجی مصارف کی زیادتی کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ افسروں کی کثرت ہوتی ہے۔ اور ان کی تنخواہیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ اگرچہ ہم کو اس بات کا علم نہیں ہوسکا کہ عساکر اسلامیہ کے فوجی افسروں کو جو "قائد" (جنرل یا کمان افسر) ہوا کرتے تھے، کس قدر تنخواہیں ملتی تھیں۔ اور انگلش فوج کی تنخواہوں کی شرح سب سے بڑے افسر سے ایک فوجی نفر (ادنی سپاہی) تک بحساب فی یوم ذیل میں درج کی جاتی ہے (۱) جس کے بعد عثمانی (ترکی) اور مصری فوجوں کی شرح تنخواہ بھی درج کردیگئی ہے۔

انگلش فوج کی شرح مواجب فی یوم پونڈ شلنگ اور پنس کے حساب سے:

پیدل پنس	پیدل شلنگ	پیدل پونڈ	سوار پنس	سوار شلنگ	سوار پونڈ	
۰	۰	۸	۰	۰	۸	جنرل (مشیر)
۰	۱۰	۵	۰	۱۰	۵	فریق
۰	۰	۳	۰	۰	۳	اللوا
۰	۱۸	۰	۶	۱	۱	امیر آلائے
۰	۱۸	۰	۶	۱	۱	قائم مقام
۷	۱۳	۰	۰	۱۵	۰	بکباشی
۷	۱۱	۰	۰	۱۳	۰	یوزباشی
۶	۶	۶	۶	۷	۰	ملازم اول

(۱) تھیکر ڈائرکٹری ۲۲۰

۰ [illegible] ۲	۰۶۸	ملازم ثانی
۰۱[illegible]	۱[illegible]۰	نفر

عثمانی افواج کی ماہوار تنخواہیں		مصری فوج کی ماہوار تنخواہیں	
عثمانی قرش		مصری قرش	
۲۵۰۰۰	مشیر	....	مشیر (ہے نہیں)
۱۰۰۰۰	فریق	۷۵۰۰	فریق
۶۰۰۰	اللوا	۶۵۰۰	اللوا
۲۵۰۰	امیرآلائے	۴۷۰۰	امیرآلائے
۱۸۰۰	قائم مقام	۳۰۰۰	قائم مقام
۱۲۰۰	بکباشی	۲۵۰۰	بکباشی
۸۰۰	قولاغاسی	۱۵۰۰	صاغقولاغاسی
۵۰۰	یوزباشی	۹۰۰	یوزباشی
۲۵۰	ملازم اول	۶۰۰	ملازم اول
۲۰۰	ملازم ثانی	۵۰۰	ملازم ثانی
۲۰	نفر	۳۰	نفر

دیگر رواتب

ان زمانوں کی حکمرانی کا ایک مقتضا یہ بھی تھا کہ جن لوگوں کی قلمیں زبانیں یا گروہ بندیوں سے ملک کو اندیشہ رہتا ہو وہ لوگ راضی اور ہموار رکھے جائیں۔ کیونکہ سلطنت کے اندر ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعتیں موجود رہتی تھیں جو اپنے واسطے حصول خلافت کی کوشش کیا کرتے تھے اور وہ لوگ علوی سادات یا خارجی (رباعی) وغیرہ تھے۔ اور ملک میں ایسے حسد کرنے والوں کا بھی ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے جو انتقام کے لئے موقع اور وقت کے منتظر رہا کرتے تھے اور نیز ان دنوں خوش بیانی اور دلیرانہ شعر خوانی کو بھی عام رائے کے اپنے موافق بنا لینے میں ایک ایسی قوی تاثیر حاصل تھی جو آجکل کے اخبار نویسوں کی تاثیر سے

بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے جو خلفا زیور عقل و فہم سے آراستہ تھے وہ ان بداندیشوں کی فتنہ انگیز طبیعتوں کو، ان کے ساتھ طرح طرح کی عنایتیں اور احسان کرتے رہنے سے روکتے رہتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً انعام و اکرام کے تر لقمے کھلا کر ان کی زبانیں بند رکھتے تھے۔ یا برابر راتبہ خوار بنائے رہتے تھے۔ جس طرح موجودہ زمانے کے حکمراں اڈیٹران اخبار کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرتے ہیں اور بعض حکومتوں کے فرمان روا ان کو اپنے مقابلہ میں خاموش رکھنے کے لئے انھیں سالانہ وظائف دیا کرتے ہیں۔ اور چند دوسرے تاجدار اخبار نویسوں کی امداد و اعانت ہمتوں کے برانگیختہ یا ملکی گروہوں کے متفق الکلمہ کرتے رہنے کے لئے بہت کثیر رقمیں دے کر خریدتے رہتے ہیں اور چونکہ اس وقت میں شاعروں اور مقرروں وغیرہ کی بجنسہٖ یہی حالت تھی جو آجکل اخبار نویسوں کی ہے۔ پس یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ خلفائے ان کے رضامند بنائے رکھنے کے واسطے بے دریغ روپیہ صرف کیا۔

سیاسی وظائف

اسلام میں سب سے پہلے اس قسم کی کارروائی اور حکمت عملی کا برتاؤ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضؓ نے کیا تھا۔ وہ لوگوں کی زبانوں سے اپنے منہ پر طنز اور ملامت آمیز کلمے نکلتے سن کر انھیں بجز عطیات و انعام کے کوئی دوسرا بدلہ نہیں دیتے تھے۔ اسی لئے اہل عرب شاعر کو انعام دینا اس کی زبان بند رکھنے کے ساتھ تعبیر کیا کرتے تھے (۱) اور امیر مذکور شاعروں اور معزز لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے تھے ان کے بعد والے خلفانے بھی انھیں کے نقش قدم کی پیروی کی اور انہوں نے بھی جماعت بنی ہاشم اور اولاد ابی طالب وغیرہ کے رئیسوں کے لئے عطیوں کی رقمیں مقرر کر دیں۔ غرضیکہ جس شخص کی ذات سے ان کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کی حکومت کو صدمہ پہنچانے کے درپے ہو سکتا ہے اس کے لئے برابر انعام اور عطیے مقرر کر دیا کرتے تھے۔ اور شاعروں یا اپنے پاس آنے والوں کو خلفا جو جائزے اور عطیے دیتے رہتے تھے وہ زیادہ تر اسی قسم کی اغراض سے متعلق ہوا کرتے۔

بعض اوقات وہ ایسے لوگوں کو بھی وظائف معین کر دیتے تھے جن کی نسبت انھیں یہ خیال

---

(۱) مستطرف جلد ا صـ۱۴۲

کہ یہ لوگ ہمارے ہم چشموں کے مقابلہ میں ہماری طرفداری پر آمادہ ہوں گے۔ جس طرح سالہ ۳۸۱ھ میں مصر کے حکمران عزیز باللہ فاطمی نے مغربی کی اولاد میں سے علی بن الحسین کے ساتھ حسن سلوک اور مراعات کی تھی۔ جس وقت علی بن الحسین بغداد سے مصر کو خلیفہ مذکور کے پاس چلا آیا تو عزیز باللہ نے اس کے واسطے چھ ہزار دینار سالانہ کا وظیفہ مقرر کر کے اسے حکومت فاطمی کے "شیوخ" (بزرگوں) میں داخل کر لیا (۱) اور گاہ گاہ حاجتمند انسانوں کے طبقوں کو بھی ایسی رعایتوں سے مستفید کرتے رہتے تھے۔ جیسے کہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ملک مصر کے حکمران "اخشید" نے مختلف جنس کے آدمیوں کے بے کسوں اور تباہ شدہ رئیس زادوں کے لئے (جن میں سے کوئی شخص بھی ملکی مالی فوجی اور قضائی وغیرہ خدمات پر مامور نہیں تھا۔) اتنی کثیر تعداد میں وظائف مقرر کر دیئے تھے جن کے مصارف کی وہ سالانہ رقم جو "کافور اخشیدی" کے عہد میں خرچ ہوا کرتی۔ پانچ لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی (۲) اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ عباسی حکومت میں بھی اس قسم کے رواتب ضرور رہے ہوں گے۔

چہ جائیکہ حاشیہ اور اعوان وغیرہ کے راتبوں کو بھی تصور کیا جائے۔ جن کے رواتب حکومت ہی کے مصارف میں داخل ہوتے تھے۔ اور دیکھا جا چکا ہے کہ وہ بہت بھاری تھے اور اسی قبیل سے امیروں وزیروں اور عاملوں وغیرہ کے اہل حاشیہ کو بھی سمجھنا چاہئے جن کی تعداد کسی کسی سرکار میں چند ہزار (۳) یا اس سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

مہینوں کے دنوں کی تعداد

حکومت عباسیہ نے راتبوں کی بیشی اپنے ثروت کے عروج پر ہونے کے ایام میں شروع کی تھی۔ اور اس وقت چونکہ بیت المال میں اطراف عالم سے بے شمار دولت آ آ کر پھٹی پڑتی تھی اس لئے اسے اس اضافہ تنخواہ کا بوجھ کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس نے دیکھ لیا کہ ملکی محاصل کی آمدنی گھٹنی شروع ہو گئی ہے اور یہ صورت امکان

---

(۱) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۴۵۹ (۲) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۹۹۔ ان وظائف کی حالت عہد شاہان مغلیہ
(۳) ابن اثیر جلد (۷) صفحہ ۱۸۳۔

سے خارج ہے۔ کہ عہدہ داروں اور وظیفہ خواروں کے اپنے خلفا کی پیروی میں اپنے اسراف ٹھاٹھ باٹھ اور غلاموں اور خادموں کی جماعتیں فراہم کرنے کے عادی بن جانے کے بعد ان کے مشاہروں کی شرح گھٹائی جا سکے اور نہ یہ بات ممکن ہے کہ انھیں ملازمت سے برطرف کر دیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ لوگ ناراض اور عداوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا وزیروں نے ایک بہت عمدہ چال چلی جس کے ذریعہ سے انہوں نے بہت بھاری مقدار روپیہ کی کفایت شعاری کر کے بجٹ میں نکال لی۔ وہ یہ تدبیر تھی کہ انہوں نے راتب داروں کے راتب روزینوں کے حساب سے مقرر کئے تھے۔ اس لئے جب کسی مہینے کی تنخواہیں کم کرنے کا ارادہ کرتے تو مثلاً اگر کسی محکمہ کے ملازموں کی تنخواہ روزینہ کے لحاظ سے ہزار دینار ماہوار ہوتی تو وہ اسے گھٹا کر آٹھ سو دینار نہیں کرتے تھے بلکہ بدستور ہزار ہی قائم رکھتے۔ مگر مہینے کے دن زیادہ کر دیتے۔ یعنی تیس دنوں کے بجائے چالیس یا پچاس دن کر دیتے اس طرح پر ملازموں کی ہر ایک جماعت کے لئے تقریباً ایک ایسا خاص مہینہ قائم ہو گیا جس کے دن دوسرے محکمہ والوں کے مہینوں کے دنوں سے مختلف ہوتے تھے۔

مہینوں کی تعداد میں اختلاف

چنانچہ خلیفہ معتضد کے ایام کے مصارف کا گوشوارہ جو اسی کتاب کے صفحہ ۸۰ میں درج کیا گیا ہے، اس میں جس قدر راتبہ خواروں کی قسمیں نظر آتی ہیں سبھوں کے مہینے ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہیں۔ کیونکہ جن غلاموں کو خلیفہ ناصر نے آزاد کر دیا تھا ان کے مہینوں کے دن چالیس یوم اور جس وقت انہوں نے اپنے ایک مطالبہ میں گستاخانہ برتاؤ کیا تو خلیفہ نے مہینے کے دن ۴۵ یوم کر دیئے۔ اور پھر معتضد نے حکمران ہو کر ساٹھ یوم کا ایک مہینہ کر دیا۔ آزاد اور صاحب امتیاز سواروں کے مہینے پچاس دنوں کے شمار ہوتے تھے۔ معتضد نے ان کے فی ماہ نوے دن کر دیئے۔ اسی وجہ سے ان کو تسعینیہ کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا۔ بعد ازیں کچھ لوگوں کے

(ہند کے) "منصب" اور "تانکار" کے طریقے سے ملتے ہوئے ہیں۔ جو آجکل گورنمنٹ آصفیہ دکن میں بدستور قائم ہیں۔ مترجم عفی عنہ

مہینے ۱۲۰ دنوں کے بھی قرار دیے گئے۔ "مختارین" کے مہینے ستر یوم کے اور "مشتین" کے مہینے ایک سو بیس یوم کے ہوتے تھے۔ اور مدینۃ السلام میں شرطہ کی رسم پر تنخواہیں پانے والوں اور سقوں کی بھی ایسی ہی حالت تھی۔ غرضیکہ اس گوشوارے والے وظیفہ خوار وں یا ان کے سوا بھی اور لوگوں کی حالتوں کا اسی انداز پر قیاس کرنا ٹھیک ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جس کا راتب ہزار دینار ماہوار تھا اگر اس کا مہینہ ایک سو بیس یوم کا کر دیا گیا تو گویا چوتھائی تنخواہ پر اس کا تنزل ہو گیا۔ پھر اکثر اوقات اتنے دنوں کے بعد بھی بر وقت تنخواہیں ادا کرنے میں بیت المال کو مجبوری پیش آیا کرتی تھی اور وہ ماہ بماہ تنخواہ نہیں دے سکتا تھا۔ یہاں تک کہ فوج والے شورشیں اور ہنگامہ برپا کر کے خلیفہ کو معزول یا قتل کر ڈالتے تھے۔ اور جس کے پاس روپیہ ہوتا وہ خلافت حاصل کر لیا کرتا تھا۔

(۴) بیعت کے مصارف

اگلے بیانات سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ اوائل دولت عباسیہ میں اس کے خلفا اپنی بیعت کو قوت پہنچانے کے لئے اہل حرمین کو راضی بنائے رہنے کے محتاج تھے۔ اس لئے وہ ان کو عطیئے اور انعام و تحفے بھیجتے رہتے تھے۔ خلیفہ معتصم کے بعد عربوں کی قوت ٹوٹ کر ترکی افواج کا اقتدار قائم ہوا۔ تو حرمین کیطرف سے بے توجہی برتی گئی اور سلطنت کی تمام قوت ترکوں کے بلکہ یہ کہنا موزوں ہو گا کہ روپے کے ہاتھوں میں آ گئی۔ کیونکہ ترکی فوجیں صرف روپے حوالے کا ساتھ دیتی تھیں جس کی وجہ سے خلفا کا اپنے واسطے بیعت لینا ان کی خاطر داری یا ایسے شخص کی مراعات پر منحصر رہ گیا۔ جو ترکوں کو روپیہ دے کر خوش رکھ سکے۔ اس کے علاوہ خلفا نے ابتدائے سلطنت سے یہ دستور مقرر کر رکھا تھا کہ ان میں سے ہر شخص اپنی بیعت لینے کے وقت فوجوں کو انعام اور تحفے دے کر رضامند بناتا تھا اور اس انعام کا نام حق البیعت رکھ چھوڑا تھا۔ چنانچہ امین نے حکمراں ہو کر فوج کو دو سال کی تنخواہ انعام کے طور پر تقسیم کی تھی (۱) اگر وہ ایسا کرتا تو ممکن نہ تھا کہ ایک مہینہ بھی حکومت کر سکتا

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ

خلیفہ مامون نے "امام علی رضا" کے لئے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو فوج کو ایک مہینہ کی تنخواہ کا انعام اس وعدہ پر دینا چاہا کہ باقی رقم آمدنی آجانے پر ملے گی۔ (۱) جس کو ان لوگوں نے منظور نہیں کیا۔ اور اگر وہ فوراً تمام روپیہ دے دیتا تو جس کے لئے چاہتا بیعت لے سکتا تھا۔ بنوامیہ بیعت لینے کے واسطے لوگوں کو صوبوں کی حکومت دیتے تھے۔ اور کئی برسوں کے لئے انھیں وہاں کے خراج سے بھی سبکدوش کر دیا کرتے ۷۲ھ میں جس وقت عبدالملک بن مروان عبداللہ بن زبیر سے مکہ میں جنگ کر رہا تھا اسے ان کی کامیابی کا خوف تھا تو اس نے عبداللہ بن حازم کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر تم مجھ سے بیعت کر لوگے تو میں تم کو صوبہ خراسان کا حاکم بنا دوں گا اور وہاں کا خراج بھی سات برس کے لئے معاف کر دوں گا۔ (۲)

حق بیعت اور اس کے نتائج

لیکن خلیفہ معتصم عباسی کے بعد تو بیعت کیا وہ گویا تھی کہ ایک اچھی خاصی تجارت تھی۔ جس کے پاس روپیہ یا فوج ہوتی وہی بیعت لے سکتا تھا۔ اور ان دونوں کے معنے ایک ہی ہیں کیونکہ فوج بھی روپے سے وابستہ ہے۔ فوجی لوگ مال کی لالچ میں خلفا کو معزول بنانے کی خفیہ سازشیں بھی کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ ہر ایک خلیفہ کے برسرِ حکومت ہوتے ہی وہ اس سے "حق بیعت" اور ۶ ماہ یا ایک سال یا کم و بیش مدت کی تنخواہوں کا مطالبہ کیا کرتے تھے (۳) ایسے مطالبات کی مثالیں اتنی کثرت سے ملتی ہیں جن کا شمار بتانا دشوار ہے۔ جسکو عباسی خلفا کی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ اور دیکھے۔ ہاں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلفا اس مصیبت میں مبتلا ہو کر ملک کا انتظام کرنے سے بھی درگزر رہے اور حکمرانی میں ایسا خلل واقع ہوا کہ انھیں صرف اپنی جانیں بچانے اور اپنی جائدادوں کو محفوظ رکھنے کی فکروں ہی سے نجات ملنی مشکل ہو گئی۔ اور تمام ملک فوج والوں یا ان لوگوں کی لوٹ مار کا آماجگاہ بن گیا جو سپاہیوں سے خدمت لے سکتے تھے۔ عام رعایا کھیتی باڑی تجارت۔ حرفت اور تمام

---

(۱) طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۳ (۲) ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۶۸ (۳) ابن اثیر جلد ۸ ص۵۳

دوسرے کاروبار کرنے سے باز آگئی جس سے بالاجمال ملک کے سب کام بند ہو گئے۔

ملکی رعایا پر ایک اس سے بھی زیادہ سخت مصیبت ایک اور نازل ہو رہی تھی اور وہ یہ تھی کہ جس وقت فوج کے سپہ سالاروں کو روپیہ کی ضرورت ہوتی اور بیت المال میں ان کے مصارف کے لئے کافی روپیہ نہ نکلتا تو وہ عام رعایا پر دباؤ ڈال کر روپیہ وصول کرتے تھے۔ یہ صورت اکثر ان حالتوں میں واقع ہوتی جبکہ فوج کے فرقوں میں کسی خلیفہ کے حکمراں بنانے پر باہمی تنازعہ ہو پڑتا اور خانہ جنگی کی نوبت آجاتی۔ چنانچہ ۳۳۷ھ میں خلیفہ مطیع اللہ کو حکمراں بنانے کے بارے میں جس وقت ناصر الدولہ اور معز الدولہ دو سرداروں کے درمیان تیغ چل گئی تو دیلم کی فوج نے شہر بغداد کو لوٹ لیا اور صرف مشہور لوگوں کے یہاں سے جو مال اس لوٹ میں تلف ہوا اس کی مقدار ایک کروڑ دینار تھی۔ (۱) یا جس وقت اسی سال میں خلیفہ مستکفی نے "شیرزاد" کو امیر الامرار کے عہدہ پر ممتاز کیا تو اس نے خلاف معمول بیعت کے موقع پر فوج والوں کا انعام حد سے زائد بڑھا دیا مگر بیت المال میں کافی روپیہ نہیں تھا لہٰذا اس نے عاملوں سے، کاتبوں اور تاجروں سے قسط کے طور پر مال حاصل کیا اور ظلم و جور سے وصول کیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ شہر بغداد میں چوروں نے ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے۔ اور تاجر لوگ شہر سے بھاگ گئے اور ملک میں عام بدامنی پھیل گئی (۲)

گرانی اور بدامنی

ان باتوں اور اسی قسم کی دوسری خرابیوں کا انجام یہ ہوا کہ ملک پر متواتر مصیبتیں نازل ہوئیں۔ جس طرح دیہات والوں نے کھیتی باڑی ترک کر دی تھی ویسے ہی شہر کے لوگ تجارت وغیرہ کے کاموں سے دستکش ہو بیٹھے ہر شے کا نرخ گراں ہو گیا اور کئی برسوں تک عراق کے شہروں میں گرانی اور قحط سے لوگ بھوکوں مرتے رہے۔ خاص کر دار السلطنت یعنی شہر بغداد کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ چوروں اچکوں اور گرہ کٹوں کی کثرت ہو گئی جو موقع ملتے ہی مال یاروں کا کر لیتے تھے۔ لوٹ مار

---

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۸ (۲) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۶۔

کا بازار ہر طرف گرم تھا اور ہنگاموں کی حالت میں اس کی اور بھی زیادتی ہو جاتی تھی خلفاء کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا کہ وہ فوجوں کو اجرت دیکر بدانتظامیوں اور ہنگاموں کو فرو کرسکیں۔ اور تھا بھی تو وہ اس بات کو دیکھکر کہ حکومت اور نفوذ دوسروں کے ہاتھوں میں ہے۔ اکثر اوقات ان امور سے خود ہی چشم پوشی کر جاتے تھے۔ جیسا کہ ۳۲۰ھ میں خلیفہ مقتدر نے ہاتھ روک لیا تھا۔ اور باوجود اس کے کہ اس کے اور اس کی والدہ کے پاس بہت کچھ دفینے موجود تھے۔ روپیہ دینے کی ہمت نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مونس خادم کی کوششوں سے وہ قتل کرادیا گیا۔ مگر "مونس" کا یہ فعل خلفا کے حق میں سم قاتل بن گیا۔ کیونکہ اس کے بعد اطراف وجوانب کے حکمراں سردار روپیہ کے لالچ میں خلفا کو ستانے اور صدمہ پہنچانے کی جرات کی (۱) یہاں تک کہ ان کے محلوں کو لوٹ لیا اور زبردستی ان سے روپیہ وصول کیا۔ ۳۶۱ھ میں "الجزیرہ" کی سمت سے رومی افواج نے حملہ کر کے "نصیبین" کے مقام تک ملک کو تاخت وتاراج کیا اور جلا کر پھونک دیا۔ صدہا مسلمان مرد اور عورتیں پکڑ لے گئے۔ وہاں کے باشندے بھاگ کر روتے پیٹتے بغداد پہنچے اور خلیفہ سے مدد کے طالب ہوئے۔ شہر کی خلقت بھی رومیوں کی مار دھاڑ کی حالت سنکر پریشان اور خوفزدہ ہو گئی اور سبھوں نے اس مصیبت کے سیلاب کو روکنے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ "بختیار" جو اس وقت گویا بغداد کا حاکم تھا خلیفہ کے پاس پہنچا اور اس سے رومیوں کے مقابلہ میں غازیوں پر روپیہ صرف کرنے کے واسطے روپیہ کا طالب ہوا۔ خلیفہ مطیع نے اسے یہ جواب دیا کہ "جہاد کرنے والوں کے اخراجات یا مسلمانوں کے مصالح کے دوسرے مصارف کا پورا کرنا مجھپر اسوقت لازم ہو سکتا تھا جبکہ دنیا (سلطنت) میرے ہاتھ میں ہوتی۔ اور ملکوں کا خراج میرے پاس آتا ہوتا۔ لیکن اس حالت میں کہ میں بے کار محض ہوں مجھپر کچھ بھی کرنا واجب نہیں۔ اب جو شخص ملک کا مالک ہے وہی ان مشکلوں کو جھیلے۔ میرے نام کا ایک خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی بابت بھی تمہاری مرضی

---

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۰

ہو تو میں دست برداری داخل کرتا ہوں"۔ لیکن خلیفہ کو اس بحث پیش کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ بلکہ وہ اسباب پر مجبور ہو گیا کہ پہننے کے کپڑے اور محل کا کھنڈر اور تمام دیگر اثاثوں کو فروخت کرکے ..... ۴۰ درہم ادا کرے۔ اس واقعہ کے متعلق تمام ملک میں خبر اڑ گئی کہ خلیفہ سے مصادرہ کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ روپیہ جہاد کرنے والوں پر خرچ بھی نہیں ہوا بلکہ بختیار نے اسے اپنی ذاتی ضرورتوں میں استعمال کیا۔ (۱) غرضیکہ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ جسطرح عباسی خلفا اپنی ترکی فوج کے ہاتھوں جان سے تنگ آگئے تھے وہ حالت بجنسہ سلاطین آل عثمان اور ان کی ینگچری (جان نثاری) فوجوں کی روداد سے ملتی ہوئی ہے۔ جو اٹھارہویں صدی عیسوی اور اس کے بعد والے ایام میں بھی پائی جاتی تھی اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود خاں ثانی ان کو نیست و نابود نہ کر دیتے تو وہ کیا آفت برپا کرتی۔

ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کرنا

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ ہنگاموں اور فسادوں نے لوگوں کو کاروبار سے روک دیا تھا دولت عباسیہ کے پاس آمدنی کا کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں رہ گیا جس سے اپنے ضروری مصارف جاری اور فوجوں کو باقی رکھ سکتے۔ لیکن چونکہ سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے فوج کی بہر صورت حاجت تھی لہذا جس وقت "مطیع کے عہد خلافت میں معزالدولہ بن بویہ" بغداد کا سلطان مقرر کیا گیا تو فوج والوں نے اسے گھیر لیا اور غل و شور مچانے اور سخت و سست الفاظ سنانے لگے جس سے گھبرا کر اس نے ان کو تنخواہیں دلوا دینے کا وعدہ کر لیا۔ مگر جب وہ جائز طریقوں سے اپنا وعدہ پورا کرنے پر قادر نہ ہوا تو اس نے مالدار لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ناجائز ذرائع سے روپیہ حاصل کرنے کی کارروائی کی اور یہ صورت بھی کارآمد نہیں ثابت ہوئی تو اس نے یہ تدبیر نکالی کہ ملک کے دیہات اور جاگیریں اپنے فوجی سرداروں اور ارکان سلطنت کے حوالے کر دیے تاکہ وہ ان کو کاشت کرکے اس کی آمدنی سے متمتع ہوں۔ چنانچہ اس نے خاص خلافت کی اراضیاں اور جتنے صاحبان املاک تھے ان کی زمینیں منتقل کرکے فوج والوں اور عہدہ داران دربار

---

(۱) ابن اثیر جلد [illegible] صفحہ ۳۴۲

کے سپرد کر دیں۔ جس کی وجہ سے اکثر حکومت کے دفتر لوٹ گئے اور عاملوں کے ہاتھ بھی کٹ گئے۔ مذکورہ بالا اسباب سے تمام ملک ویران ہو رہا تھا۔ اس لیے جو افسر تھے انہوں نے آباد گاؤں خود لے لیے جن کی آبادی ان کے مرتبہ اور اقتدار کی وجہ سے اور بڑھ گئی اور آمدنی بافراط ہونے لگی اور ماتحت سپاہیوں کو اجڑے ہوئے گاؤں ملے۔ جو ان کی لوٹ کھسوٹ سے اور بھی برباد ہو گئے۔ اس لیے انہوں نے وہ دیہات واپس کر کے اور دوسرے گاؤں طلب کیے اور ان کی آب پاشی اور راستوں کی درستی پر بالکل توجہ نہیں ہوئی اس وجہ سے بالکل ہی مٹ گئے اور اکثر گاؤں کا نام تک نہیں باقی رہ گیا۔ مزید بریں جاگیرداروں کے غلاموں نے ظلم و جور کے ساتھ جو کچھ فوراً مل سکا اس کے وصول کرنے میں بھی کسر نہیں چھوڑی۔ بہر حال اس طریقہ سے معزالدولہ کو کسی ناگہانی مصیبت یا آفت کے لیے مالی ذخیرہ فراہم کرنا دشوار ہو گیا۔ ایک اور بات یہ بھی تھی کہ معزالدولہ نے اپنے غلاموں اور ترکوں کو بہت کچھ عطیے دیے اور ان کی جاگیریں بھی بڑھائیں جس کے سبب سے "دیلم" والے ان پر حسد کرنے اور ان سے خار کھانے لگے اور جو ناراضی اور عداوت ان کے مابین پہلے سے چلی آ رہی تھی وہ اور بھی بڑھ گئی۔ (۱)

۵۔ ارکان دولت کا بکثرت مال جمع کرنا

قاعدہ ہے کہ سلطنت کے معراج کمال اور مال و دولت کے بافراط ہونے کی حالت میں جس وقت بادشاہ عیش پسندی اور رنگ رلیاں منانے میں ڈوب کر بذات خاص ملکی کاموں کا دیکھنا چھوڑ دیتا ہے تو جو لوگ اس کے حاشیہ دولت میں وابستہ یا اس کے قائم مقام یا اس کے اور عام رعایا کے مابین توسط رکھنے والے ہوتے ہیں جیسے وزیر۔ کاتب (سردفتر) عامل۔ حاجب اور فوجی جنرل۔ یہی سب صاحب نفوذ

---

(۱) ابن اثیر۔ ج ۸ ص ۱۷۹۔

بن جاتے ہیں۔ اور حکمرانی کی باگ انہیں کے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔ اس وقت یہ عہدہ دار ذاتی طور پر خوب مال جمع کرتے ہیں اور جہاں تک ان سے بن پڑتا ہے، دولت سمیٹنے سے نہیں چوکتے۔ اور گو وہ اپنی حالت اور حیثیت کے مطابق خرچ بھی خوب کرتے ہیں تاہم ان کی دولتمندی روز بروز بڑھتی جاتی ہے مگر یہ صورت صرف ان مطلق العنان حکومتوں میں ہوتی ہے جن کے کاموں کا کوئی نگراں اور جن سے کسی کو جواب طلب کرنے کا یارا نہیں ہوتا۔ لہٰذا عیش پسندی اور تقاعد کے ایام میں وزیروں اور کاتبوں اور حاجبوں کے گروہ کے جو لوگ بادشاہ کے نائب ہوتے ہیں ان کو لامحالہ اس قسم کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں اور خاصکر دولت عباسیہ میں اس بات کو تکمیل کے درجہ تک پہنچ جانا نصیب ہو گیا جس کے وزیر اور ارکان دولت سب اس قوم کے لوگ تھے جو ان کی سلطنت کے قیام کے باعث تھی اور جس قوم کے عالموں نے ان کے تمدن کو رونق بخشی تھی۔ اسی لئے عباسی حکومت میں وزیروں کا رسوخ بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور اس کے کمال عروج کے وقت میں بھی انہی کی بات چلتی تھی۔ دیکھو رشید کے زمانے میں برامکہ کا کیسا رسوخ تھا۔ وہ اپنی ذات کے لئے کس طرح دولت جمع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات خلیفہ رشید بہت تھوڑی مقدار روپیہ کی بھی باوجود ضرورت کے نہیں حاصل کر سکتا تھا۔ (۱) چنانچہ جس وقت برامکہ نے خلیفہ کے ہاتھوں کو اس کی مرضی کے موافق فضول خرچی کرنے اور حکومت جتانے سے روک دیا (۲) تو اس نے انھیں بالکل نیست و نابود کر ڈالا۔ جس کی کیفیت عام طور پر مشہور ہے۔ اور جس طرح رشید نے اپنے برمکی وزیروں کو مٹا دیا اسی طرح رشید سے قبل خلیفہ مہدی نے اپنے وزیر یعقوب بن داؤد کو بھی برباد کر دیا تھا۔ مہدی نے اسے عہدۂ وزارت پر مقرر کر کے تمام سلطنت کے کام اس کے سپرد کر دیئے۔ اور خود عیش و عشرت اور رنگ رلیاں منانے میں مصروف رہا۔ لیکن خلیفہ کی یہ حرکت لوگوں

---

(۱) مسعودی جلد ۲۔ ص ۱۰۲ (۲) طبری جلد ۳ ص ۱۳۳۲۔

کو عام اور اہل عرب کو خاص طور پر ناپسند ہوئی۔ اور عربی شاعروں نے یعقوب کی ہجو کہنی شروع کی۔ منجملہ اس کے بشار بن برہ کے یہ اشعار بھی ہیں:۔

بنی امیة هبّوا طال نومكم — بنی امیہ تم بہت سو چکے اب خواب غفلت سے
ان الخليفة يعقوب بن داؤد — اٹھو کیونکہ ان دنوں یعقوب بن داود خلیفہ ہے
ضاعت خلافتكم يا قوم فالتمسوا — اے قوم عرب تمہاری خلافت ضائع ہو چکی اب اگر تم کو
خلافة الله بين الناي والعود (۱) — خدا کی خلافت تلاش کرنی منظور ہے تو اسے بانسری اور عود میں ڈھونڈو

وزراء پر بے اعتمادی چنانچہ کچھ لوگوں نے ان اشعار کی بھنک مہدی کے کانوں میں بھی ڈال دی اور اس نے وزیر مذکور کو اپنی خدمت میں طلب کر کے گرفتار کرایا اور قید خانہ میں ڈلوا دیا۔ یہاں وہ مدت دراز تک قید رکھا گیا۔ خلیفہ مامون نے بھی قاضی یحییٰ بن اکثم کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ کہ پہلے اسے سلطنت کے انتظام کا ذمہ دار بنا کر اس کی عزت و توقیر ویسے ہی حد سے بڑھا دی جس خلیفہ رشید نے برامکہ کے اعزاز میں حد سے تجاوز کیا تھا۔ (۲) اور بالآخر اس کی طرف سے خوش نہیں رہا اسی لئے جب اس کی وفات کا زمانہ قریب آ گیا تو اس نے اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی کہ دیکھو خبردار تم ہرگز کسی وزیر پر اعتبار نہ کرنا کہ تمام سلطنت کے معاملات اس کے ہاتھوں میں چھوڑ دو کیونکہ مجھ کو یحییٰ بن اکثم نے لوگوں کے معاملات میں جیسے دھوکے دیئے ہیں ان سے میں اس کی بدنیتی پر خوب واقف ہو گیا تھا۔ (۳) اہل عرب عام طور پر وزیروں سے ناراض رہتے تھے۔ اور خاصکر اس وجہ سے اور بھی ناخوش تھے کہ وزیروں میں زیادہ تعداد کے لوگ فارسی النسل ہوئے۔ جن کی بابت اہل عرب کہتے تھے کہ یہ لوگ بزدل کنجوس اور رشوت خور ہوتے ہیں۔ ایک اعرابی کسی وزیر کی یوں تعریف کرتا ہے:۔

---

(۱) و (۳) فخری ۱۹۶ (۲) ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ (۳) طبری جلد ۱ صفحہ ۱۱۳۹

ومظھر نسك ما علیه ضمیره	وہ بظاہر عابد وزاہد بننے والا جسکا اندرونی حال نہیں
یحب الھدایا بالرجال مکور	کھلتا بدیوں کو پسند کرتا اور ہر وقت آدمیوں کے حلقہ میں گھرا
اخال به جبنًا وبخلًا وشیمة	رہتا ہے اسکی نسبت بزدلی بخل اور کمینہ طبیعت ہونے کا
تخبر عنه انه لوزیر (۱)	خیال کیا جاتا ہے اور اس کا قیافہ ہی بتلاتا ہے کہ

بے شک وہ وزیر ہے

خیرخواہ وزراء مگر علاوہ اس کے اکثر حالتوں میں وزیروں نے محض اسلامی بیت المال کی خیرخواہی کی نیت کرکے خلفا کو روپیہ لینے سے باز رکھا تاکہ وہ فضول رائگاں نہ ہو۔ ورنہ اس میں ان کا کوئی ذاتی نفع متصور نہیں تھا مثلاً خلیفہ واثق کے وزیر ابن الزیات نے ایک بار خلیفہ کے حکم کو یوں ٹالنا چاہا کہ خلیفہ نے "علم" نامی ایک گانے والی لونڈی کی خوش آوازی پسند کرکے اسے خریدا اور حکم دیا کہ اس کے مالک کو پانچ ہزار دینار قیمت کی بابت دیئے جائیں۔ وزیر نے اس رقم کے دینے میں ٹال مٹول کی تو خلیفہ نے خفا ہو کر حکم دیا کہ اس کی دگنی مقدار فوراً ادا کردو۔ اس پر وزیر نے مجبور ہو کر ۱۰۰۰۰ ہزار دینار چپکے سے دیدیئے (۲)

اور جتنا خلیفہ کی کمزوری میں اضافہ ہوتا گیا اسی قدر وزیر لوگ بااختیار اور دولت سمیٹنے پر قادر ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ آخرکار ملکی خزانہ کا بڑا حصہ انہیں کے گھروں میں چلا گیا۔

وزراء کی دولتمندی وزیروں کی ثروت اس درجہ پر پہنچ گئی تھی کہ عروج حکومت عباسیہ کے خلفا اور اس وقت کے بیت المال کی ثروت سے ہم پلہ کہی جاسکتی تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا بیت المال کی دولت انہی لوگوں کے گھروں میں الٹ کر چلی آئی ہے۔ وزارت کے منصب پر لالچی اور جاہل لوگوں کی نظر ہر وقت جمی رہتی تھی۔ جو اس کے لئے بھاری رشوتیں اور گراں بہا تحفے

---

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۸۸ (۲) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۳

پیش کرتے رہتے۔ علاوہ بریں اکثر حالتوں میں یہ عہدہ اس شخص کے سامنے پیش کیا جاتا تھا جو فوجی مصارف پورے کر سکے (۱) گویا اس شرط پر فروخت کیا جاتا تھا۔ لیکن باغلب وجوہ یہی صورت پیش آتی کہ لوگ اس کے حاصل کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرتے یا براہ راست خلیفہ سے اس قسم کا معاملہ کرتے جیساکہ "ابن مقلہ" نے پانچ لاکھ دینار اوائل قرن چہارم ہجری میں خلیفہ راضی کی خدمت میں پیش کر کے وزارت حاصل کی یا جس طرح "ابن ہبیرہ" نے خلیفہ قائم بامر اللہ سے ۳۰۰۰۰ دینار دے کر منصب وزارت خرید لیا تھا۔ (۲) اور یا خلفاء کے خواص میں سے کسی کے ذریعہ سے اس کے حصول کی کوشش کی جاتی اور جو شخص وسیلہ بنایا جاتا اس کی خوب مٹھی گرم کی جاتی تھی۔ وہ لوگ جو اس طریقہ پر وزارت پانے کی طمع کرتے تھے محض اس خیال سے اپنا مال پہلے ضائع کیا کرتے کہ اپنی وزارت کے زمانے میں اس خرچ کئے ہوئے مال سے کئی حصہ زائد دولت عاملوں ناظروں اور کاتبوں وغیرہ کے موقع تقرر پر ان سے رشوت لے کر بہم کر لیں گے۔

وزراء کی رشوت خوری

وزیروں کی رشوت خواری کے متعلق یہ عجیب وغریب قصہ بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ مقتدر کا وزیر خاقانی رشوت لینے میں اتنا بے دھڑک تھا کہ اس نے صرف ایک دن کے اندر شہر کوفہ کے انیس ناظر مقرر کئے جن میں سے ہر ایک نے ملے رشوت دی تھی۔ پھر جب وہ لوگ ایک ایک کر کے اس کے پاس سے نکلے اور کسی سڑک پر "کوفہ" کو جاتے ہوئے باہم مجتمع ہو گئے تو انہیں اس بات کا حال معلوم ہوا اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہیئے آخر انہیں میں سے ایک شخص نے کچھ سوچ کر جواب دیا کہ بھائیو اگر انصاف کی پیروی کرنی چاہتے ہو تو میرے نزدیک یہ مناسب ہوگا کہ جو شخص ہم میں سب سے آخر میں وزیر کا حکم تقرری لے کر چلا ہے وہی کوفہ کو جائے اور باقی سب واپس چلیں۔ کیونکہ اسی آخری شخص کا تقرر صحیح ہے جس کے بعد وزیر نے کسی اور شخص کے لئے فرمان نہیں صادر کیا

---

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۸۳ و ۹۶ اور صلہ تاریخ طبری صفحہ ▌ ۷ (۲) فخری صفحہ ۲۵۳ و صفحہ ۲۶۲

غرضیکہ پچھلا شخص کرنہ کو مل دیا۔ اور باقی اشخاص وزیر کے پاس واپس آئے جنکو پھر اس نے کئی اور ملکوں میں متعین کر دیا۔ اور کسی شاعر نے اسی وزیر کی ہجو میں کہا ہے :-

وزیرٌ لایمل من الرقاعة	ایسا وزیر ہے جو احکام کی تحریر سے تھکتا ہی نہیں۔ حاکم اور
یولی ثم یعزل بعد ساعة	والی بناکر پھر ایک ہی ساعت میں اسے معزول بھی کر دیتا ہے
دیلان من تعجل منه مالٌ	جو شخص جلدی کرکے اس کے پاس مال لے جاتا ہے اسے مقرب بنا
ویبعد من توسل بالشفاعة	لیتا ہے اور جو شخص سفارش کو وسیلہ بناتا ہے اسے
اذا اهل الرشی صاروا الیه	دتکار دیتا ہے۔ جب رشوت دینے والے اس کے پاس
فاحظی القوم اوفرهم بضاعة[1]	جاتے ہیں توان میں سب سے بڑھ کر خوش نصیب اور

کامیاب وہی رہتا ہے جس کے پاس سرمایہ وافر ہو

دیانت دار وزرار وزیروں کے پاس حکومت کے عہدہ داروں سے جو عامل وغیرہ ہوتے تھے بطور مقررہ ٹیکس کے ہدیوں کی سالانہ رقمیں بدیں غرض آیا کرتی تھیں تاکہ وہ ان سے راضی رہیں۔

علاوہ ازیں بعض وزرا جو بہت نادر ہیں ایسے بھی تھے کہ بالکل رشوت نہیں لیتے تھے اور برابر حق کے پابند رہتے جیسے عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان خلیفہ متوکل علی اللہ کا وزیر یہ نہایت پرہیزگار شخص تھا۔ فخری نے بیان کیا ہے کہ مصر کے حاکم نے وزیر مذکور کے پاس بھی اسی معمول کے مطابق جیسے کہ وہ اگلے وزیروں کو بھیجا کرتا تھا دولاکھ دینار نقد اور دو گٹھریاں مصری کپڑوں کی ارسال کیں۔ مگر جب یہ سامان اس کے روبرو پیش کیا گیا تو وزیر مذکور نے حاکم مصر کے وکیل سے کہا "نہیں" خدا کی قسم میں اس ہدیہ کو کبھی نہیں لوں گا۔ اور اس پر (حاکم مصر پر) اس کا بار بھی نہیں ڈالوں گا" اس کے بعد گٹھریاں کھول کر ان میں سے صرف ایک رومال نکال لیا جس کو اپنی ران کے نیچے رکھ کر باقی سامان کی نسبت حکم دیا کہ اسے دفتر مال کے خزانہ میں لے جائیں اور اس کی تصحیح کرکے اس

(۱) فخری ۲۴۶

کی قیمت سے حاکم مصر کے واسطے بہت سے مکانات خریدلے گا(۱)۔ پاکدامنی اور سچے دل سے حکومت کی خدمت کرنے میں جو وزرا مشہور ہوئے ہیں ان میں سے ایک شخص علی بن عیسیٰ خلیفہ مقتدر کا وزیر اعظم بھی ہے۔ جس نے خراج کا وہ گوشوارہ تیار کیا تھا۔ جو ہم قبل ازیں درج کر چکے ہیں۔ اور ممکن ہے اس کے سوا اور لوگ بھی ان صفات سے متصف ہوں۔ مگر ۔۔

وزیر ابن الفرات کا حال

اجمالی طور پر عام حالت یہی تھی کہ حکومت عباسی کے دور تنزل میں لوگوں کو منصب وزارت حاصل کرنے کی صرف اس لئے فکر دامنگیر ہوتی تھی کہ وہ بخوبی دولت جمع کر سکیں گے۔ چنانچہ ابوالحسن بن الفرات تین مرتبہ خلیفہ مقتدر کا وزیر ہوا۔ پہلی بار ۲۹۶ھ میں منصب وزارت پر متعین ہو کر تین سال تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا۔ اس عرصہ میں جس قدر دولت اس کے پاس فراہم ہوئی تھی وہ ...... ۷ دینار کے مساوی تھی اور یہ سب روپیہ مصادرت کے ذریعہ سے خلیفہ نے ضبط کرا لیا تھا۔ دوبارہ ۳۰۴ھ میں وہ پھر وزیر مقرر ہوا اور ۳۰۶ھ میں معزول کر دیا گیا۔ اور پھر ۳۱۱ھ میں سہ بارہ مرتبۂ وزارت پر فائز ہو کر ۳۱۲ھ میں معزول ہو گیا۔ دو آخری دفعات میں اس کی خدمت وزارت کی کل مدت تقریباً تین سال تھی۔ اور جب وہ آخری بار اپنے عہدہ سے برطرف کیا گیا ہے تو اس کے پاس ایک کروڑ دینار سے زائد نقد رقم اور ایسے علاقے تھے جن سے سالانہ بیس لاکھ دینار کی اسے بچت ہوتی تھی۔(۲) اور باوجود اس کے مورخین نے اس کے کرم و احسان کے باعث اسے ذرا بھی برائی کے ساتھ یاد نہیں کیا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ جس وقت وہ وزیر مقرر ہوتا تھا تو برف موم بتی اور کاغذ بے حد گراں ہو جاتا تھا۔ کیونکہ وہ ان چیزوں کو بکثرت استعمال کیا کرتا۔ اس کے گھر کا کوئی آدمی بھی ایسا نہیں ہوتا جو بغیر برف کے پانی پیتا رہا ہو۔ اور مغرب کے بعد جو شخص اس کے گھر سے باہر نکلتا اس کے ہاتھوں

(۱) فخری ۲۱۶۔ (۲) ابن خلکان جلد ا صفحہ ۲۷۲۔

میں ایک بڑی اور صاف شفاف سوم بتی ضرور ہوتی اور اس کے گھر میں ایک "حجرہ" کا غلہ کی کوٹھری کے نام سے مشہور تھا۔ جو شخص وہاں جاتا حسب حاجت کا غلہ بلا روک ٹوک لے آتا۔ (۱) وزیر مذکور نے اہل حدیث، شاعروں، ادیبوں فقیہوں اور صوفیوں کے واسطے بیس بیس ہزار درہم مقرر کر رکھے تھے (۲) وہ پانچ ہزار اہل علم، دینی مقتدا، خانہ نشینوں اور فقرا کو تنخواہیں بھی دیا کرتا تھا۔ جن میں بڑی سے بڑی تنخواہ پانے والے سو دینار ماہوار اور کم سے کم وظیفہ خوار پانچ درہم ماہوار کے تھے۔ غرضیکہ انھیں دونوں رقموں کے مابین تنخواہیں مقرر تھیں۔ (۳) اور اسی جود و سخا نے اس کے لالچ کی پردہ پوشی کر رکھی تھی جس طرح سے کہ اس سے پہلے برامکہ کی طمع پر ان کے جود و کرم نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ اور شاعروں کی زبانیں انکی ہجو اور بدگوئی سے مورخین کے قلم ان کی برائیاں تحریر کرنے سے روک دیے تھے۔

دولت کی فراوانی

غرضیکہ اس زمانے میں ایسے وزیروں کی ایک کثیر تعداد نظر آ سکتی ہے جنہوں نے بے شمار دولت جمع کی تھی اور وہ دولت مندی کی شان و شکوہ کی نمائشوں میں ڈوبے تھے۔ اور یہ قدیم طریق انتظام کی حکومتوں میں ایک طبعی امر ہے۔ کیونکہ مصر عراق اور اندلس ہر ایک مقام کے وزرار برابر لاانتہا دولت جمع کرتے رہتے تھے۔ مصر کے حکمراں بنی طولون کے وزیر "ماروانی" نے اپنے ترکہ میں اتنے بڑے بڑے تعلقے چھوڑے تھے کہ اس سے پہلے بہت کم کوئی شخص اتنے تعلقوں کا مالک رہا ہوگا اور ان تعلقوں کی خالص توفیر چار لاکھ دینار سالانہ علاوہ حکومتی خراج کے تھی۔ حالانکہ وہ اپنی زندگی میں بہت کچھ صدقہ خیرات اور نیک مصارف کیا کرتا تھا اور اس نے ۲۷ حج ادا کئے تھے جن میں سے ہر ایک میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار خرچ کئے تھے (۴) یعقوب بن کلس فاطمیوں کا پہلا وزیر تھا۔ منجملہ اس کی املاک کے صرف ان جاگیروں کی آمدنی جو ملک شام میں واقع تھیں، سالانہ ۳ لاکھ دینار ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اس نے

---

(۱) فخری ۲۲۰ (۲) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱ (۳) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۴۲ (۴) مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵

املاک اپنے ترکہ میں چھوڑی تھی۔ اور تعلیقے قیاسر اور رُباع (اونٹ، گھوڑے۔ معمولی اونٹ اور خچر وغیرہ سب کو ملا کر ان کی مجموعی قیمت کا تخمینہ ۲۰ لاکھ دینار کیا گیا تھا۔ اس کے ماسوا وہ تین لاکھ دینار اپنی بیٹی کی شادی میں صرف کر چکا تھا اور دوسرے سامان جو اس کے بعد وفات ترکہ میں رہے حسب ذیل :۔ خدمتی باندیوں کے علاوہ صرف وہ ۸ سو باندیاں تھیں جو ناچنے گانے والی اور حرم میں شمار ہوتی تھیں۔ اور ۴ ہزار غلام جو "طائفة الوزیریة" کے نام سے مشہور تھے۔ (۱) افضل سپہ سالار خلیفہ مستنصر فاطمی کے وزیر نے اس قدر عظیم الشان ترکہ چھوڑا تھا جس کی نظیر دیکھی تو کیا سنی بھی نہیں گئی۔ اور وہ حسب ذیل ہے :۔

۶ کروڑ دینار خالص سونے کے۔ ۲۵۰ اردب مصر کے نقد درہم۔ ۷۵ ہزار اطلس دیبا کے کپڑے۔ تیس راحلہ عراقی سونے کے ڈبے۔ سونے کی ایک دوات مرصع بجواہر جس کی قیمت ۱۲ ہزار دینار تھی اور سو کھونٹیاں سونے کی ہر ایک سو مثقال (۳۷ تولہ ۹ ماشہ) وزنی جو دس کمروں میں لگی ہوئی تھیں۔ ہر کمرے میں دس کھونٹیاں لگی ہوئی تھیں اور ہر ایک پر ایک مندیل زرکار جداگانہ رنگ کی لٹکتی رہتی تھی تاکہ جس کو پسند کرے پہن لے۔ اور ایک سو صندوق لباس کے تھے اور یہ چیزیں ان گھوڑوں خچروں چرپایوں لونڈیوں اور غلاموں کے علاوہ تھیں۔ جن کا حصر و شمار ممکن نہیں ہے (۲) اسی پر اندلسی وزیروں کے احوال کو بھی قیاس کرنا چاہیئے۔ چنانچہ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے وزیر ابن شہید کا ہدیہ جو ۳۲۷ھ میں پیش ہوا تھا اس دولت مندی پر دلالت کرتا ہے جو اس وقت کے وزیروں میں تھی۔ علامہ ابن خلدون اور المقریزی نے اس ہدیے کی تفصیل بیان کی ہے اور آخر الذکر مورخ نے تو بہت مفصل طور پر تین بڑے صفحوں میں اس کا بیان تحریر کیا ہے (۳)

دولت عثمانیہ کے زمانہ عروج اور اس کے بعد والے ایام میں بھی ایسا ہی حال نظر آئے گا۔ اس حکومت کے وزیر بہت بڑے بڑے وسیع علاقے خرید کرتے رہتے تھے اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کی یہ تدبیر نکالتے تھے کہ اس شرط سے مسجدوں پر وقف کر دیتے

---

(۱) مقریزی ج ۲ ص ۹ (۲) ابن خلکان ج ۱ ص ۲۳۳ (۳) نفح الطیب ج ۱ ص ۱۶۸

جس سے ان علاقوں کی آمدنی کا بڑا حصہ انھیں کے وارثوں کو ملتا رہتا اور وقف کی کارروائی صرف اس غرض سے کی جاتی کہ وہ اپنی جائیں خراج اور عشور ادا کرنے کی زحمت سے بچالیں(۱)

جمع مال کے ذرائع

جن ابواب سے عباسی حکومت کے وزرا مال جمع کیا کرتے تھے ان کی تعداد کثیر ہے۔ منجملہ ان کے ایک ذریعہ عہدہ داران سلطنت کے تقرر میں رشوت لینے کا بھی تھا۔ نیز عامل لوگ ان کو برابر ہدیے بھیجا کرتے تھے۔ اس مد سے ایک کثیر رقم آیا کرتی اور چونکہ ان کو بڑے بڑے اختیارات حاصل ہوتے تھے اس لئے وہ لوگوں کے تعلقے بلا کسی حساب و کتاب کے حسب پسند غصب کر لیا کرتے اور خراج کی رقموں میں سے بھی جو کچھ کھا جاتے اس کا ذکر ہی فضول ہے۔ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان دنوں کی ترتیب دفاتر کا طریقہ اسی قسم کا تھا جس میں رقموں کے اڑا لینے کی بخوبی گنجائش ہوتی تھی اور اس کا اظہار بھی ناممکن تھا۔ اس کے دولت کمانے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بعض وظیفہ خوار ملازمین بحالت مصروفیت کاروبار متعلقہ کے اپنی تنخواہیں لینے کے محتاج ہوتے اور جب ان کو روپیہ ملنے کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہ آتا تو اس صورت میں بعض وزیر اپنی جانب سے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا کرتے تھے جو ان ملازموں کی تنخواہوں کی چکیں نقد نصف قیمت پر خرید لیتے اور اس کے بعد وزیر خزانہ سے ان کو کامل وصول کر لیا کرتا(۲) اسی طرح وہ علماء اور خانہ نشین لوگوں کی تنخواہوں میں بھی آدھا ساجھا کر لیا کرتے تھے اور جب ان سے نہیں چوکے تو گویا کوئی ملازم جو ان کے ماتحت تھا اس نصفا نصفی بٹائی سے خالی نہ بچا ہوگا۔ ملازموں کی تنخواہوں میں ساہوکاری کرنے کے علاوہ روزینہ خواروں سے بھی یہی دستور برتتے تھے۔ اور جب شخص کوئی شہر ضمان یا خراج پر دیا جاتا اس سے بھی بطور رشوت یا حصہ بانٹ کے کچھ لے لیا کرتے۔ نیز وہ اپنے اختیارات کے ذریعہ سے تاجروں کا بھی بہت کچھ مال مفت میں مار لیتے تھے۔ اور خلفا اس امر سے چشم پوشی کر جاتے تھے۔(۳) اور اس طرح پر جس قدر رقمیں وہ لوگ کماتے تھے اس کا نام "مرافق الوزرا" رکھا گیا تھا جو عام

---

(1) PORTER's CONST. HIST. OF TURKEY

(۲) ابن اثیر ج ۸ صفحہ ۵۵ (۳) طبری ج ۳ ص ۷۰۳

کے طور پر مشہور تھا۔ ان کے مرافق کی ایک آمدنی کھوٹے سکے بنانے کے ذریعے سے بھی حاصل ہوتی تھی۔ یعنی وہ کھوٹے درہم اور دینار مشکوک کرکے ان سے بہت بڑی رقم نفع میں حاصل کرتے تھے۔ (۱) وزراء جن کے ہاتھوں میں مال و عقد کی قوت تھی ان کی یہ حالت تھی۔ مگر اسی کے ساتھ فوج والوں کی تنخواہیں دیتے وقت خلفا کی جان کھائی جاتی تھی اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ترک سپاہ کے لوگ خلفاء پر بڑی زیادتیاں کرکے ان سے اپنی تنخواہیں اور اخراجات کا روپیہ مانگتے تھے۔ اس لیے خلفاء کو بجز اس کے کوئی اور راہ نہیں سوجھتی تھی کہ وہ وزیروں سے روپیہ طلب کریں۔ اور جب وہ بخوشی روپیہ نہیں دیتے تو خلفا ان سے زبردستی لے لیا کرتے۔ اسی کا نام "مصادرت" رکھا گیا۔ تنزل کے دور میں مصادرت کا بہت رواج رہا۔ کیونکہ اس وقت میں سوا اس ذریعہ کے حکومت کے مصارف کسی اور طریقہ پر پورے ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ اور کوئی وزیر ایسا مقرر نہیں ہوتا تھا جس کی ملازمت کا خاتمہ مصادرت یا قتل پر نہ ہوا ہو۔ یا دونوں باتیں ایک ہی ساتھ پائی گئی ہوں۔

مال ضبط کرنا یہ طریقہ اسلام میں بہت قدیم ہے یہاں تک کہ اس کا سلسلہ خلفائے راشدین کے عہد سے ملتا ہے۔ سب سے پہلے جس خلیفہ نے عاملوں سے مصادرت کا برتاؤ کیا وہ خلیفہ عمر بن الخطابؓ تھے۔ جب عامل لوگ اپنی معینہ تنخواہوں کے علاوہ تجارت یا کسی دوسرے طریقے سے کچھ مال جمع کر لیتے تھے تو خلفا اس میں سے نصف حصہ لے کر بیت المال میں داخل کر دیا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ان عاملوں سے جو ولایات بصرہ کوفہ اور بحرین پر متعین تھے ایسا ہی سلوک کیا۔ (۲) اور اس کا نام "مقاسمۃ" یا "مشاطرۃ" رکھتے تھے۔ پھر جس وقت بنوامیہ کا دور حکومت شروع ہوا اور ان کے عاملوں نے ظلم و ستم پر کمر باندھی اور ملکی محاصل کے روپیہ میں سے کھانے لگے تو اموی حکومت کے آخریں خلفاء نے یہ وطیرہ اختیار کیا

---

(۱) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۴۹ (۲) یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۸۱۔ اور بلاذری ص ۸۴ و ۳۸۵۔

کہ کسی عامل کو معزول کرتے وقت اس کا محاسبہ کر کے جس قدر اس کا مال مناسب چھین لیا کرتے اور اس کو "استخراج" کہتے تھے۔ عباسیوں نے مسند خلافت پر جلوس کیا تو ابتداءً ان کے عاملوں کا بیشتر حصہ خاص ان کے چچا اور بھائی لوگ ہوتے تھے۔ اور ان سے مقاسمہ یا استخراج کی نوبت ہی نہیں آئی۔ خواہ ان میں سے کسی نے بددیانتی بھی کی ہو۔ جس پر خلفاء کو چشم پوشی کرنی پڑی مگر رفتہ رفتہ جب غیر خاندانی عمائد سلطنت کو ملکوں کی گورنری تفویض ہونے لگی تو ان لوگوں نے پر اور پرزے جھاڑ کر طمع اور سختی کے ساتھ رعایا سے مالیہ وصول کرنا اور اپنا گھر بھرنا شروع کیا۔ یہاں تک خلیفہ منصور ہی کے زمانہ میں یہ کیفیت ہوگئی کہ وہ جس عامل کو معزول کرتا تھا پہلے اس کا مال ضبط کر کے ایک جداگانہ خزانہ میں جمع کر دیتا۔ جس کا نام "بیت المال المظالم" رکھ چھوڑا تھا۔ (۱) اور مہدی" کے ایام میں عاملوں کی جبر و تعدی میں بہت کثرت ہوئی (۱۵۸ھ تا ۱۶۹ھ) تو یہ خلیفہ اس بات پر مجبور ہوا کہ بذات خاص لوگوں کی فریادیں سنکر ان کی دادرسی کرے۔ اور وہ فریادیں کس امر کی تھیں؟ عاملوں کے مظالم کی۔ خلیفہ مہدی کے بعد ہادی پھر رشید اور بعد ازاں مامون وغیرہ بھی خلیفہ مہدی کے زمانہ تک جو تیسری صدی ہجری کے وسط میں حکمراں ہوا تھا مناسب عاملوں کی دار و گیر کرتے رہے۔

علی بن عیسیٰ کا واقعہ

جن لوگوں نے خلفاء کو عاملوں کے ظلم و ستم سے آگاہ کیا منجملہ ان کے وزیر لوگ بھی تھے۔ کیونکہ وہ منجانب خلیفہ تمام امور سلطنت کو انجام دیا کرتے تھے۔ اور خاصکر برامکہ۔ جس وقت ان سے کسی خلیفہ کسی شخص کے عامل بنانے کے متعلق دریافت کرتا تھا تو وہ جسقدر واقف ہوتے اس شخص کے حالات سے آگاہ کر دیا کرتے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد برمکی سے علی بن عیسیٰ بن ہامان کو گورنر خراسان مقرر کرنے کی بابت مشورہ کیا تو یحییٰ نے اس خیال سے باز آنے کی رائے دی۔ مگر ہارون الرشید نے ان کی رائے کو نہیں مانا اور علی بن عیسیٰ کو خراسان کا گورنر مقرر کر دیا۔ علی نے خراسان پہنچکر رعایا پر بے حد ظلم و ستم کر کے بہت کچھ

(۱) طبری جلد ۳۔ ص ۴۱۵

مال فراہم کیا اور خلیفہ ہارون الرشید کی خدمت میں گھوڑے۔ غلام۔ کپڑے اور مشک وغیرہ سامانوں کے علاوہ بہت سا نقد روپیہ بھی بطور پیشکش ارسال کیا۔ جیسا ہدیہ کسی عامل کی طرف سے آتا ہوا انہیں دیکھا گیا تھا۔ یہ پیشکش بارگاہ خلافت میں پہنچی تو خلیفہ نے بنظر تعجب اور پسند ملاحظہ فرما کر یحییٰ سے جو اس کے برابر بیٹھا تھا کہا: "کیوں باباجان؟ اسی لئے آپ نے رائے دی تھی کہ میں اس کو اس ملک کا گورنر نہ بناؤں۔ دیکھئے میں نے آپ کی مخالفت کی اور اس میں مجھکو برکت حاصل ہوئی۔ یحییٰ نے جواب دیا "امیر المومنین خدا مجھکو آپ پر تصدق کردے گو میں چاہتا تھا کہ میری ہی رائے درست اور میری ہی صلاح ٹھیک ہو مگر یہ بات اس سے بھی بڑھ کر مجھ کو محبوب ہے کہ امیر المومنین کی رائے اعلیٰ آپ کی فراست نکتہ رسی اور ان کی معلومات میری معلومات سے بڑھی ہوئی رہے۔ اور اس کے ماورا ایک ناپسندیدہ صورت نہ ہو۔ ہاں آپ تصور فرمائیں کہ جس وقت تک اس عامل نے ملک کے شرفا پر جبر و تعدی نہ کی ہوگی اس وقت تک یہ سامان اور تحفے اس کے پاس جمع نہ ہوئے ہوں گے۔ ان میں کا بیشتر حصہ ظلم و ستم کے ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہے اور اگر امیر المومنین مجھکو حکم دیں تو میں ابھی "کرخ" کے صرف چند ایک تاجر سے اس کا دوگنا مال لے آؤں گا"

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا: "یہ کیونکر ہو سکتا ہے" یحییٰ نے جواب دیا: "عون میرے پاس ایک جواہرات کی کشتی لایا تھا۔ جس کی قیمت میں نے ستر لاکھ لگا دی۔ مگر اس نے اتنے میں فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ میں ابھی اپنا حاجب اس کے پاس بھیجوں گا اور وہ اسے پھر میرے پاس دوبارہ قیمت پر غور کرنے کے لئے لے آویگا۔ پھر جب وہ لے آئے گا تو میں اس کے منگانے سے انکار کر دوں گا۔ اور ستر لاکھ کا فائدہ اٹھاؤں گا اس کے بعد دو اور بڑے بڑے تاجروں سے ایسا ہی معاملہ کروں گا۔ اور اس طرح بہت کچھ کما لوں گا" (۱)

حضرات ناظرین۔ یحییٰ کی اس گفتگو سے اس بات کی صاف دلیل ہاتھ آتی ہے کہ

---

(۱) طبری جلد ۳۔ صفحہ ۷۰۲۔

وزرا اور عمال کس طریقہ پر بلا حساب وکتاب مال جمع کر سکتے تھے۔

یہ بات پہلے ہی معلوم ہو چکی ہے کہ عاملوں کے دلوں میں طمع نے گھر بنا لیا تھا۔ حتیٰ کہ دولت عباسیہ کے عروج میں بھی وہ ایسی حرکتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ مگر برمکی وزیروں کے صادقانہ مشوروں نے عاملوں کے ہاتھ کاٹ رکھے تھے۔ پھر برامکہ کی تباہی کے بعد جو لوگ منصب وزارت پر فائز ہوئے ان میں مخلص اور غیر مخلص ہر قسم کے لوگ تھے، اس لئے عاملوں پر کوئی سخت قید باقی نہیں رہی اور انہوں نے دل کھول کر اپنے واسطے مال و دولت جمع کرنا شروع کیا۔ وزیروں کو رشوت دے کر راضی بنا رکھتے تھے اور اپنا سکہ جما کر خوب مال جمع کرتے تھے۔

عمال کے طریقے

اس زمانے کے عاملوں کی مستقل حکمرانی کا لحاظ کرنے پر یہ امر بہت آسان معلوم ہوتا ہے کہ وہ دولت کا کافی ذخیرہ بہم کر سکیں۔ کیونکہ جس صوبہ کے وہ حاکم ہوتے تھے وہاں کے تمام کاروبار کے ان کو کلی اختیارات حاصل رہتے۔ خصوصاً "عمال استیلا" کو ہر ایک طرح کی خود مختاری نصیب رہتی تھی۔ اور ان کے مال کمانے کے ذریعے بھی بکثرت تھے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات بھی تھی کہ جس وقت کوئی عامل اپنے صوبے میں مقرر ہو کر پہنچتا تو سب سے پہلے اس کو اس بات کی خواہش ہوتی کہ لوگ اس کے سامنے ہدیے پیش کریں جن میں چوپائے لونڈیاں زر نقد اور کپڑے وغیرہ ہر قسم کی چیزیں بیش قرار قیمت کی ہوتی تھیں۔ اور ان کی مجموعی قیمت قیمت کا اندازہ بے پایاں ہوتا(۱) اور کبھی ان ہدیوں کی آمدنی کو ان تحفوں کا معاوضہ تصور کیا جاتا جو عامل لوگ خلیفہ یا وزیر یا قہرمانہ یا کاتب یا حاجب یا ان لوگوں کے ماسوا خلفا کے دوسرے حاشیہ نشینوں کی خدمات میں پیش کیا کرتے تھے۔(۲) اس کے علاوہ وہ لوگ دوسرے ذریعوں سے بھی روپیہ حاصل کرتے رہتے مثلاً انواع واقسام کی چیزوں اور لکڑیوں وغیرہ کی تجارت بھی کیا کرتے تھے۔(۳) اور اس کا تو کوئی ذکر ہی نہیں جو وہ تحت نشے

---

(۱) ابن اثیر ج ■ ص ۵۱ (۲) Bo. 166 Ibid (۳) مقریزی ج ۱ ص ۱۰۹ و ۳۳۳

بھی اور محصول لگا کر دو زیروں کے راضی رکھنے کا سرمایہ جمع کرنے یا منصب سے معزول ہو جانے کی حالت میں اس ذخیرے سے منتفع ہونے کے لئے حسب حاجت ایک ہی محصول کو دو دو، اور تین تین بار بھی وصول کر لیتے تھے۔ اور جس محصول سے عمال کو بیش قرار آمدنی حاصل ہوا کرتی وہ تجارت کا محصول "مکوس" تھا۔ چنانچہ علامہ مقدسی نے بیان کیا ہے کہ یمن کے تاجروں سے جو روپیہ وصول ہوتا تھا اس کا صرف ایک ثلث سلطان تک پہنچتا تھا (۱) حالانکہ وہاں کے عامل ایک بورہ گیہوں پر نصف دینار محصول لیا کرتے تھے۔

جمع مال کے لئے ذرائع

روپیہ کمانے کا ایک عمدہ ذریعہ یہ بھی تھا کہ عامل کسی مکان یا پل کی تعمیر یا کسی نہر اور نالے کی کھدائی پر مثلاً اصل میں ہزار دینار خرچ کرتا تو دس ہزار دینار کا مطالبہ پیش کر دیتا اور بسا اوقات جس کام میں دس دینار صرف ہوتے اس کا تخمینہ ساٹھ ہزار دینار کا بتایا جاتا۔ (۲) پھر علاقوں وغیرہ کا غصب کر لینا اس پر اور طرہ تھا۔ (۳) اور جو کچھ ان کے پاس خراج کی رقموں میں آنے والی سونے اور چاندی کے چھوٹے خوردوں سے جمع ہو جایا کرتا وہ بھی ایک خاصی رقم کی صورت میں انہیں کے پاس بچت میں رہتا تھا۔ پھر اس قدر معلوم کر لینے کے بعد اگر خلیفہ ہارون الرشید کے عامل محمد بن سلیمان متعینہ بصرہ کے پاس علاقوں مکانوں اور مستغلات کو چھوڑ کر صرف نقد روپیہ پانچ کروڑ درہم تک پہنچا ہوا نظر آئے۔ تو کیا اس بات سے کوئی تعجب ہو سکتا ہے؛ چنانچہ اسی محمد بن سلیمان کی روزانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی۔ (۴) اور عیسیٰ بن علی بن ہامان حاکم خراسان کی دولت آٹھ کروڑ درہم نقد تک پہنچ گئی تھی (۵) انہیں اسباب سے خلیفہ رشید کو بجز اس کے کوئی چارہ نظر نہیں آیا کہ وہ ان عاملوں سے استخراج کی کارروائی برتے اور اسی کو مصادرت بھی کہتے ہیں ابتداً اکثر اوقات یہ ہوتا تھا کہ عاملوں کے مرنے کے بعد ان کی دولت پر قبضہ کیا جاتا؛ جیسا کہ محمد بن سلیمان کے ساتھ ہوا۔ مگر بعد میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ جیتے جاگتے عمال سے تمام مال و منال چھین لیا جاتا۔ اور ان کے حلق میں انگلی ڈال کر تمام کھایا ہوا اگلوا لیا جاتا جس طرح

---

(۱) مقدسی ۱۰۴ (۲) Kr. Khal. 76 [illegible] (۳) ماوردی ۲۰۸ (۴) مسعودی جلد ۲ صفحہ ۸۸ (۵) طبری جلد ۳ ص ۷۱۳

خلیفہ ہارون الرشید نے علی بن عیسیٰ کے ساتھ کیا کہ پہلے اس کو معزول کر کے اس کے تمام مذکورہ بالا اموال کا استصفا کرا کے مع اس کے خزانوں اور اثاث البیت کے پندرہ سو اونٹوں پر لدوا کر طلب کیا تھا۔ اور یہ سب ان تین کروڑ درہموں کے سوا تھا جو وزیر مذکور کے بیٹے عیسیٰ بن علی نے اپنے شہر بلخ والے مکان کے بائیں باغ میں مدفون کر دیئے تھے۔ (۱)

وزیروں کی مصادرت

چند روز کے بعد عامل تو اپنی اپنی ولایتوں میں مستقل ہو بیٹھے۔ اس لئے ان سے مصادرت کرنا ہی ممکن نہیں رہا اس صورت میں ان سے بیت المال کے لئے صرف ضمان وغیرہ کے طور پر سال میں ایک معینہ رقم کا مطالبہ ہوتا رہا اور غصب کی ہمائے ثروت وزیروں کی طرف متحول ہو گئی۔ نیتوں کی خرابی نے یہ رنگ دکھایا کہ خلفا کو بیت المال کا خلل مسدود کرنے کی غرض سے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں ملا کہ وہ وزیروں سے مصادرت کریں لہذا اب ان لوگوں کا نمبر آیا۔ خلفاء اس مصادرت کو جور وستم میں داخل نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کو خیال تھا کہ جو کچھ ان کے پاس ہے یہ سب انہوں نے چوری کی راہ سے بیت المال کے حقوق میں سے اڑایا ہے۔

وزیروں کی مصادرت دولت عباسیہ میں اس کے آغاز ہی سے شروع ہو گئی تھی۔ مگر ابتداءً وہ قتل اور ضبط کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کی غرض وزیر سے کسی پولٹیکل جرم کا انتقام لینا یا کسی اور غرض کے لئے اس سے پیچھا چھڑانا تھی۔ ابی سلمۃ الخلال کا قتل بھی اسی قبیل سے واقع ہوا۔ جو بنی عباس کا سب سے پہلا وزیر تھا۔ اور جس طرح ابو مسلم خراسانی نے اپنی تلوار سے حکومت بنی امیہ کی مدد کی تھی، اسی طور پر ابی سلمہ نے اپنے روپیہ سے مدد دی تھی لوگوں نے خلیفہ سفاح سے اس کی بابت یہ چغلی کھائی کہ وہ تمہارے ہاتھوں سے حکومت کو نکالنے کی فکر کر رہا ہے۔ اسی بات پر خلیفہ نے ابی سلمہ کو اس کے قتل کر ڈالنے کا مخفی اشارہ کیا اور اس

---

(۱) ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۸۱

نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد منصور کے ہاتھوں سے ابو مسلم کا بھی یہی حشر ہوا۔ ہارون الرشید کے عہد میں برامکہ اور معتصم باللہ کے ایام میں فضل بن مروان کی تباہی کی نسبت بھی ایسی وجہیں بیان کی جاتی ہیں اور فضل کے قتل کرنے کا موجب اس کے دولت کو حاصل کرنے کی بھی خواہش تھی۔ کیونکہ معتصم باللہ نے اسے ۲۲۱ھ میں قتل کر کے اس کے گھر سے دس لاکھ دینار نقد اور ظروف واثاث البیت قیمتی ۱۰ لاکھ دینار کا حاصل کیا تھا۔ (۱) مگر جس زمانہ سے حکومت کا تنزل شروع ہوا تو وزیروں سے مصادرت کرنیکی غرض ہی یہ قرار پا گئی کہ ان کے مال چھین لئے جائیں۔

وزراء کی گرفتاری اور قتل

مصادرت کا بیشتر حصہ مقتدر باللہ کے عہد میں ۲۹۵ھ لغایت ۳۲۰ھ کے مابین واقع ہوا۔ کیونکہ اسکی کم سنی کی وجہ سے وزیروں نے اس کے احکام کا لحاظ نہیں کیا اور حکومت کے تمام کاروبار مقتدر کے زمانے میں اس کی ماں عورتوں اور خادموں کے ہاتھ میں رہتے تھے۔ گویا اس کی حکومت کا کام عورتوں اور خادموں کی رائے پر چلا کرتا تھا۔ اسی لئے دینار پر تباہی آگئی اور بیت المال بالکل خالی ہو گیا۔ خلیفہ مقتدر پہلے معزول ہوا پھر دوبارہ خلیفہ بنایا گیا اور آخر میں قتل کر ڈالا گیا (۲) اس کے تمام زمانے میں وزیروں کی بار بار تبدیلی اور مصادرت سے ایک بدامنی سی واقع رہی۔ اس کا سب سے پہلا وزیر ابن الفرات تھا۔ یہ تین مرتبہ منصب وزارت پر مقرر ہوا اور برطرف کیا گیا۔ اور جس قدر روپیہ اس نے جمع کیا تھا وہ سب مصادرت میں اس سے چھین گیا۔ جس کا بیان اوپر آچکا ہے۔ ابن فرات کے بعد منصب وزارت خاقانی کو سپرد ہوا۔ جو سخت بدطینت تھا۔ اس کے بعد علی بن عیسیٰ کا نمبر آیا۔ یہ شخص بڑا نافقل پرہیزگار اور خدا ترس تھا اس نے ارادہ کیا کہ حالت معاملات کو سدھارے مگر حکومت کی ہر رگ و پے میں اسقدر خرابی سرایت کر گئی تھی کہ اس کا کوئی بس نہیں چلا۔ علی بن عیسیٰ کے بعد حامد بن عباس وزیر ہوا۔ یہ شخص روپے کے برآمد کرنے میں بڑی سنگدلی سے کام لیتا تھا۔ ان کے علاوہ عبید اللہ بن محمد۔ احمد بن عبید اللہ بن الخصیب۔ محمد بن علی بن مقلہ مشہور

(۱) ابن خلکان جلد ا صفحہ ۴۱۳ (۲) فخری ۲۳۶

خورشذلیس۔ سلیمان بن الحسن بن مخلد۔ عبید اللہ بن محمد الکلواذی اور حسین القسم (۱) یہ لوگ بھی خلیفہ مقتدر کے وزیر رہے اور ان میں سے کوئی وزیر ایسا نہیں تھا جو آخر کار گرفتار ہو کر مصادرت میں نہ دھر گیا ہو۔ اور اس کے مال کو لینے کے بعد قید یا قتل نہ کیا گیا ہو۔ مقتدر باللہ کے عہد میں وزیروں کے علاوہ قاضیوں عورتوں اور خدام سے بھی مصادرت کا برتاو کیا گیا۔ اور شاید اس ذریعہ سے جس قدر مال اس نے حاصل کیا تھا اس کی مجموعی مقدار چار کروڑ دینار سے زائد ہی ہو مگر مورخین نے مقتدر باللہ کے اس خرچ کئے ہوئے روپیہ کا اندازہ جو اس نے صرف فضول خرچیوں اور بیہودگیوں میں اڑا دیا سات کروڑ دینار سے بھی چند دینار زائد کیا ہے۔ بحالیکہ یہ رقم واجبی امور میں خرچ ہونے والی رقم کے ماسوا ہے۔ (۲) اور اسی پر دوسرے وزیروں کی حالتیں قیاس کرنی چاہیئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرور ایام کے ساتھ مصادرت حکمرانوں کے لئے ایک مال حاصل کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ عامل رعایا سے مصادرت کرتا تھا۔ وزیر عاملوں سے اور خلیفہ وزیروں اور ہر ایک طبقہ کے آدمیوں سے مگر یہ ضرور تھا کہ خلفا مصادرت اسی وقت کرتے تھے جبکہ ان کو فوج کی تنخواہیں دینے یا حکومت کے دوسرے ضروری مصارف پورے کرنے کے لیئے روپے کی سخت حاجت پیش آیا کرتی تھی۔ اور ان کی یہ کارروائی ایسی ہی ہوتی تھی جس طرح پر اس زمانہ کی دول یورپ اندرونی اور ملکی قرضے کر جنگی بڑے بڑے مہتم بالشان کاموں کے مصارف پورے کرتی ہیں۔

خلفا کا یہ بھی خیال تھا کہ ان وزیروں اور عاملوں کے پاس جو مال ہے وہ در اصل بیت المال کا حق ہے جس کو انہوں نے غصب کر لیا ہے۔ اس لئے اس کا ان سے واپس لینا ظلم و جور میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور اس طریقے نے انھیں ملکی اندرونی قرض کے بارے بھی سبکدوش بنا رکھا تھا۔ جس کے نیچے آجکل کی متمدن دنیا کی زیادہ تر حکومتیں دبی پڑی اور جھینک رہی ہیں کہ ان کی آمدنی کا تقریباً تہائی یا چوتھائی حصہ

فخری ۲۳۹ و ۲۴۹ (۲) ابن اثیر ج ۸ ص ۱

انھیں قرضوں کے ادا کرنے یا سود دینے میں چلا جاتا ہے اور وہ مجبور ہو کر مصارف کی خانہ پری کرنے کے لیے نئے نئے ٹیکس اور محصول رائج کرتی ہیں یہاں تک کہ عموماً تمام حکومتیں اور خصوصاً دولت انگلشیہ لوگوں کے ہر ایسے کام پر جس سے وہ چار پیسے پیدا کر سکتے ہوں کچھ نہ کچھ ٹیکس ضرور وصول کرتی ہے۔

اہل قلم

عباسیوں کے عہد حکومت کے ملازموں کے زمرہ میں ایک فرقہ اس قسم کا اور بھی تھا جو سلطنت کا روپیہ اڑا کر خوب دولت مند بنتا تھا۔ منجملہ ان کے خراج کے محرر بھی تھے۔ (واصلباتی نویس) اور ان کو اس میں یوں سہولت رہتی تھی کہ وہ جبایت کے مصادر سے براہ راست تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ عہد بنی امیہ اور ان کے مابعد والے زمانے میں بھی ان رقموں پر دیانت تیز کرتے رہے تھے۔ لیکن ان کی حالت کا اظہار اور ان کی شرارت کا خوف عباسیوں کے دور تنزل میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی لیے ۲۲۹ھ میں خلیفہ واثق نے کاتبوں کو قید کر کے ان پر ایک بہت بھاری رقم کا الزام قائم کرنے کا حکم دیا اور سختی کے ساتھ وہ سب ان سے وصول کر لیا اور (۱) ۲۵۵ھ میں خلیفہ معتز نے بھی ایسا ہی کیا۔ (۲) جو کاتب کتابت کے کام سے دولت پیدا کرنے میں مشہور ہو گزرے ہیں منجملہ ان کے مصر میں "ماروانی" کا گھر بھی ہے۔ (۳)

دولتمندی کچھ خاص کر مالی ہی دفتروں کے کاتبوں کے حصہ میں نہیں پڑ گئی تھی بلکہ ہر ایک کاتب جو خلفا کے متعلقین وغیرہ کی خدمتوں میں رہا کرتا تھا وہ بھی اس سے بہرہ کافی اٹھاتا تھا۔ اکثر یہ رئیس کاتب لوگ رشوت اور چوری سے کھا جاتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی وزیروں کی طرح ظلم میں سرنام ہو گئے اور شاعروں نے ان کی بھی ویسی ہی ہجو کی جیسی وزیروں کی ہجو کی تھی۔ چنانچہ ایک شاعر ایک امیر کی اس بیدار مغزی اور ہوشیاری کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے جو وہ سلطنت کے کاروبار میں برتتا تھا۔

---

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۳۰ (۲) ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۸۵ (۳) مقریزی جلد ۱ صفحہ ۳۳۱۔

هن ما علمت من الامیر فما الذی — وہ ایسا امیر ہے کہ اس کی نسبت جو
تزداد منہ وفیہ لا یرتاب — ناقابل شک امر معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے
لا تتقی الاجناد فی ایام — کہ ان کے زمانے میں فوجیں تنگدستی سے
نفرا و لا یرجوا الغنی الکتاب — بچنے کی راہ ڈھونڈھتی ہیں اور کاتب لوگ
مال دار ہونے کی امید نہیں کرتے

اور کوفہ کا شاعر ابن جیباب ایک ساتھ کاتب اور وزیر کی ہجو میں کہتا ہے :-

ونجا خالد بن برمك منها — خالد ابن برمک اس بات سے نجات پا گیا
اذ دعوہ بعدھا بالامیر، — کہ اسکو بعد میں امیر کے نام سے پکارا
اسواء العالمین حالاً لدیھم — جائے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تمام دنیا میں
من تسمّٰی بکاتب او وزیر (۱) — وہ شخص بہت برے حال والا آدمی ہے جو
کاتب یا وزیر کے نام سے موسوم ہو

کاتبوں کے اکتساب مال کا ایک ذریعہ یہ بھی تھا کہ وہ عاملوں یا اور ملازموں کے تقرر کے لئے خلیفہ کی خدمت میں متوسط بن کر بڑی بڑی رشوت کی رقمیں لیا کرتے تھے۔ جس طرح احمد بن ابی خالد الاحول مامون کے کاتب نے طاہر بن الحسین کو خراسان کا والی مقرر کرانے کے لئے اس شرط پر سفارش کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ کامیاب ہو گئے تو تیس لاکھ درہم مجھے نذر کرنا۔ (۲) دفتروں کے وہ کاتب جو ولایتوں میں مقرر ہوتے تھے، عاملوں کے پاس آنے والے ہدیوں اور رشوت کی رقموں میں حصہ دار رہتے تھے اور کبھی برابر نصف حصہ بھی لیا کرتے (۳)

حاجب لوگ :- اور یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ ملک کی دولت پر ہر ایسے شخص کے دانت تیز رہا کرتے تھے جس کو حکام کے حضور میں کوئی رسوخ یا وساطت حاصل ہوتی۔ خصوصاً حاجب لوگ جو خلفا کے دروازوں پر متعین رہتے تھے وہ سب سے زیادہ

---

(۱) فخری ۱۵۸ - (۲) یعقوبی ج ۲ ص ۵۵۴ - (۳) مقریزی ج ۱ ص ۹۹

ان کے حضور میں مداخلت رکھتے تھے۔ اور اکثر حالتوں میں وہ اسی مزاج دانی کے ذریعہ سے بہت کچھ روپیہ پیدا کرتے تھے۔ کیونکہ جو لوگ دربار میں باریابی پاتے تھے ان کو پہلے یا پیچھے دربار میں داخل کرنے ان کو اجازت دلوانے یا نہ دلوانے کا انہیں کو اختیار تھا۔ اور وہ جلد تر دربار میں داخل کرنے کے لئے رشوت لیا کرتے تھے اور ان کی یہ حالت ہمیشہ سے رہتی آئی *یہاں تک کہ خلفائے راشدین کے عہد میں بھی کہ مغیرہ بن شعبہؓ کا قول ہے:-

"ربما عرق الدرهم في يدي ارفعه ليرفا ليسهل اذني على عمر(۴)"

اکثر حالتوں میں یہی حاجب لوگ رشوت لے کر لوگوں کو عہدے بھی دلواتے تھے۔ جس طرح خلیفہ منصور کے حاجب ربیع نے یعقوب بن داؤد کو منصب وزارت دلوانے کے لئے ایک لاکھ دینار رشوت لی تھی۔(۵) غرضیکہ ہر شخص جو خلیفہ یا امیر کی خدمت میں رہتا اور ان کا منہ لگا ہوتا تھا اس کی نسبت اسی قسم کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ خواہ وہ ایک معمولی خادم ہی کیوں نہ ہو۔

* خلفائے راشدین کا دربار نہیں ہوتا تھا۔ مسجد نبوی میں عام تھا۔

---

(۴) الاعلاق النفیسہ لابن رستہ جلد، صفحہ ۱۹۵ ترجمہ:- بسا اوقات میرا ہاتھ روپے کے لئے پسیج جاتا تھا جن کو میں "یرفا" کو دینے کے لئے رکھتا تھا اور غرض یہ ہوتی تھی کہ مجھکو "عمر" کی خدمت میں حاضری کی اجازت بآسانی مل جائے"۔ مصنف نے اس مقام پر جو رائے ظاہر کی ہے ہم کو اس کے ساتھ اتفاق کرنے میں سخت تامل ہے۔ کیونکہ خلفائے راشدین کے عہد میں اس قسم کا دربار کہاں تھا جس میں حاجب اور دربان رہتے ہوں۔ ان کا دربار مسجد نبوی میں ہوتا تھا اور اذن عام رہتا تھا۔ خصوصاً حضرت عمر کی بابت تو تو اس امر کا کبھی شائبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ جن کی حالت یہ تھی کہ مدینہ کے بازاروں میں درہ لئے ہوئے پھرا کرتے تھے اور ان کے وقت میں شخصی آزادی عربی خون کی غیرت اور حمیت سچی اسلامی شان عیاں تھی وہ شہنشاہ تھے مگر مسکین مزاج۔ فرش خاک ان کی مسند خلافت تھی اور اسلامی اخوت اور مساوات کے ساتھ وہ مسلمانوں اور دوسری قوموں کے اوپر عادلانہ حکمرانی کرتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر خلفائے راشدین کی بھی شان ان باتوں سے ارفع تھی۔ مگر چونکہ مصنف نے تاریخی حوالہ دیا ہے اس لئے ہم کو اس بات پر غور کرنا لازم تھا۔ جس کے بعد ہم نے یہ رائے قرار دی ہے کہ کتابت کی غلطی سے "عمر" بغیر واؤ معدود کے

خلاصہ

یہاں تک جس قدر بیان ہو چکا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ جس وقت حکومت عباسیہ اپنی فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر بے بس ہو گئی اور ترکی سپہ سالاروں نے اس پر طرح طرح کی زیادتیاں اور دست درازیاں شروع کیں تو حکومت کی ثروت بیت المال سے ان ارکان دولت کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی جو خلیفہ کے نائب بن کر کام کرتے تھے۔ یا اس کے اور رعایا کے مابین توسط کا کام دیتے تھے۔ مثلاً عامل وزیر کاتب اور حاجب لوگ یا ان کے علاوہ ایسے ہی اور لوگ۔ اور خلفا کی یہ حالت ہو گئی کہ وہ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کیلئے انہیں عہدیداروں کے مال غصب کرنے لگے جس سے ان کی بعینہ وہی صورت ہو گئی جیسے کوئی شخص آپ ہی اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتا ہو۔ اور اس کا انجام یہ ہوا کہ خلافت کا معاملہ جو انتہا درجہ کی کمزوری تک پہنچ گیا تھا آخرکار وہ زائل ہی ہو گیا۔

سرسری طور پر ذہن میں آیا ہے کہ محصولوں کی گرانی کو دولت عباسیہ کے سقوط میں بہت بڑا دخل تھا۔ اور یہ بات دیکھی بھی جا چکی ہے کہ عباسیوں کے عہد عروج میں محصولات بہت ثقیل تھے۔ حالانکہ وہ زمانہ دولت اور علم کا زمانہ تھا۔ اور اس وقت لوگ ان محصولوں کے بھاری ہونے کا کچھ شکوہ ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس کے برعکس جس وقت سے ضرائب کی تخفیف کی گئی اسی وقت سے ان کی حالت بھی ابتر ہونی شروع ہوئی۔ اس کی کچھ یہ وجہ نہ تھی کہ ضرائب کی تخفیف لوگوں کو بری معلوم ہوتی تھی۔ مگر بات یہ ہے کہ ان دنوں ضرائب کی کمی نے بیت المال میں وارد ہونے والے ثروت کے مصادر بھی کم کر دیئے اور ارکان دولت کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۰) لکھا گیا ورنہ اس "عمر" سے بجائے عمر بن الخطاب ؓ کے "عمرو بن العاص ؓ" امیر مصر مراد ہیں۔ اور یہ امر قرین قیاس ہے کہ ان کے دربار کی یہ حالت رہی ہو۔ کیونکہ اس زمانہ میں حاجب اور نقیب کا عہدہ رواج پا بھی گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ مترجم عفی عنہ (۵) نخری ۱۶۶

طامع طبیعتیں روپیہ کی زیادہ حاجتمند ہو گئیں۔ نیتوں کے بگاڑ سے ان اسباب نے جن کا بیان ہم کر چکے ہیں حالات اور صورت معاملات میں اختلال اور فتور ڈال دیا۔ اور امن و امان کے زوال سے عام نظم و نسق برقرار نہیں رہا تھا۔ اس لئے لوگوں نے کاروبار بند کر دیئے۔ ان کی آمدنیاں گھٹ گئیں تو ان میں ارکان دولت کے پیٹ بھرنے کی قوت بھی نہیں باقی رہی۔ اور درباری لوگوں نے ظلم و جبر سے روپیہ وصول کرنا شروع کیا۔ اس سے لوگوں میں اور بھی بے چینی اور تنگی بڑھی۔ یہاں تک وہ ایسے عہد حکومت میں جس کے اندر جان و مال کا امن نصیب نہیں تھا۔ زندگی بسر کرنے میں جان سے تنگ آ گئے تھے

برطانوی حکومت میں ٹیکسوں کی کثرت

اگر ضرائب کی کثرت ملک کو ویران کرنے والی چیز ہوتی تو تمام حکومتوں سے جلد دولت انگلشیہ کو برباد ہو جانا لازم تھا۔ کیونکہ اس میں صدہا اس قسم کے ٹیکس لگائے گئے ہیں جن کو اہل عرب کے خواب و خیال میں بھی گذرنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس لئے کہ علاوہ ان ضرائب کے جو وہ پیداوار اور مال درآمد کے مختلف طبقوں پر وصول کرتی ہے لوگوں کے تجارتی منافع میں بھی حصہ بانٹ کر لیتی ہے اور وہ آمدنی پر بھی ایک قسم کا ٹیکس وصول کرتی ہے۔ جس کو انکم ٹیکس کہتے ہیں، اور ہر ایک ایسے پیشے پر بھی جسکو لوگ بغرض نفع کرتے ہیں۔ کچھ فیس ضرور لیتی ہے۔ یہاں تک کہ وکالت اور طبابت کرنے کی سند دینے پر بھی فیس لی جاتی ہے۔ سند وکالت کی فیس بہت بھاری اور عدالتی مراتب کے لحاظ سے مختلف بھی ہے چنانچہ اس کی مقدار پچاس پونڈ سے بیس پونڈ تک ہے اور اسی پر ان رسوم کو بھی قیاس کیا جائے جو طبیبوں دوا فروشوں وکلا اور مختار کاروں یہاں تک کہ اسپیکروں (خطیبوں) اور واعظوں سے بھی وصول کئے جاتے ہیں۔ کہ ان رسوم سے اس کے پاس بہت کثیر رقم مجتمع ہوتی ہے۔

بہر حال انگریزی عہد حکومت میں انکم ٹیکس سے کوئی کاروباری آدمی بری نہیں جس کام سے لوگ پیسہ کماتے ہیں اس پر ٹیکس ضرور قائم ہے۔ تا آنکہ جیب واعظوں

اور خطیبوں کو بھی خالی نہیں چھوڑا گیا ہے تو تجارت کے اقسام، دستکاریوں اور بینکوں وغیرہ کا کیا ذکر ہے۔ اور حکومت انگلشیہ کو جس وقت روپیہ کی ضرورت پیش آتی ہے وہ فوراً اپنے بجٹ میں ضرائب کی زیادتی سے تعدیل پیدا کر لیتی ہے۔ اور خصوصاً آمدنی پر ٹیکس کا اضافہ کرتی ہے۔ اس کی مالی ضرورت زیادہ تر بحالت جنگ بڑھتی ہے۔ جس طرح اس نے جنگ ٹرانسوال کے اثناء ۱۹۰۱ء میں بجٹ کا تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کے اس سال کی آمدنی کا اندازہ گیارہ کروڑ ستر لاکھ پونڈ اور خرچ کا تخمینہ پندرہ کروڑ چالیس لاکھ پونڈ تھا۔ جس کا فرق تین کروڑ ستر لاکھ پونڈ ہوا وہ سب اس نے ضرائب کی کی زیادتی سے پورا کر دیا۔ آمدنی پر فی پونڈ آٹھ پنس یعنی ۳⅓ فی صدی کے قریب ٹیکس مقرر تھا۔ اسکو بڑھا کر ایک شلنگ یعنی ۵ فی صدی کر دیا۔ جس سے نو ملین پونڈ جمع ہو گئے۔ بیر شراب پر محصول بڑھا کر سترہ لاکھ باون ہزار پونڈ فراہم کئے۔ دوسری تمام اقسام کی شرابوں پر ٹیکس لگانے سے دس لاکھ [redacted] ہزار پونڈ حاصل کئے محصول تنباکو کے اضافہ سے گیارہ لاکھ پونڈ اور چائے کا محصول مزید کرنے سے اٹھارہ لاکھ پونڈ حاصل کئے اور اس کے علاوہ اور رقمیں بھی۔ پھر جب لڑائی بند ہو گئی تو حکومت نے ان اضافوں کو برطرف کر دیا۔ آمدنی کا ٹیکس چار پنس فی پونڈ یعنی قریب قریب سابق دستور...... کر دیا گیا جس سے حکومت کو پچاسی لاکھ پونڈ کی کم آمدنی ہوئی اور گیہوں وغیرہ کے محصول بھی گھٹا دیئے گئے۔

تباہی کا اصل سبب

قصہ مختصر یہ ہے کہ گو ضرائب کی کثرت اور قرضوں کی زیرباری نے انگلستان کو بخوبی گھیر رکھا ہے اس پر بھی وہ آج تمام دنیا کی حکومتوں میں سب سے بڑھ کر ثابت قدم اور مالدار حکومت شمار ہوتی ہے۔ اس لئے اگرچہ ضرائب کی کمی انسانوں کے لئے رحمت ہے تاہم اس کی زیادتی تباہی اور بربادی کا موجب نہیں۔ بلکہ ملک کی تباہی کا اصل سبب ہے "ظلم" وہ بلاشبہ لوگوں کے ہاتھ کاروبار سے روک کر سلطنت کی بنیاد اکھاڑ ڈالتا ہے۔ کاشتکار کو کھیتی باڑی اور تاجر کو تجارت نہیں کرنے دیتا اور دستکا

بھی دستکاری چھوڑ دیتا ہے۔ اور جب تک انسانوں کے یہ طبقے کاروبار نہ کرتے رہیں مال کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ اسی لئے دانشمندوں کا قول ہے "العدل اساس الملک"۔

انہیں وجوہ اور اسباب سے جس وقت خلیفہ معتصم باللہ کے بعد دولتِ عباسیہ غیر ملکی سپاہیوں کے تاخت وتاراج کی جولانگاہ بن گئی۔ جو وہاں کی دولت لوٹ لوٹ کر اپنے ملکوں کو لے جایا کرتے تھے اور وزیروں اور عاملوں نے صرف روپیہ سمیٹنے کی غرض سے کام شروع کیا اور خلیفہ کی یہ حالت ہوگئی کہ اس کی حکومت خاص اس کے محل اور غلام باندیوں پر بھی نہ قایم رہ سکی تو یہ تمام بوجھ تنہا رعایا کے سر پر آپڑا کیونکہ وصول وتحصیل انہیں سے کی جاتی تھی۔ پس حکام نے بغیر اس کے تقاوی وغیرہ سے ان کو کاشتکاری میں امداد دیں ان سے روپیہ کا مطالبہ کیا۔ اور ان کی حالت بگڑ گئی۔ باقی رہیں اس زمانہ کی حکومتیں تو ان کے نظم ونسق کی بنیاد شخصی آزادی اور اصول کفایت شعاری پر ہے۔ اس لئے کوئی شخص لوگوں سے بجز اس چیز کے کسی دوسری چیز کا مطالبہ نہیں کرسکتا جس کو وہ دلیل کے ساتھ صریحاً اور صاف حق اور درست ثابت کردے۔ ورنہ لوگ فریاد کرینگے اور ان کی فریاد سنی جائے گی اور انشاء اللہ ہم اس کتاب کے بعض آیندہ دوسرے حصوں میں پھر اسباب پر مفصل بحث کریں گے۔

مملکت عباسیہ کی ثروت

یعنی

ملک کا قومی سرمایہ

عباسی حکومت اور اس کے ارکان دولت کی ثروت بیان کر دینے کے بعد اس قدر اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کی دولت مندی پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔ مملکت سے عام ملک مراد ہے جس میں مختلف طبقوں کے تاجر۔ کاشتکار کاریگر وغیرہ وغیرہ آباد تھے۔ اور آبادیوں کی دو قسمیں تھیں۔

(۱) شہر۔

(۲) دیہات۔

شہر۔ جس طرح موجودہ ایام کے تمدن کا قاعدہ ہے اسی طرح پر ان دنوں بھی مدنیت کا انحصار شہروں کے اندر رہا۔ اور دیہات میں اس کی کوئی جھلک بھی نہیں نظر آتی تھی۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ جہاں حکام وقت اور ان کے سرتاج خلیفہ (شاہ) سے لے کر اس کے حاشیہ نشین درباریوں عالموں اور وزیروں تک رہا کرتے ہیں وہیں پر ثروت اور دولت کی نمائش بھی پائی جاتی ہے اور یہ لوگ عموماً شہروں اور خصوصاً پایہ تختوں میں بود و باش رکھا کرتے تھے۔ اسی لئے بغداد۔ بصرہ دمشق۔ فسطاط۔ قاہرہ۔ قیروان۔ قرطبہ اور غرناطہ وغیرہ شہروں کی آبادی اور رونق روبہ ترقی رہی اور دیہات اور تعلقے صرف زراعت اور باغوں کے نصب کرنے کیلئے مخصوص رہے۔ اور ان میں آبادی بہت کم ہوتی تھی۔ چنانچہ اس تمدن کا کوئی نشان بجز شہروں کے کسی گاؤں میں مطلق نہیں پایا جاتا۔

جن شہروں کا ہم نے ذکر کیا ہے انہیں میں اسلامی ثروت کے سرچشمے ابلتے

رہتے تھے۔ اور عام خلقت خلیفہ اور اس کے ارکان سلطنت کے زیرِ سایہ رہ کر ان سے انعام و اکرام ہدیے اور خلعت حاصل کرتی تھی۔ اعلیٰ درجے کے کپڑے اور مال تجارت جواہرات کے مرصع زیورات اور فاخرہ لباس وغیرہ کی خرید و فروخت کرتی تھی، انہیں شہروں میں علماء شعراء گویّوں اور مصاحبوں کا بھی مجمع رہا کرتا تھا۔ جن کی بسر اوقات کے ذریعے صرف خلیفہ امرائے دربار اور ارکان سلطنت کے نیا عطیے ہوتے تھے۔

چنانچہ یحییٰ بن فضل نے اپنے اس بیان میں اس زمانہ کے طبقات ناس کی بہت خوب لفظی تصویر کھینچدی ہے۔ وہ کہتا ہے "تمام انسانوں کے چار طبقے ہیں۔ بادشاہ جن کو استحقاق نے مقدم بنایا ہے۔ وزیر جن کو معاملہ فہمی اور دور اندیشی نے فضیلت دی ہے، معززین جنھیں فراخ دستی نے اٹھان کا موقع دیا ہے۔ اور متوسط الحال اشخاص جو ادب اور قابلیت حاصل کرنے کے بعد تینوں مقدم الذکر طبقوں کے ساتھ کچھ تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ ان چاروں طبقوں کے بعد جو اور لوگ رہ جاتے ہیں وہ آخور کی بھرتی میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ جن کے گروہ میں سے ہر ایک کو محض کھانے اور مست خواب رہنے کی خواہش رہا کرتی ہے۔"

ابن خلدون کا قول

علامہ ابن خلدون نے شاہی جود اور عطا کو ثروتِ مملکت کی اصل اور کثرت محاصل کی علت قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ حکومت اور سلطان کو دنیا کا ایک عظیم الشان بازار تصور کرتے ہیں۔ جس سے ہر شخص کچھ نہ کچھ نفع اٹھا سکتا ہو۔ اور وہیں سے آبادی کا مادہ حاصل ہوتا ہو۔ وہ بیان کرتے ہیں۔ "اگر سلطان کو روپیہ اور محاصل کا گھاٹا پڑے یا بالکل نہ ملے اور اس وجہ سے وہ ان مصارف کو پورا نہ کر سکے جو دولت کی موجودگی میں کیا کرتا تھا تو کوئی شک نہیں کہ اس کے حاشیہ نشینوں اور مددگاروں کے ہاتھ بھی تنگ ہو جائیں گے اور ان لوگوں کی تنگدستی ان کے متعلقین اور کنبے والوں کے لیے بھی تنگدستی کا باعث بنے گی اور ان سبھوں کے اخراجات کم ہو جائیں گے۔ جن کو سواد اعظم کہا جا سکتا ہے

حالانکہ انھیں کے اخراجات بازاروں کی رونق بڑھانے کے اسباب ہیں۔ اس حالت میں بازاروں میں کساد اور تجارتی منافع میں کمی واقع ہوتی ہے۔ جس سے خراج کی آمدنی بھی سست پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ خراج اور ملک کے دوسرے محاصل کا مدار ہے آبادی کی خوشحالی معاملات اور بازاروں کے چلن اور لوگوں کے فائدہ اٹھانے اور نفع حاصل کرنے کی خواہشوں پر جس کا برا اثر ملکی محاصل کے کم ہونے سے سلطان کی تنگدستی کے لباس میں خاص حکومت ہی پر ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں سلطان کی ذات سب سے بڑی بازار ہے۔ اور وہی تمام ملکی بازاروں کی آمد و خرچ کی اصل اور بنیاد ہے۔ پس اگر وہ کاسد ہو جائے گی اور اس کے مصارف کم ہوں گے تو اس کے بعد والے چھوٹے چھوٹے بازاروں کا حال اور بھی سخت ابتر ہوگا۔

اسلامی تمدن کے اجزا

غرضیکہ اسلامی شہر جن اجزاء اور افراد سے مرکب تھے وہ حسب ذیل ہیں:۔

بادشاہ، جو کہ اصل اور تمام امور کے مرجع ہیں۔ ارکان دولت اور وہ بھی بادشاہوں کے ہم پلہ تھے۔ کیونکہ ان کا انتخاب معاملہ فہمی کے لحاظ سے ہوتا تھا۔ اس کے بعد مالدار لوگ اور سب سے آخر میں متوسط الحال جن کو جمہور بنی آدم کہنا چاہیے اور یہ لوگ متقدم الذکر تینوں طبقوں کے بالکل تابع فرمان رہا کرتے تھے۔ مگر اس شخصی آزادی کے زمانے میں سوسائٹی کی حالت ان ایام کی سوسائٹی کی نوعیت سے بالکل جداگانہ ہے۔ کیونکہ آجکل تمام آدمی مستقل طور پر اپنا اپنا کام کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک شخص خواہ وہ اہل قلم ہے یا دستکار، تاجر ہے یا روزگار پیشہ اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اس انسانی مجموعہ کا وہ بھی ایک جزو ہے۔ جس سے کسی حالت میں بے پروائی نہیں کی جا سکتی۔

کسان اور دولت کا منبع

لیکن عصر عباسی میں شہری خلقت صرف خلفا اور امراء کے خوان کرم کی زلہ ربا تھی اور ان کی امیدیں انھیں لوگوں کے گرد منڈلاتی رہتی تھیں۔ جو کچھ وہ لوگ ازراہ بخشش ان کو عطا کرتے تھے اسی کو یہ چن لیتے خلفا اور امراء کا جود کرم ملکی آمدنی سے وابستہ تھا۔ لہٰذا جس وقت آمدنی زیادہ ہوتی تو وہ

خوب فیاضی کرتے، اور جب روپے کی قلت پیش آتی تو وہ بھی ہاتھ تنگ کر لیتے تھے۔ جبایت خراج پر موقوف تھی۔ اور خراج کا تقرر آراضی پر تھا۔ آراضی میں کام کرنے والے تھے کسان لوگ اور ان کو دیہات میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس نظر سے عباسی ثروت کے مصادر تھے دیہات اور وہ کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی سے جمع ہوتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ عموماً تمام زمانوں اور مقاموں میں اور خاصکر زراعتی مقامات اور ممالک میں کسان ہی کی ذات دولت کی بنیاد رہتی ہے حالانکہ باغلب وجوہ وہ غریب مال وزر کے لطف سے بہت ہی کم بہرہ ور ہوتا ہے۔ بالخصوص تمدن قدیم یا اس کے ہم جلیس عہد میں جہاں ثروت اور قوت حکام ان کے نائبوں اور ان سے واسطہ رکھنے والوں کے ہاتھوں ہی میں رہتی ہے اور باقی تمام آدمی ان کے لئے بے عذر خادم اور خدمتگذار شمار ہوتے ہیں یا غلام بنے رہتے ہیں انکا مشغلہ امراء اور حکام کی ضرورت کے سامانوں کی تیاری مکانوں کی تعمیر، لباسوں کی ساخت اثاث البیت اور جواہرات کی مرصع اشیا کا بنانا یا ان لوگوں کے گھروں میں طبابت اور تحریر کا کام کرنا یا ناچ گا کر دل رجھانے اور نظم ونثر وغیرہ سے ان کی دل چسپی کا سامان فراہم کرتے رہنے پر منحصر رہتا ہے۔ اور یا وہ لوگ زمین کے تردد کا اہتمام کرتے ہیں اور اس سے پیداوار کے حصول کی فکر رکھتے ہیں اور کسانوں کا گروہ ہر زمانے میں آدمیوں کے بیشتر حصے پر حاوی رہتا ہے۔ چنانچہ اس کا تفصیلی ذکر ہم آداب معاشرت کے بیان میں کریں گے۔

حکومت سے تجارت کو فروغ

بہرحال شہروں کی دولت مندی حکومت اور ارکان سلطنت کی مالداری کے تابع تھی۔ جیسے ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ اس لئے جبکہ ہارون الرشید کا دربار وفود سے بھرا ہوا اور اس کا بیت المال نقدیات سے معمور تھا۔ اس کے علاوہ برامکہ بھی سینکڑوں اور ہزاروں روپے خرچ کرتے رہتے تھے تو بغداد کے سوداگروں کی حالت بھی بہت کچھ درست ہوگئی تھی اور خاصکر جوہریوں اور پارچہ فروشوں کی تو بہت کچھ چاندی تھی۔ کیونکہ دولتمندی اور عیش پسندی کے عہد تمدن میں انفیس چیزوں کی مانگ زیادہ رہتی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ محلہ کرخ (بغداد) کے ایک ایک جوہری کے صرف ایک جواہرات کی کشتی پر یحییٰ برمکی نے ستر لاکھ درہم قیمت لگا دی تھی

مگر اس نے فروخت نہیں کیا۔(۱) حالانکہ وہ اس کی دوکان کی صرف ایک چیز تھی۔ پس اسکی تمام دوکان کے مال کا کیا تخمینہ کیا جا سکے گا۔ بغداد ہی میں ایک اور جوہری ابن الجصاص نامی تھا۔ جس کے اوپر خلیفہ مقتدر نے ۳۰۲ھ میں مصادرت قائم کی تھی۔ دو کروڑ دینار سے زائد قیمت کا مال اس کے پاس سے ضبط کر لیا تھا۔(۲) اور بغداد کے ایک شریف محمد بن عمر کی املاک کا سالانہ خراج پچیس لاکھ درہم سالانہ تک پہنچ گیا تھا۔(۳) اور اسی پر بغداد کی تمام تجارتوں اور دوسرے کاموں کی حالت کا قیاس کر لینا چاہیے۔ مقام اصطخر میں ایک خاندان آل حنظلہ کی جانب منسوب آباد تھا۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن علینہ کی دولتمندی کی یہ حد ہوگئی تھی کہ اس نے ایک ملین درہم کے قرآن پاک ہدیئے کر تمام اسلامی ممالک میں تقسیم کرادیئے تھے۔ اور اس گھرانے کو اپنے تعلقہ سے ایک کروڑ درہم سالانہ کی خراجی آمدنی ہوا کرتی تھی اور انہیں میں سے "مرداس بن عمر تھا جس کی املاک کا خراج تیس لاکھ درہم تھا اور اس کے چچازاد بھائی محمد بن واصل کی املاک بھی اسی کے برابر تھی(۴) مقام سیراف میں اتنے بڑے بڑے تاجر تھے جن میں سے صرف ایک شخص کا سرمایہ چھ کروڑ درہم تجویز کیا جاتا تھا جو اس نے دریائی سفر کے ذریعے عود کافور عنبر۔ جواہرات۔ خیزران۔ ہاتھی دانت آبنوس اور سیاہ مرچ وغیرہ کی تجارت سے پیدا کیا تھا۔(۵) اور انہیں تاجروں میں سے بعض ایسے تھے جو ایک گھر کی تعمیر پر تیس ہزار دینار لاگت لگا دیتے تھے۔(۶) ان میں سے ایک تاجر نے اپنی دولت کا ایک ثلث حصہ کسی کام پر وقف کرنے کی وصیت کی تھی۔ جس کی مقدار دس لاکھ دینار تک پہنچی اور اس کے اندر مکمل جہازات اور ان کے آلات بھی تھے۔(۷) غرضیکہ مشرقی ممالک کے بیشتر شہروں میں اس کی بکثرت مثالیں دستیاب ہو سکتی ہیں۔

حاشیہ نشینوں کی دولتمندی

خلفاء کے ساتھ میل رکھنے والوں اور ان سے انعام وعطیات پانے والوں یا خلفاء کے ان حاشیہ نشینوں

---

(۱) طبری جلد ۳ صفحہ ۷۰۲ (۲) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۳ (۳) ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۰ (۴) اصطخری ۱۴۲ (۵) اصطخری ۱۵۴ (۶) ابن حوقل ۱۹۸ (۷) ابن حوقل ۲۰۷

کی حالتوں کو بھی جو عروج فرودستائے وقت میں وزرار کاتبوں اور عاملوں کے ماسوا تھے اسی بیان سے قیاس کرلو۔ ان لوگوں کے پاس بھی بھاری رقمیں اور بے حد شمار مال و سامان جمع ہوگیا تھا۔ حتیٰ کہ گانے بجانے والے لوگ اور شاعروں کی دولتمندی بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کا گویا ابراہیم موصلی مراہے تو اس کے ترکہ میں جو دولت برآمد ہوئی اُس کی مقدار دو کروڑ چالیس لاکھ درہم بیان کی گئی ہے۔(۱) اور جبریل بن بختیشوع اسی خلیفہ کے طبیب کا ترکہ جواہرات تعلقہ جات اور نقد سب کو ملا کر نو کروڑ درہم کے مساوی تھا۔

اسی حالت کا اعتبار تمام ملکوں اور حالتوں میں کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ اغلب حالتوں میں دولت کا وجود خلفایا ان کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگوں ہی میں پایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ تاجروں کو بھی اپنی جان اور اپنا مال محفوظ رکھنے کے لئے حکام وقت کے ساتھ تعلقات رکھنے پڑتے تھے۔ اور اگر کوئی تاجر اس قسم کا نہ رہا ہو تو اسے نادر الوجود سمجھنا چاہیے۔

دیہات کی اقتصادی حالت

دیہات کے رہنے والے کاشتکار اور ملک کے اصلی باشندے تھے۔ جن کو اہل خراج کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مزدوری پیشہ تھے۔ یا خلفا امرا اور ان کے لواحقین کے شریک ہوکر ملکی طور سے کاشت کرتے رہتے۔ خلفا اور امرا کے لواحقین میں ملک کے معزز لوگ عموماً اور ممالک عراق و فارس کے دہقان و مرزبان خصوصاً شمار ہوسکتے تھے۔ دہقان لوگ اسلام سے پہلے بڑی بڑی جاگیروں کے مالک تھے۔ پھر جب اسلامی دور شروع ہوا تو بوجہ اپنی مالداری کے وہ حکومت کے مقرب بن گئے (۲) اور اپنے ملکی لوگوں کی جماعت میں صاحب اثر ہوگئے۔ غرضیکہ کاشتکاروں کی جماعت میں ان کے کسی خاص ملکیت کا پایا جانا ایک نادر امر تھا۔ اور اس کے اسباب اوپر بیان ہوچکے ہیں اسلئے دیہات کے رہنے والے کاشتکار تھے یا ان کے قائم مقام یعنی کھیتی باڑی کے کاموں میں مزدوری پر کام کرنے والے یہ لوگ دنیاوی دولت سے صرف اس قدر

---

(۱) سیر الملوک ۱۱۳ (۲) ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۰۱

حصہ لینے پر قانع رہتے تھے۔ جس سے وہ کسی طرح پیٹ پال سکیں اور زندہ رہ سکیں۔ ان پر سخت جانگزا فقر طاری رہتا تھا۔ اور بسا اوقات ان میں کوئی ایسا شخص بھی ملتا تھا جس نے اپنی تمام عمر میں کبھی دینار کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ شہر کے مالداروں کی تو یہ کیفیت تھی کہ وہ سیکڑوں اور ہزاروں اشرفیاں فضول خرچیوں میں اڑا ڈالتے تھے اور لوگوں کو بخشدیا کرتے مگر گاؤں کے غریب کسان بھوکے مرتے اور اگر ان میں کسی کو ایک دینار بھی نظر آجاتا تو وہ اس کو سجدہ کرتا اور بار بار چومتا رہتا اور جو کہیں اس کو ایکبارگی دس یا ۲۰ دینار دیدیئے جاتے تو شادی مرگ ہوجاتا تھا۔ جس طرح تیسری صدی ہجری کے وسط میں ابن طولون حاکم مصر کے سامنے ایک مچھیرے کا واقعہ گزرا ہے۔

مچھیرے کا واقعہ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن طولون بڑا مشہور سخی داتا گذرا ہے۔ جس نے نمائشی امور میں بہت کچھ حصہ لیا تھا۔ اس نے بکثرت مکانات باغات اور اصطبل بنوائے تھے اور وہ ہر ایک مہینے میں ایکہزار دینار فقیروں کو تقسیم کیا کرتا تھا۔ ابن طولون ہی ایسا صاحب کرم تھا جس نے اپنے وکیل کو حکم دیا کہ "جو شخص تم سے ہاتھ پھیلا کر مانگے اسے بے تامل دیدو (۱) کیونکہ اس وکیل نے ایک دن اس سے آکر بیان کیا کہ آج میرے پاس ایک ایسی عورت نے آکر سوال کیا جو بہت عمدہ چادر اوڑھے تھی اور ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھی اور میں نے اس کو دیدیا۔" اسپر اسے مذکورہ بالا حکم ملا تھا باوجود اس کی اسقدر فیاضی کے ایک دن وہ امیر بذات خاص ہوکر "مقس" کی طرف گیا۔ اتفاقاً اس دن کسی قدر زائد سردی پڑرہی تھی۔ اور صبح کا وقت تھا۔ جب وہ فسطاط کے جوار میں پہنچا تو اس نے دریائے نیل میں ایک مچھلی کے شکار کھیلنے والے شخص کو دیکھا جس کے تن پر ایک بالکل پھٹا ہوا پرانے کپڑے کا ایسا گودڑ پڑا تھا جس سے تمام جسم ننگا نظر آتا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک کمسن بچہ بھی تھا جس کی حالت بھی بعینہ ویسی ہی تھی۔ اس صیاد نے دریا میں اپنا جال پھینکا اور اسے آہستہ آہستہ کنارے پر کھینچنا شروع کیا اور سردی سے ان کا بند بند کانپ رہا تھا۔ ابن طولون کو اس کی حالت زار

---

(۱) ابن خلکان ج ۱ ص ۵۵

پر ترس آ گیا۔ اور اس نے اپنے خادم کو حکم دیا۔ "نسیم! اس شخص کو بیس دینار دیدے"
خادم نے بیس دینار صیاد کے حوالے کئے اور اپنے آقا کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ ہی
دور آگے چل کر ابن طولون واپس ہوا اور یہ معاملہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ غریب مچھوا مردہ
پڑا ہے اور اس کا کمسن بچہ کھڑا چلا چلا کر رو رہا ہے۔ ابن طولون کو خیال ہوا کہ اس کے
حبشی خادموں میں سے کسی نے دیناروں کی طمع میں غریب مچھوے کو مار ڈالا ہے اور اشرفیاں
لے لی ہیں۔ لہذا وہ بذات خاص وہیں رک گیا اور لڑکے سے اس کے باپ کی سرگزشت
دریافت کی۔ بچہ نے کہا۔ یہ (نسیم کی طرف اشارہ کرکے) شخص نہیں معلوم میرے
باپ کو کیا چیز دیکر چلا گیا تھا کہ میرا باپ بڑی دیر تک چومتا رہا اور آخر مردہ ہو کر
گر پڑا۔" ابن طولون نے کہا۔ "نسیم! اس معاملہ کی تفتیش تو کرو۔" نسیم خادم اپنے
گھوڑے سے اتر پڑا اور اس نے مردہ صیاد کے ہاتھوں کو ٹٹول کر معلوم کر لیا کہ بیسں
دینار بجنسہ اس کے پاس ہیں۔ جس کے بعد اس نے لڑکے سے کہا کہ تو ان دیناروں
کو لے لے۔ لڑکے نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ اسی چیز نے میرے باپ کی جان لی ہے
اور میں اسکو لوں گا تو یہ میری بھی جان لے گی" ابن طولون نے یہ بات سنکر "مقس"
کے قاضی کو اور وہاں کے شیوخ کو بلوا بھیجا۔ اور جب وہ لوگ آ گئے تو انھیں حکم دیا
کہ اس مچھوے کے لڑکے کے لئے ایک مکان پانچسو دینار کا خرید دیں جس کی آمدنی اس
کے کام آ سکے۔ اور وہ گھر اسی کے نام پر وقف کر دیا جائے۔ پھر اس کا نام روزینہ
پانے والوں کی فہرست میں لکھوا دیا۔ اور کہا۔ آہ خود میں نے اس معصوم کے باپ کو قتل کیا
ہے۔ کیونکہ مالداری تدریجی رفتار کی محتاج ہے۔ ورنہ وہ اپنے مالک کو قتل بھی کر دیتی ہے
اس شخص کے لیے لازم تھا کہ اس کو ایک ایک دینار کرکے بیس مرتبہ میں بیس دینار
دیے جاتے۔ جو اس کی نظر میں بہت زیادہ نہ معلوم ہو سکتے۔

پھر جبکہ خاص دار السلطنت کے مضافات میں رہنے والوں سے ایک شخص
کی یہ حالت تھی تو ان دیہاتی باشندوں کی کیا کیفیت رہی ہو گی جو حکومت کی
نمائشی دولت مندی کے مصارف اور روزینہ خوری اور وظیفہ یابی سے بہت دور پڑے ہوئے تھے

اسلامی شہر

اسلامی شہروں سے وہ شہر مراد ہیں جو مسلمانوں نے خود اپنے رہنے کے لئے تعمیر کیے تھے۔ یہ شہر رومی اور فارسی شہروں کے ماسوا ہیں۔ اسلامی شہروں کی تعداد ممالک عراق، شام، مصر، افریقہ اور اندلس وغیرہ میں کئی ایک ہے۔ جن میں سے بعض اب تک آباد اور بارونق ہیں اور چند ویران و نابود ہو چکے ہیں۔ بصرہ، بغداد، قاہرہ یہ تینوں آباد شہر مسلمانوں کی یادگار ہیں۔ اور مصر کے قدیم اسلامی دار السلطنت "فسطاط" اور اندلس کے دلفریب شہر "الزہرا" کا اس وقت کوئی پتہ بھی نہیں ملتا۔ ہم اس حصہ کتاب کے موضوع کو مکمل کرنے کے خیال سے ذیل میں مشہور ترین اسلامی شہروں کا ذکر کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ تمدن اسلامی کے عہد شوکت میں ان کی آبادی اور رونق کس پایہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ مگر قبل اس کے بطور تمہید مختصر طور پر ان اسباب کا ذکر بھی ضروری ہے جن کے ذریعہ سے عرب مسلمانوں کو ان شہروں کی بنا کا خیال پیدا ہوا

صحرائی زندگی

صدر اسلام میں مسلمان لوگ صحرا نشین عرب تھے۔ خیموں کے سائے میں کھلے میدانوں یا پہاڑی دروں کے مابین قیام کرنا چوپایوں کی پرورش اور گھوڑوں کی پرداخت ان کے مشہور اوصاف تھے۔ شہر پناہوں سے گھرے ہوئے شہروں کا قیام اور آباد بستیوں کی سکونت انھیں بھاتی نہ تھی۔ اسلام کی شان و شوکت قوی ہوئی اور اہل عرب عراق و شام کے شہروں کی فتح پر جھکے تو وہ شروع میں میدان جنگ پر جاتے ہوئے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ جس وقت کسی شہر کو فتح کر لیتے تو اسی کے اطراف میں اپنے خیمے اور قناتیں نصب کر کے مقیم ہو جاتے گویا وہ مقام ان کا کمپ ہوتا تھا۔ خلیفہ عمرؓ بن الخطاب اپنے فوجی سپاہیوں پر جو شہروں میں مقیم ہوتے یہ شرط لازم کر دیتے تھے کہ وہ مقر خلافت یعنی مدینہ منورہ کی طرف سے ایسے مقام پر نہ رہیں جہاں راستے میں دریا حائل ہو تاکہ جس وقت خلیفہ کے دل

میں آئے وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس آسکیں۔ عمرو بن العاصؓ نے قیام و بنائے فسطاط میں اور سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ اور بصرہ کی بنا اور اقامت خلیفہ ممدوح کے اسی حکم کی پابندی کی تھی(۱) یہ تینوں مقامات عربی فاتح فوجوں کے کمپ تھے۔ جن کو وہ "رابطہ" یا "معسکر" کے ناموں سے تعبیر کیا کرتے۔ لیکن جب انھیں ان مقامات میں زیادہ عرصہ تک رہنا پڑا تو بمقتضائے ضرورت وقت انہوں نے وہاں بازاروں کی داغ بیل ڈال کر مکانات اور قصر بھی تعمیر کر لیئے۔ عہد اسلام میں عرب مسلمانوں کی یہ حالت تھی جو ہم نے بیان کی اور اسی انداز پر انہوں نے بصرہ کوفہ فسطاط کے شاندار شہر تعمیر کیئے۔

شہروں کی تعمیر

پھر جس وقت عربی قلمرو میں وسعت اور اسلامی حکومتوں کا تعدد ہوا تو ان لوگوں نے اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر یا دشمنوں کے اچانک حملہ سے قلعہ بند و محفوظ رہنے کے لیئے بھی شہروں کی بنیادیں ڈالیں جس طرح پر خلیفہ منصور نے شہر بغداد کو اپنی قلعبندی کے لیئے بنایا تھا۔ یا فاطمی خلفاء مصر نے قاہرہ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اکثر اوقات سلطان خلفا سیر و تفریح کی غرض سے یا عام آبادی کے شور و غل سے علیحدہ رہنے کے خیال سے بھی شہروں کی تعمیر کرتے رہے۔ مثلاً سامرا۔ متوکلیہ اور "الزہرا" وغیرہ۔ شہروں کی بنیاد انہیں اسباب پر پڑی تھی جن کے ذکر میں طوالت کتاب کا خیال رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ اسی واسطے ہم ثروت اسلامی کے عہد عروج کے مشہور شہروں ہی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

اکثر مسلمان مورخوں نے اسلامی شہروں کے حالات اسی انداز پر بیان کئے ہیں جس طرح آجکل کے سیاح لوگ بڑے بڑے شہروں کے چشمدید مناظر کا خاکہ کھینچتے ہیں۔ مگر کمی ہے تو اس قدر ہے کہ ان لوگوں نے ان شہروں میں رہنے والوں کی تعداد کا کہیں بھی ذکر نہیں کیا۔ نہ ان کی مساحت کا حال لکھا ہے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں ان امور کا ذکر بھی کیا ہے تو وہ گویا نہ لکھنے ہی کے حکم میں ہے۔ ہاں جن باتوں کی تحریر ان کے خیال میں ضروری تھی وہ یہ تھی کہ ان شہروں میں جامع مسجدوں اور حماموں کی تعداد کسقدر تھی

جس میں یہ گمان غالب وہ اتنا مبالغہ کرتے ہیں جسے سچ ماننا محال ہے۔ اور یہ بات ان کی تحریر کے مطالعہ سے خود واضح ہوجائے گی۔ ہم ذیل میں مشہور ترین اسلامی شہروں کا ذکر باعتبار ان کی قدامت کے ترتیب وار درج کرتے ہیں۔

بصرہ

مسلمانوں کے تعمیر کردہ شہروں میں اس کو سب سے قدامت کا پایہ حاصل ہے اور آج تک یہ شہر موجود ہے۔ اسکو ۱۶ھ میں عتبہ بن غزوان نے آباد کیا تھا (۱) ابتداءً مسلمانوں نے اس مقام کو ایسی جگہ پاکر جہاں ان کے اور مکہ مکرمہ کے راستے میں کوئی دریا حائل نہیں ہوتا اپنا فوجی کیمپ قرار دیا تھا۔ یہ قطعہ اراضی نہر فرات کے غربی ساحل پر واقع تھا اور اس کے متصل برابر شہر مکہ تک پہاڑوں اور ریگستانوں کا سلسلہ چلا جاتا تھا جن کے مابین کوئی ندی یا نہر نہیں تھی۔ پہلے اس شہر کے مکانات بانسوں سے تیار کئے گئے تھے۔ جس کے بعد آتشزدگی کے خوف سے متاثر ہوکر خام اینٹوں کی عمارتیں تیار کی گئیں، جس کے لئے عمرؓ کی اجازت حاصل کرنی پڑی تھی اور اس کا مفصل ذکر شہر کوفہ کے حالات میں آئے گا۔ شہر کے حصوں اور محلوں کی داغ بیل قبائل کے لحاظ سے ڈالی گئی تھی۔ یعنی ہر قبیلہ کے لئے ایک سمت کی لین تجویز ہوئی۔ شہر کے بڑے راستہ کا چوڑان ساٹھ ہاتھ رکھا تھا۔ جو اس کا مربدؐ بھی تھا۔ اور باقی رستے اور گلیاں بیس ہاتھ چوڑی رکھی گئی تھیں۔ کوچوں کا عرض سات ہاتھ تھا۔ اور ہر ایک حصہ یا محلہ کے مابین ایک وسیع میدان گھوڑوں کے باندھنے اور مردوں کے دفن کرنے کے لئے چھوڑا گیا تھا۔ مکانات نہایت گنجان تعمیر کئے گئے تھے (۲) چونکہ تجارتی موقع کے اعتبار سے شہر بصرہ۔ ملک عراق کی منڈی اور شام و فارس کے وسط میں واقع ہوا تھا۔ اس لئے اس کی آبادی میں سرعت کے ساتھ ترقی

(۱) ابن الفقیہ ص ۱۸۸ (۲) ماوردی ص ۱۶۱ ؐ اونٹوں کے باندھنے کی

ہوئی اور ایام بنی امیہ میں حکومت نے ملک عراق کا پایہ تخت بھی اسی شہر کو بنایا۔ اموی عہد میں بصرہ کی آبادی اور وسعت تعمیرات اس قدر بڑھ گئی تھی کہ خالد بن عبداللہ القسری" کے عہد گورنری میں اس کی ساحت دو مضروب دو فرسخ یعنی ۳۶ میل مربع تھی۔ جو ہموار زمین پر جس کے مابین کوئی پہاڑ نہ تھا واقع تھی۔ اور یہ رقبہ باوجود اس کے کہ آجکل کے شہر قاہرہ کی آبادی اور عمارت نہایت وسعت پذیر ہے۔ اس سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

بصرہ کی تجارتی اہمیت

عباسیوں کے زمانے میں بصرہ نامی تاجروں کا مرکز بن گیا۔ جن کی تجارت مشرق میں ہندوستان و چین مغرب میں انتہائے بلاد مغرب اور جنوب میں ممالک حبشہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ بصرہ کے بندرگاہ میں سامان سے بھرے ہوئے عمدہ جہاز ہر وقت لنگر انداز رہا کرتے تھے۔ جن میں قسم قسم کے کپڑے اور خوشبویات وغیرہ ہر ملک کے نادر سامان موجود ہوتے چونکہ بصرہ میں تجارت و سکونت کی غرض سے بکثرت آدمی آتے رہتے تھے اس لئے اس کی آبادی اور دولت مندی روزبروز روبہ ترقی تھی۔ شاندار قصور شاداب باغات و سبزہ زار اور حوضوں کی تیاری سے یہ شہر قطعہ گلزار کا نمونہ ہو رہا تھا۔ ابن حوقل بیان کرتا ہے "بصرہ کا شہر عمدہ نشست گاہوں، دلکشا مناظر، حیرت انگیز سیرگاہوں نادر میووں اور کشادہ حوضوں کے لحاظ سے بہت مشہور ہے۔ جس میں سیر کرنے کے لئے آنے جانے والوں کا ایک تانتا لگا رہتا ہے۔"

بصرہ کا سمندر سینکڑوں تجارتی جہازوں کے ٹھہرنے کا بندرگاہ بنا رہتا تھا۔ ہم کسی اور مقام پر ذکر کر چکے ہیں کہ حکومت بصرہ کے صرف ایک تاجر سے اتنا ٹیکس وصول کیا کرتی تھی جس کی مقدار ایک لاکھ دینار سالانہ تھی۔ اور جس پر دوسرے تاجروں کا حال بھی قیاس کرنا چاہئے۔ اگرچہ ان میں چھوٹے بڑے ہر قسم کے سوداگر تھے۔

اطراف عالم میں تجارتی اغراض کے لئے سفر کرنا بصرہ والوں کی نہایت مشہور صفت تھی۔ یہاں تک کہ وہ استعارہ میں ضرب المثل ہو گئے تھے۔ مورخین کا قول ہے "کاروبار کے لئے بڑے بڑے دور دراز سفر کرنے والے لوگ اہل بصرہ اور اہل خوزستان تھے۔ مشرق میں

"فرغانہ اور مغرب میں "سوس الاقصیٰ" کو جانے والے لوگ ان مقامات میں کسی "بصری" یا "خوزی" کو ضرور موجود پاتے تھے۔ یا انہیں کوئی "حیرہ" کا باشندہ وہاں ملتا تھا۔ (۱) تجارتی کاروبار کے لئے سفر کرنے میں اہل بصرہ کی حالت آجکل کے شامی تجار سے ملتی ہوئی تھی۔ یا یوں کہا جائے کہ ان کا یہ وطیرہ اہل فینیقیہ کے وقت سے چلا آتا تھا۔

اصطخری کا بیان

ہم نے اس کتاب کے حصہ اول میں اصطخری کی وہ روایت نقل کی ہے جو اس نے ۳۱۱ھ میں بہ عہد بلال بن ابی بردہ شہر بصرہ کی وسعت اور اس کی نہروں کے شمار کی بابت بیان کی ہے (۲) کہ "وہ ایک لاکھ بیس ہزار ایسی نہروں سے زائد تھیں جن میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں چلتی رہتی تھیں" جس طرح کہ ہر ایک اس بیان کا پڑھنے والا اس کی صحت میں شک کرے گا ویسے ہی اصطخری کو خود بھی اس بارہ میں شک ہوا تھا۔ اسی واسطے وہ چوتھی صدی ہجری میں بذات خاص بصرہ کو گیا تاکہ اپنی آنکھوں سے اس موقع کو دیکھ کر روایت کی تحقیق کرے۔ چنانچہ معائنہ کے بعد وہ بیان کرتا ہے:۔

"بلال کے عہد میں ان نہروں کی جو تعداد بتائی جاتی تھی مجھکو اس کے تسلیم کرنے میں کلام تھا۔ تاآنکہ میں نے ان مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میں نے معائنہ کیا کہ اکثر مقامات پر ایک تیر پرتاب زمین میں بہت سی ایسی چھوٹی نہریں موجود تھیں جن کے اندر پتلی پتلی ڈونگیاں چلتی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک نہر کا ایک نام ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے کندہ کرانے والے کی جانب منسوب ہوتی ہے۔ یا اس سمت کی جانب جدھر وہ جاکر دریا میں گرتی ہے۔ لہٰذا میں نے اندازہ لگایا کہ جو تعداد میں نے سنی تھی وہ اتنی طول و عرض کی مسافت میں واقع رہی ہوگی" (۳)

اصطخری کے بیان کی تصدیق

اور ابن حوقل نے بھی بصرہ کا حال تحریر کرتے

(۱) ابن الفقیہ ۱۹۱ (۲) ابن اثیر جلد ۵ ص ۹۳ (۳) اصطخری ۸۰

ہوئے بعینہٖ یہی بات لکھی ہے(۱) تاہم مجھکو یہ تعداد قیاس سے بڑھ کر نظر آئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے ایک باریک نظر عالم سے ملنے کا اتفاق ہوا جو کئی سال تک بصرہ میں قیام کر چکا تھا، اور وہاں کی سرزمین کے حالات جانچ چکا تھا۔ میں نے اپنا شبہ اس سے ظاہر کیا تو اس نے ان دنوں کی شہر بصرہ کی وسعت، نہروں کی کمدائی اور ان کے گنجان ہونے کا امکان اس طور پر کہ وہ چھوٹی چھوٹی جدولیں رہی ہوں۔ مگر ان کا نام نہر رکھا جاتا ہو۔ تفصیل وار بیان کر کے اصطخری کے قول کی تصدیق مجھپر آسان بنا دی اور اسباب سے بھی اس تصدیق کی تائید ہوتی ہے کہ مورخین عرب بصرہ سے صرف شہر کا اتنا آباد حصہ مراد نہیں لیتے جس کی مساحت ہم نے ۲۳ میل مربع تحریر کی ہے۔ بلکہ وہ ان باغات اور اراضیوں کو بھی اسی کے ساتھ ملاتے ہیں جو بحر فارس کے نزدیک مقام "عبادان" تک واقع اور بصرہ کے تابع تھیں اور یہ قطعہ زمین نہایت سیر حاصل اور شاداب اور کثیر الاشجار تھا۔ ابن حوقل اور اصطخری کا بیان ہے کہ شہر بصرہ کے پاس پاس ملے ہوئے کھجور کے باغات مقام "عبدسی" سے عبادان تک پچاس سے چند فرسخ زائد مسافت میں پھیلے ہوئے تھے اور وہ اس قدر متصل متصل تھے کہ اس قطعہ زمین میں جانے والا انسان ہر قدم پر کوئی نہر یا کھجور کا باغ ضرور پاتا اور یہ نہ ہوتا تو کسی باغ یا نہر کا منظر اس کے سامنے ہوا کرتا۔" اس لئے اتنی مسافت کا عرض اگر کم از کم اس کا نصف بھی رکھا جائے یعنی ۱۵۰ میل طول ۷۵ میل عرض میں ضرب دیا جائے تو حاصل ضرب ۱۱۲۵۰ میل مربع ہوتے ہیں۔ اور یہ بات قرین عقل ہے کہ ایک میل میں دس چھوٹی نہریں رہی ہوں واللہ اعلم۔

کوفہ

کوفہ کی بنا شہر بصرہ کی بنا سے چند ماہ بعد ڈالی گئی۔ اس کو سعد بن ابی وقاصؓ نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی تعمیر کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سعد نے ملک عراق کی فتح اور ایران پر تسلط پانے کے بعد فارس کے پائے تخت مدائن میں قیام اختیار کیا اور ایک جماعت

(۱) ابن حوقل صفحہ ۱۵۹

مسلمانوں کے خلیفہ عمرؓ بن الخطاب کو اس فتح کی خبر دینے کے واسطے ان کی خدمت میں بجانب مدینہ روانہ کی۔ یہ گروہ عمرؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے ان کے رنگ متغیر اور حالتیں متبدل دیکھ کر اس کا سبب دریافت فرمایا۔ ان لوگوں نے جواب دیا "ملکی آب و ہوا کی ناسازگاری نے ہم کو ایسا بنا دیا" یہ سن کر عمرؓ نے حکم صادر فرمایا کہ وہ لوگ کوئی ایسی سرزمین تلاش کریں جہاں مسلمان لوگ سکونت پذیر ہوں جس ملک کی آب و ہوا اونٹوں کے موافق مزاج نہ ہوگی وہاں کی آب و ہوا عربی باشندوں کے بھی خلاف مزاج پڑے گی۔ پھر عمرؓ نے سعد کو تحریر کیا۔ "سلیمان اور حذیفہ کو اس غرض سے روانہ کرو کہ وہ کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جو دریا کے کنارے اور خشکی سے متصل ہو۔ اور اس قسم کی جگہ ہو کہ وہاں رہنے میں تمہارے اور میرے مابین کوئی دریا یا پل نہ پڑتا ہو (۱) سعد نے اس حکم تعمیل کی اور سلیمان و حذیفہ نے نہر فرات کے اس کنارے پر جو فرات اور شہر حیرہ کے مابین واقع ہے ایک قطعہ اراضی کا پسند کیا پہلے وہاں بانسوں کے مکانات تیار کئے گئے جس طرح ابتداءً بصرہ کے مکانات بنے تھے۔ اور یہ اس واسطے کیا گیا تھا کہ مکانات خیموں سے قریب رہ سکیں مگر ان گھروں میں آگ لگ گئی تو اس کے بعد عمرؓ سے خام اینٹوں کی عمارتیں بنانے کے واسطے اجازت طلب کی جو اس شرط پر منظور ہوئی کہ ایک شخص تین گھروں سے زیادہ نہ بنائے اور مکانات بہت اونچے نہ بنائے جائیں۔

مسلمانوں کے فرقہ شیعہ کے یہاں شہر کوفہ کی بہت کچھ وقعت کی جاتی تھی۔ کیونکہ سیدنا امام علی نے اسے اپنا پائے تخت قرار دیا تھا۔ اور آپ شہید ہونے کے وقت تک وہیں رہے۔

فسطاط

ملک مصر میں مسلمانوں کا سب سے پہلا شہر یہی تھا جس کو ۱۸ھ میں عمرو بن العاص نے تعمیر کیا۔ موجودہ زمانے میں اس کا موقع شہر قاہرہ اور مصر کہنہ کے مابین تصور کرنا چاہئے۔ اس کے باقیماندہ نشانات میں آج "جامع عمرو" اور مقطم تک قاہرہ کے گرد والے کھنڈر اور

(۱) ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۵۹

ویرانے ہیں۔ یہ مقام جس وقت اہل عرب قلعہ بابل کی فتح کے لئے آئے تھے اس وقت ان کا فوجی کیمپ تھا قلعہ بابل ان دنوں مصر کہنہ میں "دیر النصاریٰ" یا دیر مارجرجس" کے نام سے مشہور ہے۔ اہل عرب نے اس قلعہ کو فتح کر لینے کے بعد اسکندریہ پر حملہ آورانہ پیشقدمی کرنی چاہی۔ تو ان کے امیر عمرو بن العاصؓ نے حکم دیا کہ ان کا خیمہ وہاں سے اکھاڑا جائے۔ لیکن جس وقت لوگوں نے خیمہ گرانا چاہا تو اس میں ایک کبوتر کا آشیانہ نظر آیا جس نے انڈے دیکر بچے نکال لئے تھے۔ عمرو بن العاص سے اس بات کی اطلاع کی گئی تو انہوں نے کہا: لقد تحرم بنا ھمتحرم ؎۱ اور حکم دیا کہ خیمہ بدستور استادہ رہنے دیا جائے۔ اور جو قبطی لوگ وہاں رہتے تھے انھیں ان جانوروں کی حفاظت کا حکم دیکر مع اپنی سپاہ کے اسکندریہ کی جانب کوچ کر دیا۔ جب وہ اسکندریہ کی فتح سے فارغ ہوئے تو خلیفہ عمر بن الخطابؓ کو مدینہ میں اس فتح کی اطلاع دے کر ان سے وہاں رہنے کی بابت رائے دریافت کی۔ عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ کیا میرے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی دریا حائل ہوتا ہے؟ قاصد نے کہا ہاں اے امیر المومنین۔ مگر جس وقت نیل میں طغیانی آیا کرتی ہے" قاصد سے اس بات کو معلوم کر کے عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو یہ جواب لکھا "میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم مسلمانوں کو ایسے مقام پر رکھو جہاں ان کے اور میرے مابین کوئی دریا حائل ہوتا ہو۔ خواہ وہ موسم سرما میں ہو یا گرما میں تاکہ جس وقت میرا دل چاہے اپنے ناقے پر سوار ہو کر تمہارے پاس آسکوں۔ (۱) یہ حکم پاکر عمرو بن العاصؓ نے وہاں کچھ محافظ سپاہ چھوڑ دی اور مابقی لشکر اسلام کو قلعہ بابل کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ یہ لوگ اس مقام پر پہنچے جہاں پہلے ان کا کیمپ تھا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ امیر عمرو بن العاص کا خیمہ وہاں بدستور استادہ ہے۔ اور چڑیاں اس کے اندر اپنے آشیانے بنائے ہوئے ہیں۔ پھر وہ لوگ اسی مقام پر اتر پڑے اور اس خیمہ کو اپنے فوجی کیمپ کا مرکز قرار دے کر اس مقام کا نام اسی دن سے فسطاط رکھدیا۔ بعدازیں عربی قبائل آپس میں مل جل کر سپاہیوں

؎۱ اب یہ خیمہ ہم پر بوجہ ایک محترم کے حرام ہو گیا ہے۔ یعنی کبوتر ایک قابل توقیر جانور ہے۔ اسے ایذا دینا بہتر نہیں۔ (۱) مقریزی ص ۲۹۶ جلد۱۔

کی رہائش کے واسطے مکانات تعمیر کرنے لگے۔ امیر عمرو بن العاصؓ نے قلعہ بابل کے شمال کی جانب ایک شہر کی داغ بیل ڈالی اور اس کا نام فسطاط رکھا۔ اس شہر میں تقریباً بیس محلے تھے۔ اور ان کا نام "خطط" رکھا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے اپنے ساتھی افسروں میں سے چار معزز شخصوں کو اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ لوگوں کو ان کی جماعتوں اور قبائل کے لحاظ سے ان محلوں میں رہنے کی جگہ دیں۔

فسطاط کی توسیع

پھر جس طرح ملک مصر میں مسلمانوں کے قدم جمتے گئے اور ان کی حکومت زور پکڑتی گئی اسی نسبت سے فسطاط کی عمارات میں وسعت اور آبادی میں زیادتی بھی ہوتی گئی۔ تاآنکہ وہ اکثر وجوہ سے بصرہ اور کوفہ پر فائق ہو گیا۔ شہر فسطاط کا طول ساحل نیل پر تین میلوں تک پہنچ گیا تھا۔ (۱) مورخین عرب نے بیان کیا ہے کہ شہر فسطاط کی عمارت کا اندازہ کرنے کے واسطے اس قدر تصور کر لینا کافی ہوگا کہ اس میں ... ۳۶ مسجدیں ... ۸ ہزار سڑکیں اور راستے اور ۱۱۷۰ حمام تھے۔ اگرچہ یہ تعداد بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے تاہم اس کے ایراد سے بہرحال اس کی عظمت اور آبادی پر استدلال ضرور ہو سکتا ہے۔ عربی شاعروں نے شہر فسطاط کی تعریف میں جو نظمیں لکھی ہیں ان میں سے شریف العقیلی کا یہ قول بہت لطیف ہے:۔

اَحِنُّ الی فسطاط شوقاً و اننی لادعولها ان لا یحل بها القطر	میں فسطاط کا اس قدر شائق اور آرزومند ہوں کہ اس کے واسطے اس بات کی دعا کرتا رہتا ہوں کہ ملک اس سے جدا ہو
و هل فی الحیا من حاجة لجنابها وفی کل قطر من جوانبه نهر	گیا اس کی جناب کے لئے کسی حیا کی حاجت ہے؟ بحالیکہ تمام ملک میں اسکے جوانب میں نہریں ہیں۔
تبدت عروساً والمقطم تاجها ومن نیلها عقد کما انتظم الدر (۲)	وہ ایک عروس زیبا کی صورت میں جلوہ گر ہے جس کا تاج مقطم کا پہاڑ اور دریائے نیل خوشنما موتیوں کی لڑی کی طرح اس کا نولکھا ہار ہے

(۱) ابن حوقل ۹۰ (۲) مقریزی ج ۱ ص ۳۴۰۔

فسطاط میں کثرت آبادی کی یہ حالت تھی کہ مکانات کئی کئی منزل کے بنائے جانے لگے۔ حتیٰ کہ بعض مکانات پانچ منزل سے لے کر سات منزل تک بنائے گئے۔ بسا اوقات ایک ایک گھر میں دو سو آدمی سکونت پذیر رہتے۔ کسی کسی مکان کی تیاری پر سات لاکھ دینار تک لاگت آئی تھی اور وہ "خمارویہ" کا دارالحرم تھا (۱)

فسطاط کی خوش حالی

فسطاط کی عالیشان عمارتوں میں ایک مشہور گھر "دار عبدالعزیز" تھا جس کی عظمت وشان اور اس کے مکینوں کے تمول کو ملک میں ضرب المثل ہونے کا فخر حاصل تھا۔ یہ ایوان بالکل دریائے نیل کے کنارے پر تھا اس کی وسعت اور اس میں رہنے والوں کی کثرت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کے یہاں مشہور قول کی بناء پر صرف پانی کا خرچ چار سو بکھال روزانہ ہوتا تھا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ اس مکان میں دریائے نیل سے پانی بھرنے کے لئے سولہ ہزار چرخیاں ایسے طاقوں میں لگی تھیں جن کا رخ دریائے نیل کی جانب تھا اور ان پر ڈول اور رسیاں لپٹی رہتی تھیں جن سے ہر وقت باسانی پانی بھرا جا سکتا۔ ایک شخص جو تیسری صدی ہجری میں بعہد "خمارویہ" فسطاط میں آیا تھا اس نے بیان کیا کہ "میں نے فسطاط میں ایک خدمت گار تلاش کیا لیکن مجھ کو کوئی ایسا خدمت گار نہیں دستیاب ہوا جو بیکار ہوتا اور میرے کام آ سکتا۔ میں نے اس امر کا باعث دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہاں ہر ایک خدمتگار کے بھی دو دو اور تین تین پیشہ دست ہوتے ہیں۔ میں نے تحقیق کی کہ آخر اس مکان میں کتنے ایسے خدمت گار ہیں جن کے ہمراہ خود دو تین خادم رہا کرتے ہوں۔ اس کا جواب ملا کہ ستر ایسے خدمت گار ہیں جن کے ساتھ ہر وقت تین آدمیوں سے کم موجود نہیں رہتے۔ اور وہ لوگ ان کے علاوہ ہیں جو اپنے کام سے فارغ ہو کر فرصت پا چکے ہوں۔"

اس امر کے علم سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ فسطاط کے رہنے والوں کی دولتمندی کس درجہ پر رہی ہو گی۔ جن کے خدمتگار آجکل کے آقاؤں پر تفوق رکھتے تھے۔ اسی بنیں کہ

---

(۱) مقریزی ج ۱ ص ۳۳۰

ان لوگوں کی یہ بھی عادت تھی کہ فرش اور بستر بکثرت جمع کیا کرتے۔ ایک ایک شخص ایک ہزار سے لے کر دس ہزار فرش اور بستر اپنے یہاں تیار رکھتا تھا۔ فسطاط کے ایک باشندے کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اس کے یہاں تین سو بستر تھے اور ہر ایک بستر ایک لونڈی کے واسطے مخصوص تھا۔ اسی طرح کپڑوں کے بارہ میں بھی تصور کرنا چاہیے۔ جن کی قیمتیں بعض اوقات نہایت زیادہ ہوا کرتی تھیں۔ مگر بوجہ اپنی مالداری کے وہ لوگ اس کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ ثعالبی نے بیان کیا ہے کہ خمارویہ کی بیٹی "قطر الندیٰ" کے جہیز میں منجملہ اور کثیر سامانوں کے صرف ہزار کمر بند دیے گئے تھے۔ جن میں سے ایک ایک کمر بند کی قیمت دس دینار تھی۔ گویا مجموعی قیمت ان ازار بندوں کی دس ہزار دینار ہوئی اور اس کے ماسوا کھانے پینے میں وہ جس قدر تکلفات اور مصارف کیا کرتے تھے ان کا بیان ہی فضول ہے اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ مقریزی وغیرہ مورخین نے فسطاط کے حالات لکھتے ہوئے ان باتوں کی تشریح کر دی ہے۔ جسے دیکھنا ہو ان کی تصانیف اٹھا کر دیکھ لے۔

بغداد

یہ شہر عباسیوں کا پایۂ تخت اور خلیفہ منصور عباسی کا بنایا ہوا تھا۔ اس کی بنیاد ۱۴۶ھ میں تمام ہوئی اور آج تک باقی ہے گو اس کی حالت پر کئی بار تغیرات واقع ہوئے اور اس کی عمارت کی جگہیں بدلتی رہیں اس کی بنا کا سبب یہ تھا کہ جب خلیفہ سفاح نے بیعتِ خلافت لی اور عراق و فارس میں اس کے مددگاروں کی تعداد زیادہ ہوئی تو وہ اپنے بھائی منصور کے ساتھ پہلے کوفہ میں اقامت گزیں ہوا۔ اس کے بعد اس نے شہر انبار کے متصل ایک نیا شہر "ہاشمیہ" نامی تعمیر کرایا۔ اور وہاں طرح اقامت ڈالی (۱) اس جدید شہر کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس نام سے عباسیوں اور علوی سادات کے باہم متحد اور مجتمع ہونے کا اشارہ

---

(۱) ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۱

عیاں ہوتا تھا۔ "سفاح" نے اسی شہر میں وفات پائی اور اس کی قبر وہیں ہے۔ منصور ا
بھائی سفاح کی وفات کے بعد چند سال تک ہاشمیہ میں رہا۔ مگر جب "راوندیہ" فرقہ
کے لوگوں نے بغاوت کی تو منصور کو وہاں کی بود و باش سے نفرت ہو گئی اور وہ کسی ایسے م
کی تلاش کرنے لگا جہاں ایک مستحسن شہر کی بنیاد ڈالے۔ لوگوں نے اسے "بغداد" کی ا
کا پتہ دے کر اس کی بہت کچھ ثنا و صفت بیان کی۔ منصور نے اس جگہ ایک شہر کی بنیاد
ڈالی اور بڑی توجہ کے ساتھ اس کی تعمیر کا کام انجام دیا۔ اس شہر کا نام "بغداد" رکھا ا
"مدینۃ المنصور" کے نام سے مشہور ہوا۔

خلیفہ منصور نے اسکو دریائے دجلہ کے غربی جانب مستدیر شکل پر بنوایا تھا۔ اور اس کے
ہر چار جانب اپنے اہل حاشیہ موالی اور اتباع کے واسطے قطعات مقرر کئے تھے۔ پھر جب
وقت "مہدی" کا زمانہ آیا تو اس نے اپنا فوجی کیمپ دجلہ کے مشرقی سمت میں منتقل کر دیا
اور اس جگہ کا نام "عسکر المہدی" رکھا۔ بعد ازاں دوسرے معزز لوگ اور امرائے دولت
نقل مکان کر کے اسی جدید حصہ میں چلے آئے۔ جنہوں نے اپنی اپنی عمارتیں بنوائیں اور خلافت
کا اثاثہ بھی اسی طرف اٹھ آیا۔ خلفا کے قصور اور باغات کا سلسلہ دریا کے کنارے پر دو
تک ممتد ہوتا چلا گیا تھا بغداد کے شرقی جانب کا نام "رصافہ" اور غربی حصہ کا نام "کرخ"

بغداد کی وسعت

بغداد کی بیشتر آبادی خلیفہ "مامون" کے ایام میں بڑھی۔ یہاں
تک کہ اس کی عمارتوں اور باغوں کا سلسلہ اتنے وسیع قطعہ اراضی
پر ممتد ہوا جس کی بابت مورخین کا بیان ہے کہ اس کی مساحت ترپن ہزار سات
سو پچاس جریب تھی۔ شرقی جانب میں ۲۶۷۵۰ جریب اور غربی جانب میں ۷۰۰۰
جریب (۱) ایک جریب تین ہزار چھ سو مربع ہاتھوں کی ہوتی ہے۔ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ اتنی مساحت سے صرف اکیلا شہر بغداد مراد نہیں تھا۔ بلکہ بہت سے باہم ملے ہوئے
شہر مقصود تھے۔ جن کو بہیئت مجموعی بغداد کے نام سے تعبیر کیا کرتے۔ خطیب بغدادی اپنی

(۱) سیر الملوک ۵۵

تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ وہ چالیس شہروں کا مجموعہ تھا۔ مامون کے عہد میں حماموں کی تعداد ۶۵۰۰۰ ہزار بیان کی گئی ہے۔ (۱) مصنف کتاب "سیر الملوک" نے بغداد کی آبادی کا اندازہ بیان کرنے کی نیت سے اس کے حالات حسب ذیل لکھے ہیں۔ "اسوقت بغداد میں حماموں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ اور کم ازکم ہر حمام میں پانچ آدمی ہونے ضروری ہیں۔ ایک حمامی ایک منتظم ایک صفائی کرنے والا ایک آگ سلگانے والا اور ایک پانی بھرنے والا جن کی مجموعی تعداد تین لاکھ اشخاص ہوتی ہے۔ اور یہ ذکر کیا گیا ہے کہ ہر حمام کے بالمقابل پانچ مسجدیں تھیں جن کی کل تعداد تین لاکھ مساجد ہوئی۔ پھر اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ ہر مسجد میں بھی کم ازکم پانچ آدمی ضرور رہیں گے جن کا یک جائی شمار ایک کروڑ پانچ لاکھ انسان ہوا۔ (۲)

بغداد کی آبادی

مگر یہ تخریج ان حالات سے انطباق نہیں رکھتی جو ہم کو اس زمانے کی بابت معلوم ہوئے ہیں۔ لہذا ہم اس کو بجنسہٖ تسلیم کر لینے سے معذور ہیں۔ البتہ اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ اس حیرت انگیز تمدن کے عہد میں اس شہر کی عظمت اور شان حد قیاس کی رسائی سے بالاتر تھی۔ ہمارے اس قول کی تائید علامہ طبری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو اس نے ۳۰۵ھ ہجری کے فتنہ بغداد کا حال لکھتے ہوئے اثنائے کلام میں تحریر کی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ:۔

"اس وقت بغداد کے دونوں پلوں سے جو عام لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر عبور کر گئے تھے اس کی تعداد ایک لاکھ آدمی بیان کی گئی ہے۔" (۳)

اس لئے جبکہ نہر سے پار اترنے والوں کی اس قدر تعداد تھی تو ان لوگوں کے شمار کی بابت کیا کہنا چاہئے جو دریا کو عبور نہیں کر سکے۔ اس بنا پر اگر اس زمانے میں بغداد کی مردم شماری کا اندازہ ڈیڑھ یا دو ملین نفوس لگائیں تو یہ امر خلاف قیاس نہ ہوگا۔ پھر اس کے علاوہ وہ آبادی تھی جو خاص بغداد کے اطراف اور تمام ملک سواد میں پائی جاتی تھی۔ ابن حوقل جس نے چوتھی صدی ہجری کے اثناء میں ان مقاموں کو دیکھا تھا اس کی بابت بیان کرتا ہے (۴)

(۱) ابن خلدون جلد ۱ ص ۲۰۰ (۲) سیر الملوک ۵ (۳) طبری جلد ۳ ص ۱۷۰ (۴) ابن حوقل ۱۶۹

بغداد اور کوفہ کے مابین ایک گنجان سواد ہے۔ جس میں امتیاز نہیں ہو سکتا اور اس رقبہ میں دریائے فرات سے بکثرت نہریں کاٹ کر لائی گئی ہیں۔ ...... الخ"

مسلمانوں کے تعمیر کردہ چند اور شان دار شہر بھی تھے مثلاً بلاد مغرب میں قیروان اور عراق میں "واسطہ"۔ اور ان کے سوا مصر، شام اور فارس کے بہت سے شہر جو ان شہروں سے علاوہ تھے جن کی آبادی قبل عہد اسلام سے پائی جاتی تھی۔ اور مسلمانوں نے وہاں قیام کر کے ان میں اور بھی اضافہ کیا جیسے دمشق۔ قرطبہ۔ غرناطہ۔ طلیطلہ اور اسکندریہ اور ہم انشاء اللہ ان شہروں کی حضارت وغیرہ کا آئندہ حصص کتاب میں مزید بیان دیں گے جبکہ ان کی طرز معاشرت پر بحث کریں گے۔ فقط۔

تمام شد

ہمارے ہاں کے مطبوعہ قرآن مجید

قرآن مجید معرا	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	کاغذ عام -	جلد پارچہ بائنڈنگ
قرآن مجید معرا	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	کاغذ عام -	جلد مراکو بائنڈنگ
قرآن مجید معرا	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	کاغذ عام -	جلد اعلیٰ بائنڈنگ کلاتھ
قرآن مجید معرا	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	کاغذ اعلیٰ -	جلد مراکو بائنڈنگ
قرآن مجید معرا	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	کاغذ اعلیٰ -	جلد اعلیٰ بائنڈنگ کلاتھ
قرآن مجید معرا	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	کاغذ اعلیٰ -	جلد اعلیٰ بائنڈنگ کلاتھ سنہری ڈائی
قرآن مجید معرا	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	کاغذ اعلیٰ	جلد رنگزین بائنڈنگ سنہری ڈائی
پارہ سیٹ	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	غیر مجلد	
پارہ سیٹ	۲۰×۳۰/۸	۱۵سطری	مجلد	
پنج پارہ	۲۰×۳۰/۸	۱۵ سطری	کارڈ بائنڈنگ	

دیگر مطبوعات

قاعدہ یسرنا القرآن ۲۰×۲۶/۸ - خوبصورت دو رنگ کا ٹریج ٹائٹل

قاعدہ بغدادی ۲۰×۲۶/۱۶

ادبی لائبریری کا پہلا سٹ

سوداگر	رئیس احمد جعفری	۳٫۰۰
صلاح الدین ایوبی	رئیس احمد جعفری	۳٫۷۵
طوفان	رئیس احمد جعفری	۳٫۰۰
تسنیم	قیسی رامپوری	۳٫۷۵
سلمیٰ	قیسی رامپوری	۳٫۰۰
درد محبت	مجاہد لکھنوی	۳٫۵۰
ازدواجی الجھنیں	ڈاکٹر جی ایم ناز	۳٫۰۰
جینے کا فن	عابد جعفر	۳٫۰۰
تاریخ اسلام کے حیرت انگیز لمحات	عبداللہ عنان	۳٫۰۰
النوری	عذرا اجمال	۳٫۲۵

اَدبی لائبریری کا دوسرا سٹ

نغمہ	قیسی رامپوری	۳٫۰۰
برہنہ	قیسی رامپوری	۳٫۰۰
ضربیں	قیسی رامپوری	۳٫۰۰
کسک	مجاہد لکھنوی	۳٫۰۰
منزلیں	مجاہد لکھنوی	۳٫۰۰
دوست	رئیس احمد جعفری	۳٫۰۰
بیگانہ	عذرا اجمال	۳٫۵۰
زندگی کی مسرتیں	عابد جعفر	۳٫۵۰
فسانۂ ہستی	حسن عباس جعفری	۳٫۵۰
مامون الرشید	مترجمہ سید ظہور احمد ندوی	۳٫۵۰

ہماری دیگر مطبوعات

بچوں کی نفسیات	شیر محمد اختر	۱/۵۰
رنگ شباب	ایم اسلم	۰/۷۵
اچھے دن	قیسی رامپوری	۲/۷۵
سائرہ	قیسی رامپوری	۵/۵۰
کلیم	قیسی رامپوری	۲/۲۵
بدلتے زمانے	مجاہد لکھنوی	۶/۵۰
سہانے خواب	مجاہد لکھنوی	۵/-
کتنے جلوے کتنے طور	امتیاز ادیب	۵/-
جشن چراغاں	ایم اسلم	۴/۵۰
یادش بخیر	قیسی رامپوری	۵/۵۰

بچوں کے لیئے

موروں کا بادشاہ		/۴۰
بہادر شاہ ظفر (ڈرامہ)	محمد نعیم عارفی	/۲۵

تمدنِ اسلام

حصہ دوم

مصنفہ
علامہ جرجی زیدان

مترجمہ
محمد حلیم انصاری ردولوی

جس میں اسلامی حکومت کی ثروت، عہدہ دارانِ حکومت اور خلفا کی دولتمندی اس ثروت کی فراہمی کے اسباب، پھر اس کے انحطاط کے وجوہ، عام ملک کی ثروت اور خاص شہروں اور دیہاتوں کی مالداری سے بالترتیب بحث کی گئی ہے اور مملکت اسلام کی مالی آمدنی کے قدیم گوشوارے درج کر کے ان پر تنقیدی بحث کی ہے

شیخ شوکت علی اینڈ سنز تاجرانِ کتب
بندر روڈ، کراچی
قیمت:۔ سات روپے پچاس پیسے